UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222803
UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—2272—19-11-79—10,000

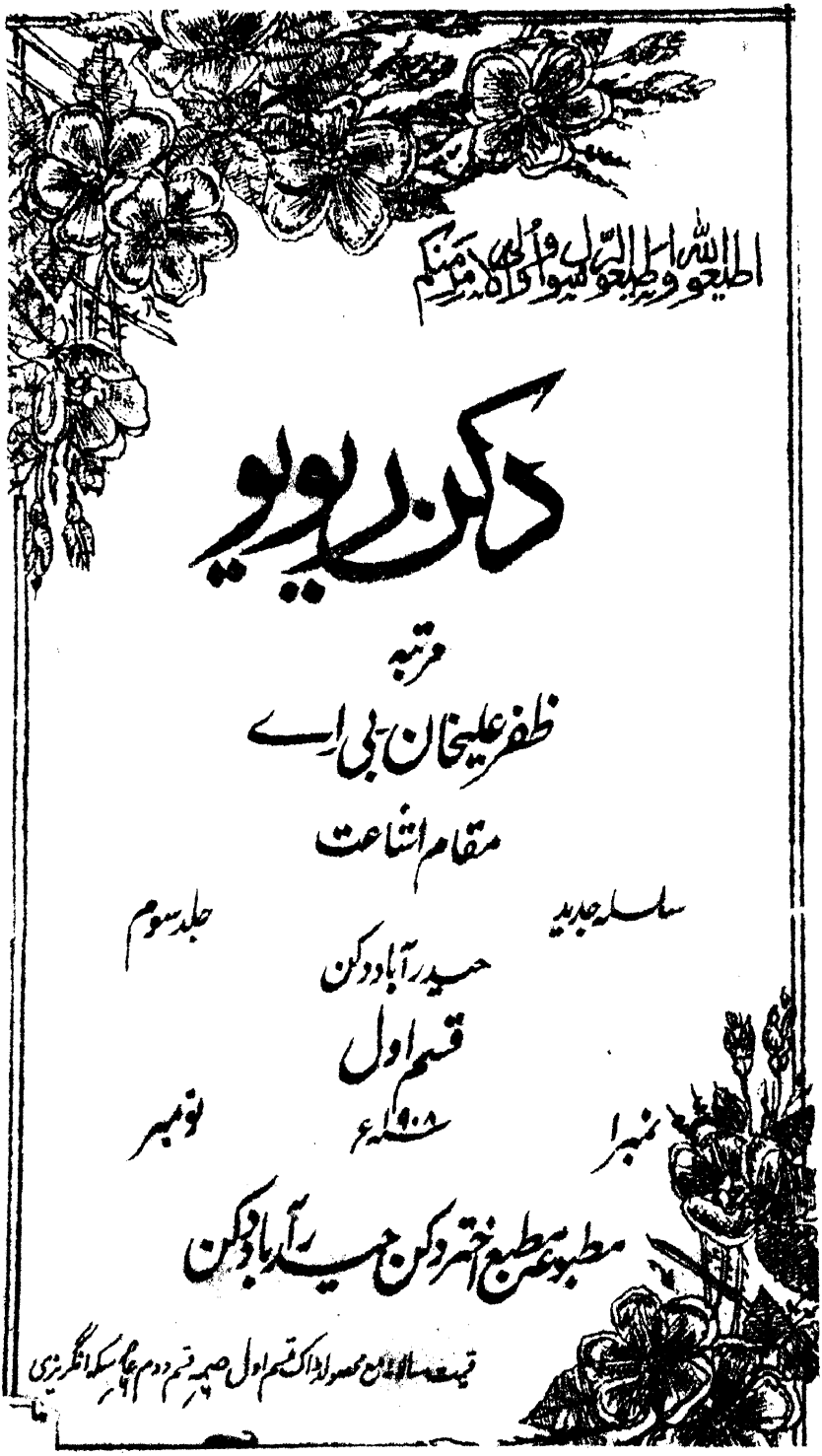
OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ..... Accession No. .....

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.



اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان بی اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — جلد سوم

حیدرآباد دکن

قسم اول

نمبر ۱ — ۱۹۰۸ء — نومبر

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ بمحصول ڈاک قسم اول صیغہ قسم دوم ۱۲ چار سکہ انگریزی


Checked 1968
1952

هز هائنس سيد فيصل بن تركي سلطان مسقط

دکن ریویو

سلسلہ جدید

نمبر ا | نومبر سنہ ۱۹۰۸ء | جلد سوم

تصویر سلطان مسقط

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
اڈیٹوریل	اڈیٹر	ا
شب معراج	مولانا سید علی حیدر طباطبائی پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن	۱۰
کچھ جگ بیتی کچھ آپ بیتی	ہز اکسلنسی ہمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے سی۔ آئی۔ ای حیدرآباد دکن	۸
جذبات آزاد	مولانا حافظ سید فضل حق صاحب آزاد پٹنہ	۹
تصوف کی تاریخ (۱)	اڈیٹر	۱۰
سید محمود آزاد (۲)	مولانا رضا علی صاحب وحشت کلکتہ	۳۳
بیکاری کے چند گھنٹے (۱)	مولوی جواد علیخان صاحب میتھی دارالعلوم ندوہ۔ حیدرآباد دکن	۳۹
تاریخ طغیانی رود موسیٰ	مولانا سید اکبر حسین صاحب۔ الہ آباد	۴۸

اڈیٹوریل

اس نمبر سے دکن ریویو اپنی نئی زندگی کے تیسرے برس مین قدم رکھتا ہے۔ اور اگر جنوری سنہ ۱۹۰۴ء سے حساب لگایا جاے جو اس کا سن پیدائش ہے تو اس کی عمر کے چھٹے سال کے آغاز کو صرف ایک مہینہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس پانچ سال کے عرصہ مین اس نے اردو زبان کی جو بڑی بھلی خدمت کی ہے وہ ارباب ذوق سلیم سے پوشیدہ نہین۔ اس کے محاسن و معایب پر نقادان فن نے

ہر طرح کی رائین ظاہر کین - اکثر نے اسے بہ نظر استحسان دیکھا - بعض کو اس کے ہنر عیب بنکر نظر آئے بہر حال اگر میزان ادب مین اس کے پنجسالہ محاسن و معائب تولے جالین تو محاسن کا پلہ جھکا ہوا نظر آئیگا جس پر اُسے فخر کرنے کا پورا حق حاصل ہے -

دکن ریویو کے نامہ نگارون مین ملک کے بڑے سے بڑے انشا پردازون کے نام نظر آئین گے - اس کے اعداق کو اپنے گوشہ چشم سے روکش اکسیر بنانے مین حضور آصف جاہ سادس خلد اللہ ملکہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ کی ہنر پروری کرشمہ سبز دکھائی دیگی - اس کے سرپرستون کی فہرست کے لیے یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے - سی - آئی - ای - کے سے جلیل القدر امرا کے نام باعث زینت عنوان ہونگے - لیکن با این ہمہ سرمایہ مفاخرت اسے وہ اطمینان نصیب نہ ہوا جو ایک کثیر الاشاعت اخبار ہی کا حصہ ہے - اس کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ اس کے پڑھنے والے ہزارہا کی تعداد مین طول و عرض ملک مین پھیلے ہوے ہون لیکن حسرت اس تمنا کی سنگ راہ ہوگئی -

آخر اس قلت اشاعت کی کیا وجہ ہے ؟ کیا دکن ریویو کے مضامین نظم و نثر دلچسپ نہین ہوتے ؟ کیا اس کی قیمت اس قدر زیادہ ہے کہ ہر شخص کی اس تک رسائی نہین ہوسکتی ؟ ہرگز نہین !! مضامین کی خوبی کے ضامن خود مضمون نگارون کے نام ہین جو آجکل کی اردو دان دنیا کے علمی آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہین اور قیمت کی یہ حالت ہے کہ ہر سالانہ مین محصول ڈاک سمیت ۴۲۰ صفحے اور ۱۲ اعلیٰ درجہ کی عکسی تصاویر مشاہیر دنیا کی دی جاتی ہین جس سے زیادہ ارزان نرخ کا ہونا ممکن نہین اس پر بھی اشاعت اگر نہین بڑھتی تو سوا سے اسکے کہ قسمت سے شکایت کیجاے اور کیا کہا جاسکتا ہے کیونکہ پبلک پر بدمذاقی کا الزام لگانا اپنی فرد قرارداد جرم خود مرتب کرنا ہے جس مین تعلی و خودستائی کے الزام جلی حروف مین لکھے ہوئے نظر آئین گے -

خیر ! ہم ستایش کی تمنا اور صلہ کی پروا کو فرق استغنا پر نثار اور اگر ضرورت ہو تو کیے نقصان مایہ و دیگر خسارت جسمانیہ کی شق اول کو یقین اور شق ثانی کو احتمال کے حوالے کرتے ہوئے پرچہ نکالے جاتے ہین اس امید پر کہ اگر اب نہین تو دس بیس پچاس سال بعد جب شاید ہم پیوند زمین ہو چکے ہونگے دکن ریویو کا آیندہ مالک اور ایڈیٹر اخبار ہیئی اور ادب آشنائی کے بڑھتے ہوے مذاق کی بدولت اس اطمینان کو دل مین جگہ دے سکے گا کہ ہندوستان کا کوئی بڑا شہر ایسا نہین جہان اس کے پڑھنے اور قدر کرنے والے

ہزار دو ہزار موجود نہ ہون ۔ اسی امید پر بیٹھا کرتی سہتا ہون زندان مین بڑھین گی طوق جب آپکے گلے کی ہیرا مین

لیکن اس پر بھی ہم سے یہ تو نہین ہوسکتا کہ دکن ریویو کے عشق مین جس کے بغیر عمر کٹنی دشوار ہے خسارہ اور نقصان کے صدمے یہان تک اوٹھائین کہ بقدر لذت آزار بھی طاقت باقی نہ رہے۔ ہمارے محترم دوست مولوی محمد انشاء اللہ خان صاحب نے جب دو سال ہوئے ہین یہ مشورہ دیا تہا کہ دکن ریویو کا ایک نہایت ہی ارزان ایڈیشن بہی نکالا جاے تاکہ ہر طبقہ تک اس پرچہ کی رسائی ہوسکے تو ہم نے قسم سوم اس خیال سے نکالی تہی کہ گو دکن کی مہنگی چھپائی کی وجہ سے ایک روپیہ آٹھ آنہ سالانہ مین اس وقت اس ایڈیشن کا خرچ ہی نہین نکل سکتا اور ہر پرچہ کی بابت ۲ ربطور خسارہ ہمین اپنی گرہ سے دینے پڑتے ہین لیکن ممکن ہے کہ اس قسم کے دو تین ہزار خریداردن کے ہم پہونچ جانے سے پرچہ اپنا خرچ خود نکالنے لگے۔ لیکن دو سالہ تجربہ سے مرزا مثل والے اوس اعرابی کی تصویر ہماری آنکھون مین پہر گئی جو کعبہ کا قصد کرکے ترکستان کی سڑک پر پڑ لیا تہا۔ خریدارون کی فہرست پر اس سبب مین کہ تعداد بہت کچہہ بڑہ گئی ہوگی جب نظر ڈالی تو وہی ڈاک کے تین پات نظر آتے اور جب کو اس خیال سے کہ ابہی کچہہ باقی ہوگا اجب ٹٹولا تو جھنجہی کوڑی بہی نہ ملی۔ اب ناظرین خود انصاف فرماسکتے ہین کہ کہان تک یہ نقصان برداشت کیا جاسکتا ہے۔

اے نسیم حضرت سلمی خدارا تا بکے ۔۔۔ ربع را بر ہم زنم اطلال را حیون کنم

اس لیے مجبوراً ہم اس دفعہ سے قسم سوم موقوف کرتے ہین۔ پرچہ کی صرف دو قسمین اول و دوم نکلا کرینگی قسم دوم کی قیمت چہ سالانہ بہی ایسی نہین کہ قدردان ناظرین کی جیبون پر بار ہو۔ ہان جو نا قدردان ہین اون کے لیے دکن ریویو ۲ رسالانہ کو بہی جیتا ہے۔

البتہ اُن ناظرین کے لیے جو اب تک قسم سوم کے خریدار تہے یہ رعایت کی جاتی ہے کہ ایک سال یعنی اکتوبر ۱۹۰۹ء تک اون ہین قسم سوم کی قیمت ادا کرنے پر قسم دوم کا پرچہ ملے گا۔

صدر اعظم دولت آصفیہ نے اُن عنایات بے غایات کے اقتضا سے جو ہمیشہ دکن ریویو کے شامل حال رہی ہین طغیانی سیلاب موسمی سے چند دن پہلے ہمین ایک عنایت نامہ بہیجا تہا جسکا ہر ہر لفظ سرمہ چشم امتنان تہا۔ اس عنایت نامہ کا مضمون اکتوبر نمبر کے ایڈیٹوریل کالم مین بجنسہ درج ہوچکا تہا کہ وہ چھپا چھپایا نمبر ہی قدر طوفان ہوگیا۔ اور ہمین جلدی تین دوسرا نمبر چہاپنا پڑا۔ اب کسی قدر حواس برجا ہوے ہین اور پرچہ کی ترتیب

پر توجہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ اسلئے ہم بکمال فخر اس عنایت نامہ کے مضمون کو اپنے سال نو کے لیے ایک مبارک فال سمجھ کر درج ذیل کرتے ہیں۔ عالیجناب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ایک عرصہ سے دکن ریویو کے لیے میں نے کوئی مضمون نہیں بھیجا جسکی وجوہ یہ ہیں۔ اول مضمون نگاری خود ایک مشکل کام ہے اس کو لیے ہمہ دانی کی ضرورت ہے دوسرے کاروبار سے اتنی فرصت کہاں۔ اگر کبھی کچھ فرصت ہو بھی جاتی ہے تو وہ تین حصوں پر منقسم ہو جاتی ہے۔ ایک حصہ افکار کی نذر ہوتا ہے اور دوسرا معائنہ و مطالعہ کتب تصوف کے قربان اور بقیہ مثنوی نظم کے حوالے۔ نثر کی نوبت کس طرح آئے۔ بہرحال ٹوٹی پھوٹی نظم جو اپنی بیتی یا اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ایک عمدہ وسیلہ ہے اس کے ساتھ بھیجتا ہوں اگر مناسب ہو تو کسی صفحہ میں جگہ دیجیے۔

"میں نے دو سال کے قبل ایک مثنوی جو اپنے رنگ میں لاجواب ہے (موسوم بہ مثنوی راسخ) طبع کرائی تھی جسکا ایک نسخہ مرسل ہے۔ اب تک یہ شایع نہیں ہوئی۔ اگر اس کے دیباچہ کو جو میرا لکھا ہوا ہے اپنے پرچہ میں جگہ دیدیجیے تو خالی از لطف نہ ہوگا۔ سخن سنج جوہریوں کے لیے یہ کتاب ایک بیش بہا ہیرا ہے اس سے میرا مقصود اصلی یہ ہے کہ یہ مثنوی جو اب تک دردِ دل کی طرح چھپی ہوئی رہی آفتاب بن کر سب کو اپنا جلوہ دکھادے۔ باقی اللہ خیر صلا۔"

نظم جو عالیجناب ممدوح نے مرحمت فرمائی ہے۔ کچھ آپ بیتی کچھ جگ بیتی" کے عنوان سے کسی دوسری جگہ درج کی گئی ہے اور دیباچہ مثنوی راسخ انشاءاللہ العزیز دسمبر نمبر میں شایع ہوگا۔

۱۶ نومبر ۱۹۱۰ء کی تاریخ دکن میں ہمیشہ یادگار رہے گی اس دن بہ تقبیل فرمان کرمت ترجمان حضور آصف جاہ سادس خلداللہ ملکہ۔ بصدارت صدر اعظم دولت آصفیہ باغ عام کے دربار ہال میں ایک عالیشان جلسہ مصیبت زدگان طغیانی رود موسیٰ کی امداد کی غرض سے نہایت وسیع پیمانہ پر ہوا۔ کل امراء اعیان و ارکین دولت اس جلسہ میں موجود تھے حاضرین کی تعداد دس بارہ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ اس جلسہ کا سب سے اہم رزولیوشن یہ تھا کہ مصیبت زدوں کے لئے چندہ فراہم کرنے کی تدبیر اختیار کی جائیں جلسہ میں جب فہرست چندہ کھولی گئی تو حضور پرنور ظل سبحانی کے ایک لاکھ کے شاہانہ عطیہ کی کل مقدار تین لاکھ چودہ ہزار تک پہونچ گئی جس میں عالیجناب صدر اعظم بہادر کی مسلسل توجہات سے بہت کچھ اضافہ کی امید ہے۔ جلسہ میں ایک گوشوارہ تقسیم کیا گیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ رقبہ متاثرہ ۱۲ میل مربع تھا جس میں ۵۲ محلے تھے۔ نقصان جان بقدر تین ہزار اور نقصان مال بقدر ڈھائی کروڑ کے ہوا اور ۱۹ نومبر تک ایک لاکھ تیس

حسب وعدہ ہم اس نظم کو بھی درج کرتے ہیں جسکا ذکر عالیجناب نے فرمایا ہے۔ اس نظم کے ۳۶ صفحے ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۲ اشعار ہیں۔ ہر شعر کے دو مصرعے ہیں۔ ہر مصرعہ میں ۱۶ رکن ہیں۔ ہر رکن میں ۴ حرف ہیں۔ ہر حرف میں ۳ نقطے ہیں۔ ہر نقطہ میں ۳ سیاہی کے دھبے ہیں۔ ہر دھبہ میں ۳ ذرے ہیں۔ ہر ذرہ میں ۳ ایٹم ہیں۔ ہر ایٹم میں ۳ الیکٹرون ہیں۔ ہر الیکٹرون

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا
الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ

۱۱۶۹

دکن ریویو

شب معراج

ابر مشکین پرند مناطر قدرت کی دلفریبیون کا سرمایہ ہے اور شاعر کا دل و دماغ اس سرمایہ کا خازن - کالی گھٹا جھوم کر اٹھتی ہے اور جب موسلا دھار برستی ہے تو انسان حیوان حجر و شجر سب کو تازہ کام کر دیتی ہے - ہر دل مین اُس کا جانفزا منظر ایک نرالی اُمنگ پیدا کرتا ہے - ہر دماغ مین اس کے دلفریب سمے سے ایک نیا نور اُٹھتا ہے - یہی وہ کیفیتین ہین جو شاعر کے سمند تخئیل کے لیے تازیانہ کا کام دیتی ہین وہ انہین حال کے دیوانہ سے قال کی بستی مین لا بٹھاتا ہے - اور ترجمان حقیقت بن کر وہ ودکر شمہ آرائیان کرتا ہے کہ ذوق سلیم پر حالت وجد طاری ہو جاتی ہے -

فارسی شاعری کا مایہ امتیاز قصیدہ ہے اور قصیدہ کی جان تشبیب ہے تشبیب مین زیادہ تر حسن و عشق کے مضامین درج ہوتے ہین اور بہت کم تشبیبین ایسی ہون گی جو پیرایۂ تغزل سے عاری ہون - لیکن بعض صورتون مین تشبیب کا موضوع اس سے مختلف بھی ہوتا ہے - اور قصیدہ کی عمارت کی رو کار پہ بہار و خزان صیف و شتا ابر و باران

کا مسالہ صرف کیا جاتا ہے

استادہ ایران مین فرخی سیستانی پہلا بڑا شاعر تھا جس نے ابر کا نقشہ قصیدہ کی تشبیب مین کھینچا ہے اور حق یہ ہے کہ نو سو سال گزرنے پر بھی اوس کے اشعار کی لطافت اور تازگی مطلق کم نہین ہوئی اور ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جاے کہ جو کچھ فرخی کہہ گیا ہے اوس پر متاخرین مین سے کوئی بھی آج تک کچھ اضافہ نہین کرسکا - یہ چند اشعار ملاحظہ ہون -

برآمد نیلگون ابری ز روے نیلگون دریا
چو رای عاشقان گردان چو طبع بیدلان شیدا

ببارید و زهم بگسست و گردان گشت بر گردون
چو پیلان پراگنده میان آبگون صحرا

تو گفتی گرد نگار است بر حراقهٔ چینی
تو گفتی موے سنجابست بر فیروزه گون دیبا

تو گفتی آسمان دریاست از سبزی و بر رویش
همه پهنا اندر آورده است ناگه بچگان غنقا

همی رفت از بر گردون گهے تازی گهے رومی
درو گه آسمان پیدا و گه خورشید نا پیدا

بسان چندن سوهان زده بر لوح فیروزه
بکردار عبیر بیخته بر تخته مینا

چو دود آتشے کابش بروے اندر زنی ناگه
چو چشم بیدلے کز دیدن دلبر شود بینا

قاآنی نے جسے خاتم المتاخرین سمجھنا چاہیئے ان اشعار کو اپنے سامنے رکھکر تمام اوس قدرت کے صرف سے جو اُسے الفاظ پر حاصل ہے امام ضامن کی منقبت مین قصیدہ لکھا ہے اور تشبیب مین ابر و باران کی تصویر کھینچی ہے لیکن فرخی سے ایک انچ آگے نہین بڑھ سکا تقابل کے لیے اشعار ذیل ملاحظہ ہون :-

بگردون تیره ابری همه دان پر شده از دریا
جواهر خیزد گو هر ریزد گو هر بیزد گوهر زا

چو چشم اهرمن خیره چو روے زنگیان تیره
شده گفتی همه چیره بمغزش علت سودا

منش با قیر آلوده دلش از شیر آسوده
برون از پرنیان سوده درون پر بوی لالا

بل گلشن بتن زندان گهے گریان گهے خندان
چو در بزم طرب رندان ز شور نشاء صهبا

چو دودے سر بهوا رفته چو دیوے مست و آشفته
زده بس دُرّ ناسفته ز مستی خیره بر خارا

شدہ خورشید نورافشاں بہاری جرم او پنہاں
چو ماہِ مصر در زندان چو ماہ چرخ در ظلما

زفیض او دمیدہ گل شمیم طرۂ سنبل
کشیدہ از طرب بلبل بشاخ سرو و گل آوا

عذار گل خراشیدہ خط ریحان تراشیدہ
ولیس الماس پاشیدہ بباغ از ژالۂ بیضا

اوہ اطراف خارستان شدہ یکسر بہارستان
وزو رشک نگارستان زمین از لالہ حمرا

فگندہ بر سمن سایہ دمن را دادہ سرمایہ
چمن زو غرق پیرایہ چو رنگین شاہد رعنا

زبیمش مرغ جان پرور زہمش زہر ہا در تر
چو او چون اژدہا غرد و یا چون دو کشد تیرا

خروشد ہر دم از گردون کہ پوشد بر تن ہا نیلت
زسنبل کسوت اکنون زژالہ خلعت و ہب

فشاند بر چمن ژالہ و ماند از دمن لالہ
چنان از دل کشد نالہ کہ سعد از فرقت اہا

اردو شاعری استعارات و تشبیہات الفاظ و تراکیب اور معانی و تخیل کے لحاظ سے ایک بہت بڑی حد تک فارسی شاعری کی خوشہ چین ہے۔ بلکہ بیجا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اردو شاعری کا جسم یعنی لفظی حصہ تو ہندی ہے۔ (اگرچہ الفاظ میں بھی بیشتر قیصدی فارسی اور عربی عنصر کی آمیزش ہوگی) لیکن جان یعنی معنوی حصہ کہ وہی اصل شاعری ہے ایرانی ہے۔ قصیدہ۔ غزل۔ رباعی۔ مثنوی۔ غرض ہر صنف کلام میں شعرائے اردو نے اساتذہ ایران کا اتباع کیا ہے۔ کسی اردو غزل یا قصیدہ کا ترجمہ ٹھیٹھ فارسی میں کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کلام کسی ایرانی شاعر کا ہے۔ یہ سب کچھ سہی مگر اردو شاعری کو فارسی شاعری کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ اول تو ایک موجد ہے دوسری متبع ایک کی عمر بارہ سو سال ہے دوسری کی کلہم دو سو سال۔ ایک نشو و نما کے مختلف مدارج طے کر چکی ہے۔ دوسری کا ابھی ابتدائی دور ہے۔ ایسی حالت میں اگر کوئی اردو نظم فرخی اور قاآنی کے اوس کلام معجز نظام کے مقابلہ میں پیش کی جا سکے جس کا اوپر اقتباس کیا گیا ہے تو ہم اُسے سحر حلال کی مثال سمجھیں گے۔

مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی کا جو قصیدہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں وہ

اسی قسم کی ایک مثال ہے اور یہین حیرت ہوتی ہے کہ ایسے عالی مضامین ایسا زور خیال ایسی انوکھی بندشین ایسا نرالا طرز ادا مولانا کو کس طرح ہاتھ آگیا۔ بعض بعض اشعار اس قصیدہ کے ایسے ہین جو فرخی اور قاآنی کے لیے بھی سرمایۂ نازش ہوتے بحیثیت مجموعی یہ قصیدہ اردو کے برگزیدہ قصائد مین شمار کیے جانے کا استحقاق رکھتا ہے اور اسکے مصنف ہونے کے لحاظ سے مولانا سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی کے ہم نوا ہوکر کہہ سکتے ہین :-

کیا شیراز کو پامال اردوے معلی نے ۔۔۔ گیا مان اصفہان لوہا میرے تیغ مہند کا

ایڈیٹر

کہتی ہے شاخ نارون ہاتھون پہ رکھ کر سرنگین ۔۔۔ اے ژندباخان چمن ہان کوئی صورت دلنشین

ہے ابر بادبوسیہ سر شارو مست و خشمگین ۔۔۔ خندان رخ و گریان مژہ روشن دل و تیرہ جبین

پہولون مین انداز جنون پتون مین شور ارغنون ۔۔۔ بام ہوا ہے تیرو گون صحن گلستان زمردین

آتا ہے وہ قطرہ کیے پانی سمندر سے پیے ۔۔۔ گرد اجدھر بکھرا دئے گلہاے دردو یاسمین

گران کنان گوہر فشان قطرہ زنان دامن کشان ۔۔۔ مانند زلف مہ وغان تاریک و تارو عنبرین

دل مین طرب لب پر فغان سر بکف و کف در دہان ۔۔۔ انداز مین پیل دمان آواز مین شیر عرین

دیوانہ دشور یدہ سر دیوسیہ مست الحذر ۔۔۔ پرچھائین جسکی دیکھہ کر چھپتا پھرا مہر مبین

باطن مین ہے فیض اتم ظاہر مین ہے طرز ستم ۔۔۔ دل مین چھپا ذوق کرم تیور سے پیدا خشم و کین

اٹھتا ہوا سر سے دہوان آب اور آتش درمیان ۔۔۔ کھینچے ہوئے زرنگین کمان جادو گر و مندل نشین

سنا سیون کی طرح سے رو سے ہوا اور ٹاپھرے ۔۔۔ کہف جبل مین یون جسے گرد ہے ہون ابام رسنین

ہر وحشت دل اک بلا اور سو سم گل فتنہ زا ۔۔۔ ہو جاے یون ہر ذرہ در اکہسار کا عرلت گزین

گہ قطرہ زن گلشن مین ہے گہ دشت مین گہ بن مین ہے ۔۔۔ گہ کوہ کے دامن مین ہے مانند آستین

گر خندۂ مستی کیا پھیلی اندہیری مین ضیا ۔۔۔ گر کیف مے سے رو دیا بکھرا دئی در ثمین

بے باک و شوخ و دو دفنون کیف طرح جوش حسن بن — سر تا قدم الماس گون اور ڈھب ہے رائی سر گین
صد قافلہ مشک ختن صدر احلہ زر عدن — ہے تا جر ملک یمن یا مرکب دریاے چین
کشتی ہے یہ لنگر زدہ از در ہے یا چنبر زدہ — یا کوہ داس بر زدہ اوج ہوا پر ہے کمین
سیمرغ مشکین پر یہ ہے گیسوئے زال زر یہ ہے — آبستن گوہر یہ ہے پہنی قبائے گوہرین
آرام سے یہ کب رہا گریاں ہی روز و شب رہا — ہے مثل فیل ابر مہ آشفتہ طبع و خشمگین
وسعت یہ دیکھو تو سہی خالی نہ کوئی جا رہی — گردون سے باتین ہین یہی اب مین نہین یا تو نہین
چتون مین ہے افسون گری رفتار ہے جادو بھری — عفریت اور ایسا پری رنگی اور ایسا نازنین
کچھ جھوم کر آنا بھی ہے کچھ چال مستانہ بھی ہے — دریا پہ لہرانا بھی ہے بکھرا کے زلف عنبرین
رنگت سیاہ اور یہ پہین جسپر فدا حسن چین — صد قافلہ مشک ختن صد قافلہ آہوے چین
ہین روز و شب ہم پیرہن اور نور و ظلمت جان و تن — ہے برق شاخ یاسمن اور ابر مار یاسمین
برق جہندہ شعلہ زا اور ابر بالا سے ہوا — وہ ہے براق مصطفی یہ غیب پر روح الامین
جب دیکھہ کر باغ جنان آگے بڑھے شاہ زمان — جبریل بھی تھے ہم عنان تا آسمان ہفتمین

مطلع

یاد آگئی مجھکو شب معراج ختم المرسلین — تفسیر سبحان الذی اسری سنین اہل یقین
اک دم مین جا کر عرش پر پھر آئے شاہ بحر و بر — حیران ہے عقل حدس شد شد رہی فکر مکہ چین
پہنچے شہ والا مکان ایک آن مین تا لامکان — حائل نہ ان ہو یا مکان اُس نور کو ممکن نہین
تفصیل اس اجمال کی مجھ سے سنے گر فلسفی — ایک آن کی تقسیم مین گزرینگے ایام و سنین
لاے براق برق دم چابک عنان چابک قدم — بہر سفر عالی ہمم گردون سے جبریل امین
بطحی سے شاہ بحر و بر فوراً ہوے گرم سفر — تا مسجد اقصیٰ گئے ناطق ہے قرآن مبین
آگے تھے شاہ دو جہان محو نماز و ذکر حق — پیچھے صفین باندھے ہوئے سب انبیا و مرسلین
اک جام شیر اک جام مے لاے حضور مصطفے — وہ شیر شہ نے لے لیا چھوڑی شراب انگبین
پھر آیت قوسین سے ہوتا ہے ثابت بے گمان — قوسین تک وان سے گئے محبوب رب العالمین

تھی شاہ والا کی نظر مصداق مازاغ البصر
پھر آئے آپ افلاک پر دیکھا آسے فردوس مین

وہ طلح منضود اک طرف وہ سدر مخضود اک طرف
وہ ظل ممدود اک طرف جس مین خرامان حورعین

خندان گل تر اک طرف لبریز ساغر اک طرف
تسنیم و کوثر اک طرف جس مین مے و مازمعین

نصف النہار خلد پر اُس وقت طالع تھا قمر
جنت کی چارون ندیان شوق زیارت مین رہین

اک نہر مین شیر رین تھا آب اک نہر مین تھا شیر ناب
اک نہر مین جاری شراب اک نہر مین تھا انگبین

وہ ہیمران وہ نارون وہ ارغوان و نسترن
سب زنتک پردین و پرن سب زینت خلد بریں

چرخ مقرنس سے بڑھے بام کوکب پر چڑھے
نقش قدم پر آپکے آنکھین ستارون کی ملین

شعریٰ تھا کلب آستان اور نسر مرغ پرفشان
دو فلک ایک آب پاش اور سنبلہ اک خوشہ چین

عیوق تھا اک دیدبان بہر حصار آسمان
کف الخضیب اک مشعلدار رہ سلطان دین

پھر چرخ اطلس کی طرف رفرف ہوا فرفر رواں
رفتار تھی لمح البصر یا جنبش چشم یقین

تھا محو اوسکی دید مین سر کو اُٹھائے آسمان
اور دیکھتے تھے فرقدین اُس کو لگا کر دور بین

راکب کے دل مین یہ ابھی جسکا خیال آیا نہ تھا
دل کے ارادے سے بھی کچھ پہلے یہ جا پہنچا وہین

اوس ذروۂ منبر یہ پر آیا شہ دین کو نظر
الٹا ہوا جام قمر سیدہا برخ مہر مبین

مہر نبوت کا شرف اُس وقت ظاہر ہو گیا
یعنی زمین و آسمان ہین شاہ کے زیر نگین

گردون پہ تھے شاہ امم کہتی تھی رفعت دمبدم
ہے آپکے زیر قدم خشک و تر و غیث و سمین

تھی چرخ اطلس پر عیان نور جبین ہے دہو جہان
اللہ رے قرب و عز و شان پہنچے کہان سلطان دین

طے کر کے راہ کہکشان تو سین تک آئی نبی
سدرہ سے بڑھ جاتے اگر جلتے پر روح الامین

یاد یکہہ کر تا بندگی آیا خیال بندگی
جا کر قریب ساق عرش اولٹی وضو کو آستین

تا دیر سجدہ مین رہے مطلب جو دل کو تھے کہے
پھر ساجد و مسجود مین کچھہ راز کی باتین رہین

سید کا دل تھا آئینہ اور عکس وحی کبریا
جو حرف تھا بی صوت تھا جو بات تھی وہ دلنشین

خلعت شفاعت کا ملا حسن رسالت کا صلہ
پایا خطاب اللہ سے حضرت نے ختم المرسلین

ان پر نبوت ختم ہے ان پر رسالت ختم ہے
تبلیغ کی عالم مین اب ہرگز ضرورت ہی نہین

ہین سب فصیحان جہان انگشت حیرت در دہان
تا حشر انکا معجزہ باقی ہے قرآن مبین

ہر ملک کا مذہب یہ تہا کہتے تہے انسان کو خدا
ایران و توران و خطا تاتار و ہند و سند و چین

لات و ہبل پر یہ فدا وہ بعل کا تھا بانکا
پوجا کہین تہا رام کا بدہ کی پرستش تہی کہین

سارے جہان مین یہ مرض بڑہتا ہی جاتا تہا غضب
گزرے ہزارون انبیا اور کوششین کیا کیا کین

عیسیٰ جو گردون پر گئے تلقین کیا کچہہ کر گئے
اور لوگ اونہین سمجہے خدا بلکہ خدا کا جانشین

وہ وعظ کرتے ہی رہے لیکن یہ کہتے ہی رہے
جاتے کہان ہو بہاگ کر ٹہہرو خدا تو ہو تمہین

جو کام احمد نے کیا وہ کس نبی سے ہو سکا
دنیا مین انسان کو خدا اب کوئی کہنے کا نہین

مشرک ہوے سب منفعل کافر پشیمان و خجل
منہ سے ہے گر انکار بہی دل مین ہین اپنے شرمگین

اللہ اکبر کی صدا مشرق سے مغرب تک گئی
وہ رعب تہا نام خدا کا تہا فلک لرزی زمین

اتمام حجت ہو چکا دور رسالت ہو چکا
عالم پہ ظاہر ہو چکا سر نہان کفر و دین

پہنچا جہان بلغ کا علم قرآن تہا ساتہ اسکے بہم
وہ دامن لطف و کرم یہ دامن علم و یقین

نور خدا وہ ہے خدا ہم لوگ کیون کہنے لگے
یہ ہے شرف کیا کم کہ وہ سید ہے ختم المرسلین

فرمانروائے جن و کل محبوب حق ہادی السبل
بدر الدجیٰ ختم الرسل کہف اوری سلطان دین

ہادی تہے یہ اور مہتدی اور حکم حق سے تھے نبی
اور حضرت آدم ابہی تہے درمیان ماء و طین

یہ معنی ماوذ عک یہ رگہرائے فاستقم
مقصود امر کن فکان محبوب رب العالمین

حق سے تقرب کے لئے تخصیص کیا ہے عرش کی
جلوہ ہے اُسکا ہر جگہ موجود ہے وہ ہر کہین

لیکن یہ مقصود اس سے تہا سب جان لین پہچان لین
ہین مصطفیٰ کونین مین اللہ کے عبد گزین

رہتا ہون مین شام و پگہ نعتہ کا ثنا خوان ہر جگہ
میری طرف بہی اک نگہ یا رحمۃ للعالمین

سید علی حیدر طباطبائی

کچھ جگ بیتی کچھ آپ بیتی

(از یمین السلطنۃ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای)

(۱)

نہ غنچے باغ مین چٹکے نہ چہکی کچھ ہزار اتبک
چمن کا رنگ پھیکا ہے نہین آئی بہار اتبک

طپیدن مصدر سودا ہے زلف یار ہے ہمدم
ازل سے اسلئے دلکو نہین آیا قرار اتبک

نوائے بے نوای ساز الفت کا کرشمہ ہے
دیا ہے اپنا دل اُسکو مگر ہے اختیار اتبک

فراغت کب ہوئی صورت پرستی سے مجھے عارف
میری حیرت ہے خط یار کی آئینہ دار اتبک

تصدق جاؤن حسرت کے کہ اس سے نام زندہ ہے
رہا باقی نہ مین لیکن ہے میری یادگار اتبک

جنون کی ہین وہی جولانیان اس قید خانہ مین
تصور مین ہے میرے تار موی زلف یار اتبک

بہانے سے دعا کے ہاتھ اٹھا کر اُسنے کو سا تھا
مزار رہ کے آنا ہے اُسیکا بار بار اتبک

نفس پر دردہ حیرت ہون کوئی حال کیا جانے
مین اپنے حسن کا ہون آپ ہی آئینہ دار اتبک

جلا کر خاک کر ڈالا مری سوز محبت نے
ہوئی مدت اگا سبزہ نہ بالائے مزار اتبک

پتے تسکین دل سینے پر رکھتا دست ناز اُس کا
مری آنکھون مین پھرتا ہے وہ نقشہ بار بار اتبک

ہزارون کی تمنائین تو اے خواجہ ہوئین پوری
مگر یان اک دل ناشاد ہے امیدوار اتبک

(۲)

چشم فرش راہ شد در انتظار کیستم
شوق پا بوسی ست من امیدوار کیستم

نیستم واقف کہ ہمچون لالۂ خونین جگر
در گلستان جہان من داغدار کیستم

عکس مرآت حقیقت گشت چون ہر دو جہان
غرق حیرت گشتہ ام آئینہ دار کیستم

گشته‌ام منت‌کش آزار دل درعشق او — آرزوے مرگ دارم جان نثار کیستم
چون رم آہوے صحرا بیرم جوش جنون ست — صید ناوک خورده‌ام یارب شکار کیستم
سالہا شد سوز الفت نعل در آتش نمود — لیکن اے دل می ندانم بیقرار کیستم
با خزان کارے ندارم در ہواے عشق او — ہیچ میدانی کہ من رنگ و بہار کیستم
در قفاے کاروان باگرد و افغان میروم — خاک گردم نمیدانم غبار کیستم
سالہا شد خود نمیدانم درین دیر خراب — دشمن جان کیستم یا دوستدار کیستم
شست و شوے نامۂ اعمال چشم تر نمود — از گناہ خویشتن یارب شرمسار کیستم

عاشق ہندالولی ام شاد ازو پیم مپرس
کافر عشقم کشیم زنار دار کیستم

جذبات آزاد

ہمارے ناظرین نے غالب کی وہ مرصع غزل تو دیکھی ہی ہوگی جسکا مطلع ہے ؎

تا بہ زدل برد کافر اداے — بالا بلندے کوتہ قبایے

حضرت آزاد کی اس غزل کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

دل برد از ما رعنا جوانے — بالا بلندے سرو روانے
رنگین قبایے قاتل اداے — آشوب دہرے آرام جانے
با خو بروئی پاکیزہ خویے — باریک موے لاغر میانے
شکر فشانے با تلخ گوئی — شیرین زبانے شیوا بیانے
از خندہ برقے از غمزہ تیرے — ناوک نگاہے ابرو کمانے
حسنش کہ دارد رنگے و آبے — زان آب و رنگے یک گلستانے
سرمست نازے مسکین نوازے — ہم بذلہ سنجے ہم نکتہ دانے
ملح است با او بر ما گوارا — تنگ ست بے او بر ما جہانے
روزے بیابی آزاد خود را — جانے بیابد آن نیم جانے

تصوف کی تاریخ

(رقمزدہ پروفیسر رینالڈ اے نکلسن)

(۱)

کچھ زمانہ ہوا کہ مین نے رسالہ قشیریہ اور تذکرۃ الاولیا مصنفہ فریدالدین عطار اور نفحات الانس جامی مین سے الفاظ صوفی و تصوف کے تعریفات جمع کر کے ان کی تاریخوار فہرست مرتب کی تھی اور یہ ارادہ کیا تھا کہ اس فہرست کے ساتھ اس مضمون کو جو اُس وقت بہت ہی موجز و مجمل تھا حاشیہ کے طور پر شامل کردون۔ تصانیف مذکور مین صوفی اور تصوف کی کوئی ایک سو تعریفین ہون گی لیکن کسی تعریف کا مضمون چند سطور سے زیادہ نہین۔ میرا خیال تھا کہ اِن مین سے جو تعریفات سب سے زیادہ ممتاز ہین اگر وہ حتی الامکان بہ ترتیب زمانی جمع کر دی جائین تو یہ مجموعہ نہ صرف دلبستگی بلکہ سودمندی کا پہلو لئے ہوئے ہوگا کیونکہ تصوف کے تاریخی نشو ونما پر یہ تعریفات صرف اسی صورت مین روشنی ڈال سکتی ہین۔ لیکن نتیجہ خاطر خواہ نہ مترتب ہوا۔ اس مین شک نہین کہ بہ حیثیت مجموعی یہ مختصر فقرے جن مین بسا اوقات صوفیا طریقہ کی محض ایک شان واحد یا ایک خصوصیت مختصہ یا ایک آنی حالت کی جھلک نظر آتی ہی اُس ترقی کو ظاہر کرتے ہین جو اسلام نے تیسری صدی کی ابتدا سے چوتھی صدی کے آخر تک تصوف کے متعلق بتدریج کی لیکن جو شہادت ان سے بہم پہونچتی ہے وہ کسی طرح جامع اور مکمل نہین متصور ہوسکتی۔ بنا بران مین نے قصد کیا کہ ان تعریفات کے مصنفین اور دوسرے صوفیہ کرام نے جس عقیدہ کی تلقین کی ہے اُس پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالون۔ چنانچہ اس تبصرہ کے نتایج ذیل مین قلمبند کئے جاتے ہین۔ مجھے یہ دعوی نہین کہ اس مضمون کے متعلق جس قدر مواد فراہم ہوسکتا تھا مین اُس سے بتمامہ مستفید ہوا ہون اس لئے کہ

دو بہت بڑی ممتاز تصانیف ایسی ہین جن کا مین بالاستیعاب مطالعہ نہین کر سکا۔ ایک تو حلیتہ الاولیا مصنفہ ابونعیم اصفہانی جسکا زمانہ ۴۳۰ھ ہے اور دوسری کشف المحجوب مصنفہ علی بن عثمان الہجویری جس نے پانچوین صدی ہجری کے نصف آخر کا زمانہ پایا ہے۔ پھر بھی جس قدر مواد مین بہم پہونچا چکا تھا وہ میری دانست مین اُس ابتدائی تحقیقات کے لیے جو میری مطمح نظر ہے کافی و وافی ہے۔ جس مضمون پر مین قلم اٹھا رہا ہون وہ اس قدر وسیع ہو کہ ممکن نہین کہ چند صفحون مین اس کا حق تفصیل ادا کیا جا سکے اور اُس کے ہر ہر پہلو مین اسقدر اسرار و غوامض مضمر ہین کہ بالفعل اُس پر پوری طرح سے روشنی نہین ڈالی جا سکتی۔ اسی لیے وہ خاکہ جو ذیل کی سطور مین کھینچا جاتا ہے کم و بیش عارضی متصور ہونا چاہیے گو بر سبیل مفاخرت مین اس امر کے اظہار کی جسارت کر سکتا ہون کہ اس کے اصولی نکات کی تصدیق و توثیق آئندہ اکتشافات سے ہو سکے گی۔ مین یہان اصول تصوف سے جو ہر خاص و عام کو معلوم ہین بحث نہین کرنا چاہتا بلکہ یہ دکھانا چاہتا ہون کہ ان اصول کا ماخذ کیا ہے اور ان کا موجودہ نظام کس طور پر ترکیب پذیر ہوا۔

طریقہ صوفیہ کا مبدا و منشا روز بروز دست اور ہمہ گیر زاہرانہ رجحانات مین جو پہلی صدی ہجری مین عالم اسلام مین پیدا ہو گئے۔ جرمن مستشرق گولڈزیہر لکھتا ہے کہ اس ابتدائی ہیجانیت کے اجزا اعظم دو ہین۔ ایک تو گناہ کا غلو آمیز ادراک۔ دوسرے منتقم حقیقی کے قہر کا حد سے زیادہ خوف۔ اس طریقہ کی ابتدا سنت اسلام کے مطابق ہوئی مگر جناب رسول خدا کی تعلیم اور آپ کی سنت باہرہ کے بعض لوازم مثلاً ذکر و توکل کو جس غیر معمولی وقعت کی نظر سے دیکھا گیا اُس نے عبادات کے متعلق بعض دوسرے امور کی طرف سے جن کا وجوب راسخ الاعتقاد مسلمانون کے نزدیک کچھ کم مسلم نتھا دلون مین لازمی طور پر بے اعتنائی پیدا کر دی حضرت حسن بصری جو بہت بڑے صاحبدل ہو گذرے ہین طبقہ صوفیہ کے رکن رکین متصور ہوتے ہین اور حق یہ ہے کہ سر منزل روحانیت مین جس قدر تگ و دو اُنہون نے کی اور اعمال

عبادت کے محض ارکان ظاہری کی نسبت جس طور پر اُنہوں نے اپنی بے اطمینانی ظاہر کی اُس کے لحاظ سے وہ اُن کی جتنی عزت کریں کم ہے۔ اُن کا قول ہے کہ "خالص اتقا اگر بقدر ایک دانۂ خردل کے ہو تو روزہ اور نماز کے ایک پہاڑ پر بھاری ہے"[۱] اپنے قلوب کو خدا کے ذکر اور یاد سے جلا دو کیونکہ دل بہت جلد زنگ آلودہ ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو خواہش سے روکو کیونکہ خواہش نفسانی کی کشش زبردست ہے اگر تم اس کو مانع نہ آؤ گے تو تمہارا انجام برا ہوگا۔" لیکن ان ارباب زہد و تقشف کو تصوف کا محض ایک پیش خیمہ تصور کرنا چاہیے۔ امام قشیری لکھتے ہیں کہ لفظ صوفی عام طور سے دوسری صدی ہجری کے خاتمہ کے قبل (۸۱۵ء) رواج پا گیا۔ ابن خلدون کے قول کے مطابق لفظ صوفی صوف سے مشتق ہے یہ ایک قسم کا موٹا اونی کپڑا تھا جسے مسلمان زہاد اُن لوگوں سے متمایز ہونے کے خیال سے پہنتے تھے جن کا لباس شان عشرت پسندی لیے ہوتا تھا۔ غالباً لقب صوفی اُس افتراق کو ظاہر کرتا ہے جو زہد و سنت میں پیدا ہو گیا اور اول اول اس لقب سے ابو ہاشم کوفی (۷۵۰ء) ملقب ہوئے جن کی نسبت جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے: "پیش ازوی بزرگان بودند در زہد و ورع و معاملت نیکو در طریق توکل و طریق محبت و لیکن اول کسے کہ وی را صوفی خواندند وے بود و پیش ازوے کسے را باین نام نہ خواندہ بودند" اس عبارت کے بعد جامی نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ صوفیوں کی پہلی خانقاہ کی بنا ایک مسیحی امیر نے بہ مقام رملہ ڈالی۔ عجب نہیں کہ ابو ہاشم کا اس خانقاہ سے تعلق ہو۔ اگرچہ مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ مسیحی اثرات نے ایک حد تک تصوف کے ابتدائی نشو نما میں حصہ لیا لیکن ساتھ ہی مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ وہ زہد آمیز و رضا انگیز تصوف جس کی جھلک ابراہیم ادہم (۷۷۸ء) داؤد الطائی (۷۸۱ء) فضیل بن عیاض (۸۰۳ء) اور شقیق بلخی (۸۰۹ء) کے مقولوں میں پائی جاتی ہے نہ تو مسیحی الاصل ہے اور نہ کسی اور غیر اسلامی ماخذ ہی کا رہین منت ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس قسم کا تصوف اسلام کا ذاتی ماحصل تھا اور چونکہ ذات باری کا اسلامی تصور

[۱] رسالہ قشیریہ باب اہل التجرد

اون مسلمانون کے لیے جن کا میلان روحانیت کی جانب تھا موجب اطمینان وتسلی قلب نہ ہوسکتا تھا[1] لہذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگون مین اس طرح کی متصوفانہ تحریک پیدا ہوگئی۔ اگرچہ وہ صوفیہ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے زہد ورعنا مین یدطولی رکھتے تھے لیکن اون کا متصوفانہ طرز عمل حد اعتدال سے متجاوز نہ تھا۔ صوفیہ دور آخر کے حال و قال کے کرشمون سے وہ بالکل بے خبر تھے خدا سے اُنکو عشق ضرور تھا لیکن اس عشق پر خوف غالب تھا۔ اُن کی محبت کی غایت الغایات یہ تھی کہ سر تسلیم خم کرکے راضی برضائے الہی ہون نہ یہ کہ ذات باری تعالی جس حجاب مین مستور ہے اُسے اُٹھاکر اُس کے جمال کا نظارہ کرین۔ غرض وہ زہد ومعرفت کے بین بین ہین اور جو لفظ اُن کی قلبی حالت کو صحیح طور سے ظاہر کرتا ہے وہ رضا ہے۔

تیسری صدی ہجری مین تصوف نے ایک بالکل ہی نئی شکل اختیار کی جسے اسلام کی روحانی قوتون کے مسلسل نشو ونما سے کسی طرح نہین تعبیر کیا جاسکتا۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ تصوف کی قدیم ترین تعریف حضرت معروف کرخی (متوفی ۲۰۰ھ) کے اقوال مین پائی جاتی ہے جن کے والدین مسیحی یا مندائی[2] المذہب تھے اور آپ کے والد کے نام سے جو فیروز یا فیروزان تھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایرانی النسل تھے۔ معروف حضرت امام رضا کی تلقین سے اسلام لائے تھے اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ آپ بغداد کے محلہ کرخ مین بزمانہ خلافت ہارون الرشید رہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ معروف کرخی کہلاتے تھے۔ آپکا مزار جو ابھی تک بغداد مین موجود ہے ہمیشہ سے مرجع انام رہا ہے۔ حضرت داؤد الطائی (متوفی ۱۶۵ھ) کے ہان آپکا اکثر اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا

---

[1] کسی آئندہ نمبر مین ہم پروفیسر نکلسن کے اس ادعا کو باطل ثابت کرین گے۔ ایڈیٹر

[2] اس فرقہ کے مفصل حالات دریافت کرنا مقصود ہون تو وہ مضمون ملاحظہ فرمایا جاے جو دکن ریویو سلسلہ جدید جلد اول بابت ماہ فروری ۱۹۰۶ء مین عراق کے کواکب پرست کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ ایڈیٹر

لیکن کتاب الفہرست (ابن الندیم) کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف مین آپکو حضرت فرقد السنجی سے تلمذ تھا جو حضرت حسن بصری کے مرید تھے اور حسن بصری امام مالک بن انس سے فیض یاب ہوئے تھے - اس قسم کے اسنادات جن سے سلسلہ تصوف کا مستقیم الاصول ظاہر کرنا مقصود ہے کچھ بہت زیادہ قابل اعتنا نہین - تذکرۃ الاولیا[1] مین لکھا ہے کہ معروف کا دل اشتیاق وصال باری تعالیٰ سے معمور تھا - اون کے مرید حضرت سری سقطی جن کا نام شاہراہ تصوف کے لیے اپنے مقام پر میل و فرسنگ کا کام دیتا ہے بیان کرتے ہین :- "مین نے خواب مین حضرت معروف کرخی کو ارکیۂ باری کے نیچے دیکھا - باری تعالیٰ اپنے فرشتون سے استفسار فرما رہا تھا - کہ یہ کون شخص ہے - فرشتون نے جواب دیا کہ بار الہا تو بہتر جانتا ہے اس پر خدا کا ارشاد ہوا کہ یہ معروف کرخی ہے جو میری شراب محبت کے نشہ مین ایسا مست ہے کہ جب تک مجھے روبرو نہ دیکھ لگا اوس وقت تک اس کے حواس برجا نہ ہونگے"[2] حضرت معروف کرخی کے اقوال مین ہمین پہلی مرتبہ اُن اچھوتے خیالات کی جھلک نظر آتی ہے جو آج کے دن تک قصر تصوف کے ارکان اعظم اور اس فن کے خصوصیات مختصہ متصور ہوتے ہین - مثلاً

"عشق انسان کے سکھائے نہین آتا یہ خدا کی دین ہے جسکو چاہے اپنے فضل سے عطا کرے"[3]

"اولیا اللہ کی تین علامتین ہین وہ خیال کرتے ہین تو خدا کا رہتے ہین تو خدا کی ہان اور معاملہ کرتے ہین تو خدا کے ساتھ"[4] - عارف کو اگر لذت حاصل نہین ہے تو ہوا کی ذات تو سراپا لذت ہے"[5]

---

[1] رسالہ قشیریہ [2] تذکرۃ الاولیا [3] تذکرۃ الاولیا [4] تذکرۃ الاولیا اس کا مقابلہ ابراہیم ادہم کی تعریف سے کرو - جس کے الفاظ ذیل ہین :- "عارف کی یہ علامت ہے کہ اس کے خیالات زیادہ تر خدا کے بیان مین صرف رہتے ہین - اس کے اقوال خدا کی تعریف و تمجید کے لیے وقف ہین

ایک دن معروف نے اپنے مرید سری سقطی سے کہا: "جب تمہین خدا سے کوئی مراد مانگنی ہو تو اوس کو میرا واسطہ دیکر مانگو (فاقسم علیہ بی)"[۵۱]

جس شخص کو ابراہیم ادہم اور اُن صوفیا کے ملفوظات کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اُس سے مخفی نہین کہ معروف کرخی کے ان مقولون کی معنوی شان ہی کچھہ اور ہے۔ اول الذکر کے تصوف سے ایک عملی نتیجہ مقصود ہے یعنی حصول نجات حالانکہ معروف کرخی کا تصوف ذوق حقیقت کی خبر دیتا ہے اور اخذ حقایق پر مشتمل ہے لیکن قبل ازان کہ تصوف کے اس تصور پر نظر انتقاد ڈالی جائے ہم ایک اجمالی نگاہ اسکے تاریخی نشو و نما پر ڈالنا چاہتے ہین۔

ابو سلیمان الدارانی (م ۲۱۵ھ) واسطی المولد ہجرت کرکے شام مین چلے آئے تھے اور موضع داریہ مین جو دمشق کے مغرب مین واقع ہے سکونت اختیار کرلی تھی۔ اُن کے بہت سے ملفوظات تصوف کے اسرار و غوامض سے معمور ہین مثلاً۔

"کوئی شخص اس دنیا کی خواہشون پر بجز اوس شخص کے غالب نہین آتا جس کے قلب مین ایک نور ہے جسکی روشنی مین اوسے ہر وقت دوسری دنیا نظر آتی رہتی ہے"۔[۵۲]

"ممکن ہے کہ عارف جب سو رہا ہو تو باری تعالیٰ اُسکے چہرے کے آگے سے حجاب اٹھا دے اور وہ تجلی دکھادے جو نماز پڑھنے کی حالت مین بھی کسی کو نہین دکھائی جاتی[۵۳] جب عارفون کی چشم بصیرت کھلتی ہے تو اُن کے باصرہ پر پردہ پڑ جاتا ہے اور اور نہین بجز جمال باری کے اور کچھہ نظر نہین آتا"[۵۴]

"اگر معرفت الایت کا قصد کرتی تو جو کوئی اُس کے حسن و جمال اور سعادت و لطافت

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۔ اوس کے افعال عبادات ہین اور اوس کی نگاہ خدا کی طاقت اور قدرت کی یاد میں پر جمی رہتی ہے"۔ [۵۱] رسالہ قشیریہ۔ [۵۲] تذکرۃ الاولیا [۵۳] تذکرۃ الاولیا۔
[۵۴] تذکرۃ الاولیا۔

کو دیکھتا زندہ نہ رہتا اور ہر روشن چیز اوس کی تجلی کے مقابلہ مین سیاہ نظر آتی۔[۱]
"تکلم کے مقابلہ مین خموشی معرفت سے قریب تر ہے"[۲]

"ادہر دل رو رہا ہے کہ ہائے مین کچھ کہو بیٹھا اودہر روح ہنس رہی ہے کہ مین نے کچھ پالیا"[۳]

ذیل کی عبارت کا کامل اقتباس کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قدیم ترین نمونہ ہے اون عشقیہ تشبیہات کا جو آگے چلکر اہل تصوف کے اظہار خیالات کا ایک عام اور مقبول ذریعہ ہوگئین۔

احمد بن ابی الحواری[۴] سے روایت ہے کہ ایک دن مین ابوسلیمان الدارانی کے پاس گیا دیکھا کہ رو رہے ہین مین نے رونے کی وجہ پوچھی۔ جواب دیا:۔ اے احمد مین کیون نہ روؤن۔ جب رات آتی ہے آنکھین نیند کا نقاب اوڑھ لیتی ہین۔ ہر عاشق اپنی معشوقہ کے ساتھ تنہا ہوتا ہے عشاق کی رات آنکھون مین کٹتی ہے آنسوؤن کا تار اُن کے رخسارون پر بندھ جاتا ہے اور اُن کے حجرون کو تر کر دیتا ہے تو باری تعالی عرش پر سے دیکھتا ہے اور باواز بلند کہتا ہے کہ اے جبرئیل میرے محبوب وہ ہین جو میرا کلام سنکر خوش ہوتے ہین اور میرے نام کی تحمید سے لذت روحانی حاصل کرتے ہین۔ مین انکی تنہائی مین اونکا ساتھ دے رہا ہون مین اُن کے نالہ شبگیر کو سن رہا ہون مین اون کو روتے ہوئے دیکھ رہا ہون۔ پس اے جبرئیل تو اُن کے ساتھ ملکر کیون نہین آہ وزاری کرتا لیکن یہ آہ و فغان یہ گریہ وبکا کیسا؟ کیا ایسا معشوق بھی کہین دیکھنے مین آیا ہے جو اپنے عاشق کو سزا دیتا ہو؟ کیا یہ میرے شایان شان ہے کہ اُن لوگون کو سزا دون جو رات کا پردہ گرتے کے ساتھ ہی میرے ساتھ اظہار تعشق و تملق کرتے ہین؟ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ جب وہ قیامت کے دن میرے سامنے آئین گے تو اپنی

---

[۱] تذکرۃ الاولیا
[۲] تذکرۃ الاولیا
[۳] نفحات الانس
[۴] تذکرۃ الاولیا۔

نورانی عارض پر سے نقاب الٹ ڈالون گا تاکہ وہ مجھے دیکھین اور مین اونہین دیکھون[۵۱]۔
بشر الحافی (المتوفی ۲۲۷ھ) جنہون نے عارفین کو خاصان خدا کے لقب سے ملقب کیا ہے[۵۲]۔ ہم ذوالنون مصری سے دوچار ہوتے ہین (۲۴۵ھ)[۵۳] جنہین فن تصوف کے بانی سمجھے جانے کا استحقاق حاصل ہے۔ مشرق کے تمام تذکرہ نویسون اور مورخون نے اس استحقاق کو بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ جامی نے نفحات الانس مین لکھا ہے: ذوالنون اس فرقہ کا امام ہے۔ باقی سب اوس کے پیرو ہین اور صوفیہ نے جو کچھ سیکھا ہے اوس سے سیکھا ہے۔ اس مین شک نہین کہ اوس سے پہلے بھی شیخ ہو گزرے ہین لیکن ذوالنون پہلا شخص ہے جس نے عبارت کو اشارت مین سمو دیا۔ اور سلوک کے عقدون کو حل کیا۔" ابو المحاسن کا قول ہے کہ ذوالنون پہلا شخص تھا جس نے مصرمین احوال اور مقامات اہل الولایۃ جیسے غوامض کا ذکر کیا۔ یہ بیانات اگرچہ حرفاً حرفاً درست نہین ہین۔ لیکن بحیثیت مجموعی ان کی تصدیق و توثیق ذوالنون مصری کے ملفوظات سے ہوتی ہے۔ جو تذکرۃ الاولیا اور دوسرے معتبر تصانیف مین محفوظ ہین۔ جو مبسوط اور دلچسپ عقاید ذوالنون کے نام سے منسوب ہین قلت گنجایش اس مقام پر اون کی شرح کی اجازت نہین دیتی۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ذوالنون نے عارف اور معرفت کی جو تعریفات کی ہین ایک فقط اونہین سے تذکرۃ الاولیا کے دو صفحے بھرے ہوئے ہین۔ ذوالنون نے علم کی تین قسمین بیان کی ہین۔ ایک وہ جو بالاشتراک تمام مسلمانون کے حصہ مین آئی ہے۔ دوسری قسم علم کی وہ ہے جو فلاسفہ اور متاٴلہین سے مخصوص ہے۔ لیکن تیسری قسم یعنی واحد مطلق کی صفات کا علم صرف اولیاء کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کو اپنے دل کی آنکھون سے دیکھتے ہین (تذکرۃ الاولیا) جب لوگون نے ایک دفعہ ذوالنون سے پوچھا کہ تم نے خدا کو کس طرح جانا تو انہون نے

[۵۱] تذکرۃ الاولیا [۵۲] تذکرۃ الاولیا [۵۳] ذوالنون کی وجہ تسمیہ کے لیے ملاحظہ ہو تذکرۃ الاولیا۔

جواب دیا کہ عرفت ربی بربی یعنی مین نے اپنے خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پہچانا[۱] لیکن اس کے ساتھ ہی اُنہون نے یہ بھی اقرار کیا کہ اعرف الناس باللہ تعالی اشدھم تحیرا یعنی خدا کو سب سے زیادہ وہ شخص پہچانتا ہے جسکو خدا نے سب سے زیادہ تحیر مین ڈال رکھا ہے[۲]۔ اسی طرح اُنہون نے اس امر کی بھی تلقین کی کہ خدا کی سچی تسبیح و تحمید کا منشا یہ ہے کہ ذاکر معبود کے تصور مین فنا ہو جائے۔ چنانچہ اُن کا قول ہے کہ جو شخص خلوت گزینی کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اپنے ابنائے جنس سے الگ رکھتا ہے اوس شخص کو نہین پہونچتا جو اپنے اور اپنے ابنائے جنس کے درمیان خدا کا پردہ ڈالے رکھتا ہے[۳]۔ ذوالنون کا خدا ایک ایسی ہستی ہے جسکی تمام صفتین سلبی ہین۔ اُس کا قول ہے کہ کل ما تقدر فی وھمک فاللہ بخلاف ذالک یعنی خدا کو تم جو کچھ تصور کرتے ہو وہ بالکل اسکے خلاف ہے[۴]۔ اس خیال کو کہ طریقہ تصوف صرف خواص کے لئے ہے انہون نے بکرات و مرات ظاہر کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہین کہ توبۃ العوام اور توبۃ الخواص کی حقیقت بالکل جدا جدا ہے (رسالہ قشیریہ) اور محبت الہی ایسا راز ہے جسے زبان پر نہ لانا چاہیئے تاکہ عوام کالانعام کے کان اس سے آشنا نہ ہو جائین (رسالہ قشیریہ) شعرائے متصوفین کے کلام مین شراب اور اس کے متعلقات کا استعمال مجاز اور استعارہ کے طور پر عام ہے۔ اس استعمال کی قدیم ترین سندون مین ذوالنون کا کلام پیش کیا جاسکتا ہے جو ایک مقام پر کہتے ہین کہ عشاق الہی کو شراب شوق کا پیالہ دیا جاتا ہے (تذکرۃ الاولیا)۔ وجد اور سماع (تذکرۃ الاولیا۔ رسالہ قشیریہ) اور توحید (رسالہ قشیریہ) کی سب سے پہلے تعریف ذوالنون ہی نے کی ہے۔

جو کچھ کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اوس سے میرے خیال مین یہ امر کافی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ فن تصوف کی مستقل تدوین و تشکیل ذوالنون مصری ہی نے کی۔ مسٹر

---

[۱] رسالہ قشیریہ [۲] رسالہ قشیریہ [۳] رسالہ قشیریہ [۴] رسالہ قشیریہ

ونفیلڈ کا یہ خیال کہ عقاید صوفیہ کو بالاستقلال بایزید بسطامی نے بدون وتشکل کیا صحیح نہین معلوم ہوتا[1]۔ اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ جن تذکرہ نویسون نے ذوالنون کے سوانح قلمبند کئے ہین اون کے بیان کئے ہوئے واقعات سے ان عقاید کے ماخذ کا سراغ بھی معلوم ہوتا ہے یا نہین۔

ابن خلکان (ترجمہ ڈی سلین جلد اوّل صفحہ ۲۹۱) اور جامی (نفحات الانس) کی روایت کے بموجب ذوالنون کا نام ابوالفیض ثوبان بن ابراہیم یا الفیض بن ابراہیم تھا اُن کا باپ جو نوبیا یا اخمیم واقع مصر صعید کا باشندہ تھا پہلے قبیلہ قریش کا ایک غلام تھا جو بعد مین آزاد ہوگیا۔ ذوالنون کی عمر کا ابتدائی حصہ غالباً حجاز مین گزرا کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنہون نے امام مالک بن انس کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا اور امام ممدوح کی تعلیقات سے موطا کا درس دیا۔ فن تصوف مین اُن کا اُستاد بقول ابن خلکان شفران العابد اور بہ روایت جامی اسرافیل نامی ایک مغربی صوفی تھا۔ ابن خلکان بیان کرتا ہے کہ ذوالنون علم وزہد اور حال وادب مین وحید العصر تھا فلسفہ وحکمت مین ید طولی رکھتا تھا اور فصیح وشستہ عربی بولتا تھا۔ بلحاظ عقاید وہ ملامتی تھا یعنی اپنے زہد وانقا پر استحقار شرع کا پردہ ڈالے رکھتا تھا اور اکثر اہل مصر اوسے زندیق سمجھتے تھے لیکن مرنے کے بعد اُس کا نام زمرہ اولیا مین درج ہوگیا۔ (تذکرۃ الاولیا) تذکرۃ الاولیا مین بہت سی حکایتین مندرج ہین جن مین بیان کیا گیا ہے کہ ذوالنون کے ہاتھ مین آکر کنکر پتھر جواہرات بن جاتے تھے۔ کتاب الفہرست مین اُن کا ذکر

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ مثنوی معنوی (صفحہ ۱۷) مترجمہ وملخصہ مسٹر اے۔ ایچ ونفیلڈ (طبع ثانی)۔ مسٹر ونفیلڈ کی تحریرات نے تصوف کے لٹریچر مین گرانقدر اضافہ کیا ہے اور مین نہایت خوشی سے اس فائدہ کا اعتراف کرتا ہون جو مین نے ان تحریرات سے اوٹھایا ہے۔ فن تصوف کی ابتدا کے متعلق مین عام طور پر مسٹر ونفیلڈ کا ہمزبان ہون۔

اون فلاسفہ کے طبقہ مین کیا گیا ہے جو فن کیمیا مین مہارت رکھتے تھے - (صفحہ ۳۵۳)
اور اس کے چند صفحہ بعد اس فن کے متعلق دو تصانیف اُن سے منسوب کی گئی
ہین[۵] - (کتاب الفہرست صفحہ ۳۵۸) ابن القفطی نے تاریخ الحکما مین ذوالنون کا ذکر
ذیل کے الفاظ مین کیا ہے جن سے اُن کی سیرت پر نمایان روشنی پڑتی ہے:-

"ذوالنون بن ابراہیم الاخمیمی المصری فن کیمیا مین دستگاہ رکھتا تھا اور اوسکا
شمار اوسی طبقہ مین ہے جس سے جابر بن حیان کا تعلق ہے - علم الباطن سے اوسے
شغف تھا اور فلسفہ کی متعدد شاخون مین اُسنے مہارت تامہ بہم پہونچالی تھی - وہ اخمیم
کے ایک بربہ یعنی پرانے مندر کے کھنڈرون مین اکثر جایا کرتا تھا - یہ مندر مصر
قدیم کے بیوت الحکمۃ کی ایک بوسیدہ یادگار ہے اور عجیب وغریب اشکال واصنام
کا گھر ہے - جومین کے ایمان وعبرت اور کافر کے کفر وضلالت کی افزایش کا باعث
ہین بیان کیا گیا ہے کہ اس مندر کے اسرار کا انکشاف اُس پر بطریق الولایۃ ہوا اور
متعدد کرامتین بھی اوس سے صادر ہوئین -"

مسعودی جسکا انتقال ذوالنون سے کامل ایک صدی بعد ہوا اور جو پہلا مورخ ہے
جس نے ذوالنون کے حالات بروایت مستند بیان کئے ہین خود چلکر اخمیم گیا تھا
وہان کے لوگون کی زبانی جو حالات اوسے معلوم ہوے اونہین وہ حسب ذیل
الفاظ مین بیان کرتا ہے:- "ابوالفیض ذوالنون المصری الاخمیمی ایک خلوت نشین
راہب اور حکیم تھا جس نے ایک خاص طریقہ اختیار کر رکھا تھا اور مذہب مین بھی ایک
مسلک خاص رکھتا تھا - وہ اُن لوگون مین سے تھا جو ان براہی (ویران مندرون) کی
تاریخی حالات شرح وبسط سے بیان کرتے ہین - وہ ان کھنڈرون مین پھرا کرتا تھا

[۵] اونہین طب مین بھی دخل تھا - تین کتابین جو اس فن مین اون سے منسوب کی گئی ہین
اس وقت موجود ہین -

اور جو شکلین اور کتبے ان پر منقوش تھے اُن کا بغور معائنہ کیا کرتا تھا۔" مسعودی نے مروج الذہب مین ان کتبون مین سے بعض کے تراجم درج کیے ہین جنہین ذوالنون نے حل کیا تھا۔

یہ بیان کہ ذوالنون مصر کے قدیم ویران مندرون کے کتبون کا بغور مطالعہ کیا کرتے تھے کسی قدر تصریح کا محتاج ہے۔ مسلمان مصر کو کیمیا۔ سحر اور علوم مخفی کا مخزن سمجھتے تھے ابن الندیم کتاب الفہرست مین لکھتا ہے کہ پہلا شخص جسنے فن کیمیا پر بحث کی ہرمز یا بلی تھا جو آگے چل کر فرمانروائے مصر ہو گیا اور اہرام مصر مین سے ایک کے نیچے دفن ہوا۔ بعض دوسری رواۃ کا بیان ہے کہ ہرمز اُن سات کاہنون مین سے ایک تھا جو سات سیارون کے مندرون کے محافظ تھے۔ مسلمانون کی نزدیک ہرمز اور حضرت ادریس پیغمبر ایک ہی ہین۔ اور مصر کے جملہ علوم و فنون اور مذہب کا بانی ہرمز ہی سمجھا جاتا ہے۔ تاریخ الحکما مین لکھا ہے کہ ہرمز نے اہرام مصر اور مصر صعید مین برابی کی بنا ڈالی اور اُن پر جا بجا مات و آلات کی شکلین اور علوم و فنون کے بیانات منقوش و مرسم کیے تاکہ آیندہ نسلون کے لیے وہ محفوظ رہین اور زمانہ کی دست برد سے مٹ نہ جائین۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے آثار قدیمہ پر جو شکلین منقش ہین وہ اُن قدیم اور پر اسرار علوم کے خزائن کی کلید سمجھی جاتی تھین۔ جن کے حامل اہل بابل تھے یعنی کیمیا۔ نجوم۔ اور سحر۔ چنانچہ ابن خلدون نے بھی جو مسلمانون مین سب سے بڑا روشن خیال مورخ گزرا ہے یہی خیال ظاہر کیا ہے وہ نہ صرف سحر کی واقعیت کا مدعی ہے بلکہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ مصر صعید کے ویران مندرون مین ابھی تک سحر کے آثار پائے جاتے ہین اور اسکے موجود ہونے کی کافی شہادت ان سے بہم پہونچ سکتی ہے (مقدمہ ابن خلدون) کتاب الفہرست مین اسکے متعلق حسب ذیل عبارت

مرقوم ہے: "مصر مین بعض قدیم عمارتین ہین جنہین برابی کہتے ہین - یہ عمارتین جنکی تعمیر مین بہت بڑے بڑے پتھر صرف ہوئے ہین مختلف شکل وصورت کی ہین اور ان مین دواؤن کے کچلنے کو ٹنے حل کرنے ترکیب دینے اور مقطر کرنے کے مقامات الگ الگ بنے ہوئے ہین جن سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ عمارات فن کیمیا کے عمل کے لیے بنائی گئین تھین - اس کے علاوہ ان مکانون مین کچھ شکلین اور کتبے کالدی اور مصری حروف مین پائے جاتے ہین جن کی ماہیت معلوم نہین ہوسکی - زمین دوز خزانے بھی دریافت ہوے ہین جہان یہ علوم فلجان اور توز اور نیز سونے اور تانبے کے پترون اور پتھر کی تختیون پر لکھے ہوئے پائے گئے ہین"

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ذوالنون کیمیاگر اور ساحر تھے ساتھ ہی ہمین یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ اس زمانہ مین سحر اور کیمیا (کہ وہ بھی سحر ہی کی ایک شاخ سمجھی جاتی تھی) تصوف اور خرق عادت کے لوازم مین شمار ہوتے تھے یہ تلازم فلسفہ اشراقیہ جدید کے پیروان زمانہ بعد مثلاً آمبلیکس اور پراکلس مین نمایان طور سے نظر آتا ہے

لہ چونکہ یہ اصطلاح اس مضمون مین بار بار آئے گی اور جب تک کہ اس کے معنی اچھی طرح سے سمجھ مین نہ آجائین اس مضمون کے ایک بڑے حصہ کا سمجھنا دشوار ہے اس لئے ہم ذیل مین اپنے اُن ناظرین کی آگاہی کے لئے جو فلسفہ اور علم کلام پر پورا عبور نہین رکھتے اس اصطلاح کی تشریح کئے دیتے ہین۔

ذہنیات اور موجودات خارجی مین باوجود مشائی اور اشراقی توجیہات کے جو عقلی تناقض مدتون سے چلا آتا تھا اوس کے رفع کرنے کی غرض سے تنہا کے ایک گروہ نے جن کو اسکولسٹیسزم Scholasticism یعنی مسیحی علم کلام کا بانی کہا جاسکتا ہے تیسری صدی عیسوی مین فلسفہ کا ایک نیا مذہب فلسفہ اشراقیہ جدید کے نام سے اسکندریہ مین قایم کیا۔

اور "تاسٹک" اور "یہ" اور صابی طریقوں کی تو ساری تاریخ اس سے بھری پڑی ہے لیکن طریقۂ صوفیہ ساحری اور کیمیا گری کو اپنا لازمہ نہیں قرار دیتا۔ تیسری صدی کے صوفیہ کرام متصوفین تھے نہ کہ شعبدہ گر۔ سحر جسے قرآن نے باطل قرار دیا ہے اون کے ہاں بار نہ پاسکتا تھا۔ جو معجزے اون سے صادر ہوتے تھے وہ بمنزلہ کرامات تھے جو بوجہ اون کے تقدس اور خالص ایمان بالغیب کے خود بخود ظاہر ہو جاتے تھے (مقدمہ ابن خلدون) لیکن اس امر کا ثبوت بہم پہونچانا چندان مشکل نہیں کہ خرق عادت اور شعبدہ گری کے متعلق جو خیالات قدیم سے چلے آتے ہیں اونہوں نے صوفیت پر بہت بڑا زبردست اثر ڈالا۔ چنانچہ امام جعفر صادق نے جن کے حالات تذکرۃ الاولیا

اس مذہب کا مقصد یہ تھا کہ عقل اور ایمان میں توافق پیدا کیا جاے۔ ہستی علی الاطلاق یعنی خدا کی ذات کا تعقل چونکہ افلاطون کے کلیات عقلی کی وساطت سے ہونا محال تھا لہذا فلسفۂ اشراقیہ جدیدہ کے بانیوں نے مکاشفہ کے مسئلہ کو رواج دیا۔ اس مسئلہ کا مفہوم یہ ہے کہ ادراک کی اجزا سے عاقدہ ومنعقدہ یعنی نفس ناطقہ اور قسے مدرکہ باہم مخلوط ومنضم ہو کر ایک ہو جائیں اور اُن میں کوئی فرق نہ رہے۔ دوسرے لفظوں میں اسکی تاویل یوں کی جاسکتی ہے کہ انسان کی تمنا ہے کہ اسکو علم مطلق حاصل ہو لیکن اس حصول کے لیے خارجی اشیا کا ادراک یا طریقہ استقال بیکار ہے علم مطلق اسکو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ انجلاء نفس اور تزکیۂ باطن سے محسوسات اور موجودات خارجی کو وہ اپنا پرتو بنالے اور بیرونی اثرات سے یہاں تک مستغنی ہو جاے کہ عالم اور معلوم ایک ہو جائیں اور اس طور پر سب چیزوں کا ادراک مکاشفہ یا بصیرت سے ہو جاے۔ کثرت کے تصور سے جو عقلی مشکلات فلاسفہ کو اکثر پیش آئی ہیں اون سے بچنے کے لیے فلسفہ اشراقیہ جدیدہ کے پیرووں نے مسئلہ انفصال کو اصول ہمہ اوست کا سنگ بنیاد قرار دیا۔ اس مسئلہ سے مراد یہ ہے کہ کائنات مرئی کے جملہ شواہد خالق علی الاطلاق سے ماخوذ اور اس کے مظاہر ہیں۔

ایڈیٹر

مین درج ہین ایک کتاب کیمیا اور جفر ورمل[1] پر لکھی - اون کے شاگرد مشہور و معروف کیمیاگر جابر بن حیان کو جو یورپ مین جبر کے نام سے مشہور ہے جابر صوفی کا لقب دیا گیا تھا اور ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق رکھتا تھا جو ابن القفطی کے خیال کے مطابق عین تصوف ہے[2] - صوفی اولیا کے سیر و سوانح سے اور زیادہ قوی شہادت بہم پہونچ سکتی ہے - ابراہیم ادہم کے حالات مین مذکور ہے کہ ایک دفعہ جب وہ جنگل مین سفر کر رہے تھے تو ایک شخص اونہین ملا جس نے اونہین اسم اعظم سکھایا - اور ادہم جب یہ نام زبان پر لائے تو اونہین حضرت خضر کی صورت نظر آگئی (رسالہ قشیریہ) - ذوالنون کی نسبت بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اونہین اسم اعظم معلوم تھا - اونکی ایک شاگرد یوسف بن الحسین (متوفی ۳۰۴ھ) نے چاہا تھا کہ یہ اسم اُن سے سیکھ لے لیکن استاد کی ایک آزمایش کے معیار مین پورا نہ اُتر سکا (تذکرۃ الاولیا) - خاص خاص اسما اور کلمات کا معجز نما اثر خرق عادات کا دیا چہ ہے - معرفت کی حقیقت پر ایک قبطی تصنیف ہے جس مین اسم اعظم کی رمز کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ وہ اسم ہے جسکی تائید سے سالک باقی تمام اسرار و رموز سے مستغنی ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالنون اپنے عملیات مین افسون اور بخور سے بھی کام لیتے تھے - چنانچہ ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب مین ذوالنون سے ملنے گیا تو دیکھا کہ سونے کا ایک کنگول اون کے سامنے رکھا ہوا ہے اور عود و عنبر کی دھونی اُٹھ رہی ہے اور جب مین اندر داخل ہوا تو ذوالنون نے چین بہ چین ہو کر کہا - کیا تو اون مین سے ہے -

---

[1] یہ محض عوام شیعہ کی لغویات ہین - ایڈیٹر

[2] تاریخ الحکما صفحہ ۱۶۰ - طبیعیات اور مذہب کا یہ امتزاج اوس متصوفانہ میلان کی مثال ہے جو ازمنہ وسطی مین یورپ کے صوفیون مین گھر کر گیا تھا - جابر بن حیان اور ذوالنون مصری کا رنیتس [illegible] گیزبا اور پیراسلس کے اس بارہ مین پیش رو ہین -

جو بادشاہون کے حضور مین اوس وقت حاضر ہوتے ہین جبکہ وہ حالت سکر مین ہوتے ہین

غرض ذوالنون مصری راہب تھے حکیم تھے صاحب کرامات تھے قبطی النسل
دنوبیای الاصل تھے اور نوین صدی مین عیسائی قبطیون مین رہتے تھے اور جیسا
اُن کے موجودہ ملفوظات اور جامی کی شہادت سے ظاہر ہے تصوف کے ماخذ اعظم
وہی ہین - اس مسئلہ پر کہ تصوف کی ابتدا کب اور کیون کر ہوئی بہت کچھ بحث کی گئی
ہے اور مختلف و متضاد قیاسات اس کے متعلق قایم کیے گئے ہین اور یہ اور چنداں
تعجب خیز بھی نہین کیونکہ کسی نے اب تک اس مسئلہ کے تاریخی پہلو پر نظر نہین
ڈالی[۲] - حالانکہ اس پہلو کو نظر انداز کر دینا اور عام واقعات و قیاسات سے استدلال
کرنا میری راے مین کبھی سود مند نہین ہو سکتا اور نہ اوس سے کوئی صحیح اور مستقل
نتیجہ مترتب ہو سکتا ہے - یہ تو ظاہر ہے کہ تصوف کے اصول ویدانت کے اصول
سے ملتے جلتے ہین لیکن یہ عقدہ کہ آیا تصوف ویدانت سے ماخوذ ہے یا نہین اوس وقت
تک حل نہین ہو سکتا جب تک کہ تاریخ سے مدد نہ لی جاے اسکا یہ طریقہ ہے کہ اول
یہ دیکھا جاے کہ جب تصوف کی ابتدا ہوئی تو اسلامی تخییل پر ہندوستانی تخییل کیا اثر
ڈال رہا تھا - دوسرے اس امر پر غور کیا جاے کہ تصوف کے نشو و نما کے متعلق جو

[۱] رسالہ قشیریہ - تذکرۃ الاولیا -

[۲] البتہ جرمنی کے ڈاکٹر ہرکس اس سے مستثنی ہین - جنہون نے ابو سلیمان الدارانی کے
زمانہ تک اسلامی تصوف کے نشو و نما پر مورخانہ نظر ڈالتے ہوے یہ راے ظاہر کی ہے کہ
ضرور ہے کہ مسلمانون کے متصوفانہ عقاید فلسفہ یونان سے ماخوذ ہون ڈاکٹر صاحب
کی کتاب دیکھنے سے پہلے مین نے اس مسئلہ پر بطور خود نظر غائر ڈالی تھی اور جن نتایج کا
استخراج اونہون نے کیا ہے وہی مین نے بھی مستنبط کیے تھے -

واقعات مسلم و متحقق ہین وہ کہان تک اس کے ہندی الاصل ہونے کے موید ہین - اسی طرح اس قیاس کی نسبت کہ تصوف ایرانی دماغ کا ماحصل ہے اول یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ جن لوگون نے خاص خاص متصوفانہ عقاید کی اشاعت کی وہ ایرانی النسل تھے لیکن ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ امر ثابت نہین کیا جا سکتا - اس مین شک نہین کہ معروف کرخی ایرانی الاصل تھے لیکن تصوف کے اصول مختصہ کی تدوین اول اول ابو سلیمان الدارانی اور ذوالنون مصری اون کے جانشینون نے کی اور یہ وہ لوگ تھے جن کی عمرین شام اور مصر مین گزرین اور جن کی رگون مین ایرانی خون کا ایک قطرہ بھی نہین تھا -

فلسفہ اشراقیہ جدید اور تصوف مین جو حیرت انگیز مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ وہ مطابقت ہے جو تصوف اور ویدانت کے تطابق باہمی سے بھی زیادہ اشبہ اور اقرب ہے) بجاے خود اس امر کی دلیل نہین ہے کہ ایک مذہب دوسرے مذہب سے ماخوذ ہے لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ فلسفہ اشراقیہ جدید کا تصوف کے ساتھ تاریخی رشتہ ضرور ہے اور مین اپنے اس یقین کے بعض وجوہ ذیل مین قلمبند کرتا ہون -

تذکرۃ الاولیا اور دوسرے تصانیف کے مطالعہ سے یہ صریحی نتیجہ نکلتا ہے کہ تصوف کا وہ پہلو جسکا مقصود بجاے زہد و رضا کے معرفت ذات باری ہے ترقی کر کے ۱۹۰ھ اور ۲۴۰ھ کے درمیان کے پچاس سال مین منتہاے کمال کو پہونچ چکا تھا - اس نصف صدی مین جو مامون معتصم واثق اور متوکل کا زمانہ ہے دیکھنا یہ ہے کہ مغربی ایشیا پر یونانی تخیل نے عموماً اور فلسفہ اشراقیہ جدید نے خصوصاً کیا اثر ڈالا -

اس زمانہ مین مسلمانون پر یونانی تہذیب کا پرتو جس طرح سے پڑا اوس کا اعادہ

تحصیل حاصل ہے۔ ہر وہ شخص جس نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے جانتا ہے کہ یونانی علوم و فنون کی ندی جوان دنوں چڑھی ہوئی تھی سرزمین عراق کی طرف تین سمت سے موجین مارتی ہوئی بڑھی۔ شام کی مسیحی خانقاہوں سے، خوزستان کے ایرانی دارالعلم واقع جندی سابور سے اور مسوپوٹیمیا کے مشہور مرکز علم حران سے جو شامی بت پرستوں یعنی صابیون کا گھر تھا۔ فلاسفہ و اطباء و علماے یونان کی کثیر التعداد تصانیف کا عربی مین ترجمہ ہوا جنھین لوگون نے ذوق و شوق سے پڑھا اور یہی تراجم جدید اکتشافات کی بنا قرار پائے۔ غرض اسلامی علوم و فنون اور فلسفہ کا سنگ بنیاد حکمت یونان ہے۔

اسلامی فلسفہ کی مجلس کا صدر افلاطون نہین ہے بلکہ ارسطو ہے لیکن عربون کو اصول مشائیہ اوّل اوّل اشراقیین جدید کی شرحون کے ذریعہ سے معلوم ہوئے اور جن فلاسفہ کا رنگ اسلامی فلسفہ مین صاف نظر آرہا ہے وہ پلاٹینس۔ فرفوریوس اور پراکلس ہین۔ "کتاب الٰہیات ارسطو" جو نام کو ارسطو سے منسوب کی جاتی ہے اور جس کا ترجمہ بروایت ڈائسٹرسی ۸۴۰ء مین بزبان عربی ہوا حقیقت مین فلسفہ اشراقیہ جدید کا ایک دستور العمل ہے۔ بہرحال ہمارا مقصد یہان اس امر کا اظہار ہے کہ فلسفہ اشراقیہ جدید کے عقاید نوین صدی عیسوی کے نصف اول مین عام طور سے شایع ہو چکے تھے اور ہر تعلیم یافتہ مسلمان کی دسترس کے اندر تھے۔ اور یہ وہ سرچشمے تھین جو کئی صدیون سے تصوف اور ہمہ اوست کے مسلک کا گھر بنی ہوئی تھیں۔ اور اشراقیین جدید پیروان طریقہ اوریہ اور مسیحی ملاحدہ کا ملجا و ماوا تھین۔ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز پر چند تصانیف جواب تک کنج خمول مین پڑی ہوئی تھین یک بیک دنیا کے سامنے اس ادعا کے ساتھ پیش کی گئین کہ انکا مصنف یونان کی مشہور علمی و سیاسی مجلس ایرنیو پیکس کا رکن ڈایونیسیس ہے

جو سینٹ پال کی تلقین سے مشرف بہ مسیحیت ہوا تھا۔ عام طور پر ان تصنیفات کے متعلق یہ خیال کیا گیا ہے کہ ان منسوبات کا اصلی زمانہ تصنیف یہی زمانہ تھا اور کسی شامی راہب نے جو غالباً پراکلس سے نسبت تلمذ رکھتا تھا انہین تصنیف کیا ہوگا۔ اس قیاس کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اگرچہ اہل مشرق نے ان تصانیف کا خیر مقدم عام طور پر نہایت اشتیاق سے کیا لیکن دنیا کے سامنے ان کے پیش کرنے والے اور اُن کی تائید و توثیق مین خصوصیت کے ساتھ اظہار جوش و خلوص کرنے والے اہل شام ہی تھے۔ ڈانیوسیس کی ان منسوبات کے حقیقی مصنف نے اپنے استاد کا نام ہیرو تھیوس بتایا ہے اور فرا تھنگم ثابت کرتا ہے کہ ہیرو تھیوس اور اسٹیفن بارسوڈیلی جو مشرقی شام کا ایک سربرآوردہ صوفی اور یعقوب سروجی (۴۵۱-۵۲۱ء) کا معاصر تھا دو جدا جدا شخص نہ تھے بلکہ ایک ہی تھے۔ اس اسٹیفن کی دو تصانیف یعنی "عشقیہ مناجات" اور "مبادی الہیات" کے بعض اجزا جلی ڈانونیسیس کے مکتوبات مین بجنسہ محفوظ ہین اور ایک مکمل تصنیف موسوم بہ "مکتوبات ہیرو تھیوس دربارہ اسرار و غوامض ربوبیت" کا ایک عجیب و غریب قلمی نسخہ ہم تک پہونچا ہے جو اس وقت برٹش میوزیم مین موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ منسوبات ڈانونیس کا اصلی و حقیقی ماخذ کیا ہے۔ ان تصانیف کا ترجمہ لاطینی مین جان اسکوٹس اریجینا نے کیا جو قرون وسطی مین مغربی تصوف کی بنا قرار پایا۔ مشرقی دنیا مین بھی ان کا اثر کچھ کم ہمہ گیر نہ تھا۔ چنانچہ ان کے نمودار ہوتے ہی ان کا ترجمہ شامی زبان مین ہوگیا اور جو اصول و عقاید ان مین درج تھے وہ اہل ذوق کے نوک زبان ہوگئے جیسا اُن کثیر التعداد شرحون اور حاشیون سے ثابت ہوتا ہے جو شامی مصنفین نے ان پر قلمبند کیے۔ ممکن ہے کہ ان مباحث کا چرچا نویں صدی عیسوی مین ہوا ہو کیونکہ اُن قلمی نسخون کا یہی زمانہ ہے جو ستھوپولس (واقع فلسطین) سے اوڈیسا کو

بھیجے گئے۔ سنہ ۸۵۰ء کے قریب نوبت یہان تک پہونچ گئی تھی کہ کنار آب دجلہ سے لے کر تا بہ ساحل اوقیانوس کوئی علم دوست شخص ایسا نہ تھا جو ڈایونیسیس کی تحریرات کو مزے لے لے کر نہ پڑھتا ہو۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فلسفہ اشراقیہ جدید کے معارف سے مسلمانون کو لٹریچر ہی نے روشناس کرایا۔ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے کہ شہر حران واقع مسوپوٹیمیا منجملہ اون سترائین کے تھا جن کے ذریعہ سے حکمت یونان کا خون اسلام کے بدن مین داخل ہوا۔ اس شہر مین ایک خاص قوم کے لوگ آباد تھے جو حقیقت مین توشامی بت پرست تھے لیکن نوین صدی عیسوی کے آغاز کے قریب اپنے آپ کو صابی کہنے لگے تھے۔ تاکہ خلیفہ المامون کی آزار رسانی سے محفوظ رہین جو بوجہ اون کے شرک و بت پرستی کے اون کے درپے آزار ہو گیا تھا۔ اس قوم کے بہت سے لوگون نے تو اسلام یا عیسایت قبول کر لی لیکن اون کا جزو غالب اپنے قدیم مشرکانہ عقاید پر جما رہا اور ان مین سے جو تعلیم یافتہ تھے وہ سب اوس مذہبی فلسفہ کا اتباع کرتے رہے جو شہرستانی اور دوسرے مسلمان مصنفین کی راے مین پراکلس اور آمبلیکس کا جدید اشراقی مسلک ہے اور بس۔ اگرچہ صابی جماعت جس نے بڑے بڑے فضلا حکما اور علما پیدا کیے ہین بغداد مین نوین صدی عیسوی کے خاتمہ سے پہلے آباد نہین ہونے پائی تھی لیکن اس مین ذرا شک نہین کہ صابی اور مسلمان حکما مین تبادلہ خیالات بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ مسلمانون کی جہان کہین یونانی تمدن سے مٹ بھیڑ ہوئی اونہون نے فلسفہ اشراقیہ جدید کی مذہب آلودہ حکمت کو اپنے حوالی مین ساری و دایر پایا۔

یونانی تمدن نے جن سرزمینون مین اپنے قدم مضبوطی اور استحکام سے جمائے تھے وہ مصر اور شام تھین۔ اور یہ وہ ممالک ہین جہان اول اول اسلامی تصوف

کا اُٹھان ہوا۔ جس شخص نے تصوف کے اس نشوونما مین سب سے بڑا حصہ لیا وہ ایک فیلسوف اور کیمیاگر بیان کیا جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر وہ حکمت یونان کی خرمن کا خوشہ چین تھا۔ اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن خیالات کا اظہار اوس نے کیا ہے وہ اونہین خیالات کا عکس ہین جو ڈیونیسیس کی تصانیف مین پائے جاتے ہین تو اس نتیجہ کے بدیہی ہونے مین کلام نہین رہتا کہ فلسفہ اشراقیہ جدید اور تصوف مین ایک گہرا تاریخی تعلق ہے۔ جو واقعات کہ اوپر بیان کیے جا چکے ہین اون سے سوائے اسکے اور کوئی نتیجہ مترتب ہو ہی نہین سکتا۔ مین ڈاکٹر مرکس کا ہمصفیر ہو کر یہ تو نہ کہون گا کہ صوفیہ کے عقاید کا سراغ حرفًا حرفًا ڈیونیسیس کی تصانیف مین مل سکتا ہی لیکن اس سے مجھے انکار نہین کہ اسلامی تصوف زیادہ تر یونانی حکمت نظری کا ماحصل ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس ابتدائی زمانہ مین بھی نظام تصوف مطلقًا اور خالصًا یونانی نہ تھا۔ کیونکہ چھ صدیون کے مرور نے خود فلسفہ اشراقیہ جدید مین بعض خارجی اجزا ملا دیئے تھے یہان اس کا موقع نہین ہے کہ ۸۶۰ء سے قبل کے تصوف مین جو یونانی اور غیر یونانی عناصر شریک تھے اونکا تجزیہ کیا جاے البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ معروف کرخی جن کی نسبت ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ کان ابواہ من اعمال واسط من الصابئۃ (اوس کے والدین صابی تھے اور نشو واسط کی رہنے والے تھے) غالبًا مندائی تھے۔ مندائیون کو جو قرآن مجید مین صابئین کے نام سے یاد کئے گئے ہین مسلمان بوجہ اون کی کثرت شست وشو کے المغتسلہ کہتے تھے۔ یہ لوگ اوس مرطوب علاقہ مین رہتے تھے جو واسط اور بصرہ کے درمیان واقع ہے اون کی معروف اعلےٰ کا نام المسبح تھا اور جیسا کہ اون کے نام سے ظاہر ہے وہ ایک قدیم قوم کی یادگار تھے جس کا مذہب "ناسٹک" (اور یہ) تھا۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کر بھی لیا جاے کہ معروف کرخی خود مندائی نہ تھے تو اس مین تو کلام نہین کہ

وہ ان صابتہ البطائح کے اصول و عقاید سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ معروف کے ملفوظات سے ہے کہ "چشم فرو خوابانید اگر ہمہ از نرگس بود و بادہ" تذکرۃ الاولیا یہ قول مندائیون یا الحسیحایون کے اس عقیدہ کا پتہ بتا دیتا ہے کہ "ان الکونین ذکر و انثیٰ" (کتاب الفہرست) ابو المحاسن کے قول کے موافق ابو سلیمان الدارانی بھی واسط کے رہنے والے تھے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ ذوالنون کی نظروں میں مسئلہ معرفت کی بہت بڑی وقعت تھی۔ ابراہیم ادہم کے قول کے مطابق انسان کو درجہ زہد پر فایز ہونے کے لیے جن چھ عقبات کا طے کرنا لازمی ہے[۱] وہ اون سات پھاٹکون کے مشابہ ہین جن مین سے ہر ایک پر یونانی روایت کے بموجب ایک سنتری کا پہرہ ہے اور جو روح کو نجات کے مقدس رستہ مین ملتے ہین اور صرف اسی شخص کے لیے کھولے جاتے ہین جو علم باطن کا جاننے والا ہو۔ آگے چلکر ان سنتریون کے نام شہوت حسد اور اسی قسم کے دوسرے جذبات سینہ رکھ دیے گئے۔ اس مین ذرا شک نہین کہ "ناسٹسزم" (عقاید اوریہ) نے موسویت و مسیحیت اور ساتھ ہی یونانی حکمت سے اثر پذیر ہو کر تصوف کی بنا مین حصہ لیا۔ اور ان دونون طریقون مین بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ اگر اس بارہ مین مزید تحقیقات کی جائیگی تو بہت سی نئی نئی باتین معلوم ہون گی اتنا البتہ یقینی ہے کہ جس تاریخی مرزبوم مین

---

[۱] معروف کی بظاہر اس مقولہ سے یہ مراد ہے کہ اگر یہ عالم ظاہری ثنوی ہے یعنی اس مین دوئی پائی جاتی ہے تو ہمین چاہیئے کہ ثنویت کی طرف سے آنکھین بند کر لین اور وحدت مطلق ہی سے لو لگائین۔ الفاظ نرو مادہ کا اشارہ اس دقیقہ کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اہل بابل کے مذہب مین جو غالباً "ناسٹسزم" (مسلک اوریہ) کا ماخذ ہے ہر دیوتا کے لیے ایک ۱ ایک دیوی کا ہونا ضرور ہے۔ مثلاً انو دیوتا کی دیوی انا تو ہے۔ قس علی ہذا۔

[۲] رسالہ قشیریہ۔ و تذکرۃ الاولیا

اسلامی تصوف نے جنم لیا اُس سے اسکا ہندی یا ایرانی الاصل ہونا نہین پایا جاتا بلکہ یہین ماننا پڑتا ہے کہ یہ یونانی تخیل اور مشرقی مذہب خصوصاً فلسفہ اشراقیہ جدید مسیحیت اور عقاید اوریہ کے باہمی میل کا نتیجہ ہے ممکن ہے کہ ان مین سے کم از کم دو مسالک پر ایرانی اور ہندی تخیل کا اثر پڑا ہو لیکن یہ ایک دقیق عقدہ ہے جو ابھی حل نہین ہوا اور شاید کبھی بھی حل نہ ہو - ہندی تخیل کا اسلامی تصوف پر براہ راست جو اثر پڑا اگرچہ اُسکی اہم ہونے مین کلام نہین لیکن تاریخی لحاظ سے اس اثر کو یونانی اور شامی اثرات سے موخر اور ان کا تابع سمجھنا چاہیئے - (باقی آئندہ)

ایڈیٹر

غزل

تو ہے آفریدہ پے طرب مری غم سے چشم کو تر نہ کر
مری خستگی سے حزین ہو مری بیکسی پہ نظر نہ کر

نہ اُٹھا ای خروش سحر کبھی غم نیم شب تو اثر نہ کر
ہو دل اُس کا نازک و خبر اُسی میری دل کی خبر نہ کر

ہوس وصال! بلا ہے تو - تری کار شغل تمم کیا
تو نہال گلشن یاس ہو عبث آرزو سے ثمر نہ کر

ہے یہی خلش مری زندگی - کہین مٹ نہ جائے یہ چارہ گر
مری زیست کا جو خیال ہے تو علاج زخم جگر نہ کر

نہین پائمالی عاشقان بحجز اک نظر کا معاملہ
ترے اختیار کی بات ہو - جو کرے یہ کام مگر نہ کر

ہے تغافل لیک ادا و لے یہ سکھایا کس نے بھلا تجھے
کہ کسی ستم کش شوق پہ کبھی بھول کر بھی نظر نہ کر

خلش امید بھی ہے تم کو دی کہ دے وحشت خستہ سے
کہ یہ شام شام فراق ہے عبث آرزوئے سحر نہ کر

کلکتہ

رضا علی وحشت

سید محمود آزاد

(۲)

اس مضمون کا ایک ٹکڑا جو رد و موسلی کی طغیانی مین تدریجاً بلا ہونے سے بچ رہا تھا، پچھلے نمبر (جلد دوم سلسلہ جدید نمبر ۱۲) مین شایع ہوا تھا۔ باقی حصہ مولانا وحشت نے اپنے مسودہ سے نکلوا کر نقل کرکے بھیجا ہے جو اس دفعہ درج کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر

غالب کی غزل اس زمین مین دھوم دھام کی ہے۔ کہتا ہے ؎

مژدۂ صبح درین تیرہ شبانم دادند — شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند
رخ کشودند و لب ہر زہ سرایم بستند — دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

حکیم مومن خان کا مطلع بھی نہایت پاکیزہ ہے ؎

دل ربودند و ز دلدار نشانم دادند — آنچہ بردند ز من بہتر ازانم دادند

یار رقیب است و بہر سو نگران می آید — تا فریبد کہ ز اغیار نہان می آید
یک نگہ باعث صد یاس و ہزاران امید — ہر چہ گویید ازین فتنہ گران می آید
بگزر از جور و ازین حال دروغم دریاب — کز تو ام حرف شکایت بزبان می آید
یارب آن وعدہ فراموش نرامش کند — غمزۂ را کہ بکار دگران می آید
آتش رشک زدہ شعلہ بجان آزاد — این چہ حرف است کہ آن جا بجہان می آید

دل آسودہ ز ہر عیش نشانے دارد — ہر گرا خاطر جمعیست جہانے دارد

بہ یاسے نگرائید و سا سے منواخت — آنکہ صد نامہ بخون دلش انشا کردیم
بر غلط فہمی ما حیف کہ از مزرع دہر — جز زیان ہیچ نبود آنچہ تمنا کردیم
می زند مردم چشم از فرہاد دست بسر — تا بحسرت نگہ گیتی چہ تماشا کردیم

زیاس خستہ دلہائے بیقراران بین — بمرگ خویش بحسرت امیدواران بین

ہجوم ابر سیاہ و دو فور باران بین — عروج شئہ اقبال بادہ خواران بین!
ہمہ شہر نغمہ بر لب منم نوے وآہے — کہ نمی برد بیکدل بہزار سعی راہے

مثنوی منتہی الافکار

یہ مثنوی ذو بحرین خوب کہی ہے۔ حمد سے یون ابتدا ہوتی ہے ؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم — غازۂ رخسارۂ حسن قدیم
اے شرف افزائے تن از جانِ پاک — مایۂ ہستی دہِ قالب زخاک

مقطعات

کسی اخبار مین ایک قصیدہ نظر پڑا تھا جس کی فارسی کی حضرت آزاد نے یون ہنسی اُڑائی ہے

قصیدۂ نظر افروز شد در اخبارے — ز تازگی دہِ اندازِ فارسی دانی
زہے قصیدہ کہ ہر لفظ او بود ضامن — برائے خندہ بسانِ شرابِ ریحانی
زہے قصیدہ کہ خاصیت دوا المسک — کند سواد حروفش بہ طبع ارزانی
زہے قصیدۂ رنگین کہ زعفران زارے — بزیر دامنِ ہر حرف او ست پنہانی
زہے قصیدہ کہ از خندہ آفرینی او — بحال ہند زند خندہ مدح سلطانی
زہے قصیدہ کہ از رشک شوخیٔ طرزش — زہند کردہ سفر فارسیٔ ایرانی
زہے قصیدہ کز دفہم را تحیر ہاست — کہ پشتو است و یا ترکی یا کہ یونانی
زہے قصیدہ کہ از ہند میکند ہجرت — ز رعب شوکتِ الفاظِ او سخندانی
زہے قصیدہ کہ از شرم حسن بندش آن — برو فگندہ فصاحت نقاب حیرانی
زہے قصیدۂ کز خجالتش بلاغت ہم — نواخت کوس رحیل از زمانہ فانی

زہے قصیدۂ اعجوبہ کہ داد نشان — زبان فارسی اندر لباس ملتانی
نگاہ شاکر احسان آن سخن فہم است — کہ شد اشاعت آن سر قصیدہ رابانی
فزود رونق اخبار خود ز تحریرش — زہے سلیقہ گفتار فارسی دانی
اگر تمیز سخن این بود ز بان دانان — غلط کنندہ دری را بحرف جا پانی
پس از مطالعہ مضمون آن قصیدہ چو کرد — بجیب و دامن اندیشہ گوہر افشانی
بحال وجد نشان داد مش باز آزاد — کہ قدر و قیمت این نظم را تو میدانی
گزین نتیجۂ خواب سخنوریست کہ ہست — خیال اوست سبب نازش سخندانی
بسخندہ گفت کہ رو بے بگو میت بشنو — خموش باش و مزن لافہای طولانی
بدان نتیجۂ خوابی کہ این قصیدہ بود — بود ہر آئینہ از خوابہای شیطانی

دیوان ظہیر فاریابی بار اول بہت غلط چھپا تھا۔ اور شاید اور کسی کی غزلین بھی ظہیر کے نام سے ملحق کر دی گئی تھین۔ حضرت آزاد نے ذیل کے قطعہ مین جو خود ظہیر فاریابی کی زمین مین ہے اہل مطبع کی خوب خبر لی ہے ؎

سرود دی غزلے مطربے بنام ظہیر — "شنیدہ دم چو شدم محرم سرای سرور"
عیان ز مطلع اوست مقطع جملہ اشعارش — چو حالت سنوات از مآثر باحور
بگفتمش ز کجا کردی این غزل رایاد — بمن نشان بدہ ای عور از لباس شعور
جواب داد ز دیوان اوستاد ظہیر — کہ فاریاب از و گشتہ در جہان مشہور
بکانپور کنون این شگرف نسخۂ نغز — بیافت رونق طبع و بدہر شد مشہور
ہمان نفس طلبیدم کہ بینمش تا چیست — کہ بود دیدن آن نسخہ غریب فرور
چو در مطالعہ آمد تحیرے رو داد — ز بسکہ بود غزلہای او ضخیم و دور
ورائے مستی الفاظ و عیب بندش و وزن — ز حشو و لغو ز سر تا بپا ہمہ معمور
خموش ماندم و بر نقص امتیاز جہان — دلم بسوخت کہ شد دیدۂ بصیرت کور

بروز بعد بخلوت سرای تنهائی — نشیده دم چو زدم آستین بشمع شعور
ظهیر گریه کنان پیش من بخواب آمد — بخاطرے همه از شکوهٔ جفا معمور
زدرد دل بصد اندوه برکشید آهے — که خورد شیشهٔ ناموس من بسنگ فتور
منم که قوت تحریر کاک تو صیقلم — گهر ز تاج قزل ارسلان گرفت بزور
منم که سطوت شمشیر خامهٔ هجوم — همی شگافت جگرگاهِ قیصر و فغفور
هزار حیف که دیوانِ جاهلے اینک — شده است طبع بنامم بدهر شده مشهور
کشیدمے به هجا انتقام این بیداد — اگر ز موت نمی بودم این زمان مجبور
چو این بگفت بپاس حقوق گفتارش — دلم بسوخت بر افغان و آه آن مغفور
زبان بحرف تسلیش آشنا کردم — که اے فلاحهٔ "تقدیر فوز بده مقدور"
چه جاے این همه رنج است و غم زنیخال — سپاس غمزده زود آکه می شوی مسرور
بجاے شهرت و اصلاح این غلط فهمی — کز اهل مطبع بی فهم یافت است ظهور
بطرز تازه رقم می زنم بصفحهٔ هیچ — روانی از قلم حق گزار چند سطور
چو این بشنید دعا کرد و رخصت از من خواست — برفت و شد بسپهر پرده خفا مستور
همین که پا شدم از خواب گفتم این قطعه — که پاس وعدهٔ خود بهر آدمی است ضرور

رباعیات

دلخسته و مغموم و تباه آمده ایم — با تا نفسے نالهٔ و آه آمده ایم
ما بر در تو اے خسته انصاف پسند — از دست زمانه داد خواه آمده ایم

دل خون شد و جان بلب رسید امشب — لخت جگر از دیده چکید است امشب
از حال درون چه برطرز دهم اے وای — چشم آنچه نه دیده بود دید است امشب

آن مسکن شادی و غم و کینه نماند — وآن مونس و غمگسار دیرینه نماند

از بسکہ گداخت ز آتش سوز فراق — فریاد دلے کہ بود در سینہ نماند

ہوش از سر من سر پریدن دارد — تسکین زوال اندازہ رمیدن دارد

از لخت جگر گلیست بر ہر مژہ — امروز بہار دیدہ دیدن دارد

از کلام رنجیت

مبارک ہو امید مغفرت کو ناز استغنا — پناہ دو جہان ہی اک سہارا تیری جنت کا

بجائے رشحۂ کلک اشک خونین صفحہ آرا ہی — کہ دل ہمدرد ہی اندیشۂ خون گشتہ طاقت کا

الٰہی کیون نہ ماتم دار ہو شوق ثنا خوانی — کہ شرم ناکسی نے خون کیا ہی دل کی جرأت کا

دیکھتے دیکھتے اک خون کا دریا نکلا! — چشمۂ چشم کو کیا سمجھے تھے اور کیا نکلا

آج وہ شام سی پہلے ہی گئی غیر کے گھر — اب دعائے سحری حوصلہ تیر انکلا؟

بیخودی شوق کی اور عرض تمنا اُنسے — نہین معلوم کہ منہ سے مرے کیا کیا نکلا

جانتے تھے اُسے اُستاد قصیدہ ہی کا ہم — پر غزل سنج بھی آزاد غضب کا نکلا

ڈھونڈتی رہتی ہی ہر لحظہ نظر جلوہ ترا — چھپ گیا آنکھون کی آگے سے کدھر جلوہ ترا

بسکہ رکھتا ہی مسرت کا اثر جلوہ ترا — عید نظارہ ہی اے رشک قمر جلوہ ترا

یہ اشعار ایک ذو بحرین غزل کے ہین

کام لینا ہے ابھی دیدۂ تر سے کیا کیا — نظر آتا ہے مجھے تیری نظر سے کیا کیا

ہوئی وحشت کو بھی وحشت مری غمخوار نہین — بھاگی ہی ڈر کے خرابی مری گھر سے کیا کیا

گفتگو تیرے تصور مین رہا کرتی ہے — تیرے مشتاق سی اور بادِ سحر سے کیا کیا

داغ حرمان کی سوا خاک بھی حاصل نہ ہوا — دل کو اُمید تھی اُس رشک قمر سے کیا کیا

خوب اسوقت مین ہی بے ہنری اے آزاد — ہمکو پہنچا ہے ضرر اپنی ہنر سے کیا کیا

اُس حیلہ گر کا پاس نزاکت دم وصال! — اے جوش اشتیاق تو چوکا ہی چال کب

جوشِ الم سے مرثیہ خوان اپنے دل کا ہی — آزاد کو ہے شعر و سخن کا خیال کب

کس نے کہا کہ آتے ہین دشمن کے گھر سے آپ — اپنی نظر ملائین تو میری نظر سے آپ
کیا تیرا شکوہ جرمِ محبت وہ ہے کہ ہم — مانند اشک گر پڑے اپنی نظر سے آپ
چاہین امید وار کرین چاہین نا امید — کیا کام ہے کہ لے نہین سکتے خبر سے آپ
کس نے کہا کہ مائلِ اغیار آپ ہین — دشمن کا شکوہ کرتے ہین کیون پیشتر سے آپ
امید قدر کیا ہو خریدار سے بھلا — شرمندہ ہم ہین اپنے متاعِ ہنر سے آپ
انکار سے بُرا ہے یہ اقرارِ وصل کا — گویا کہ ٹالتے ہین بلا اپنے سر سے آپ
آجائین میکدے مین جو واعظ تو سیر ہو — منبر پہ ہین دھرے ہوے کس کر فر سے آپ

اخیر شعر مین "دھرے ہوے" کیا پھڑکتا ہوا فقرہ ہے۔

ہم اور اخفاے غمِ عشق یہ این بے تابی — آپ اور پردہ دری سینے مین پنہان ہو کر

شیوۂ پرسشِ احباب ستم ہے ہمکو — کیا کہین ہاے کہ کس شوخ کا غم ہے ہمکو
کارفرمائیِ شوق آہ نہ پوچھ اے ہمدم — بارِ دوشِ دل و جان سینہ مین دم ہے ہمکو

مطلع نہایت پُر درد ہے۔ غالب کی زمین مین ایسے شعر نکالنے آسان نہ تھے۔

اجل کا دامنِ شفقت بھی ہو گیا کوتاہ — جگہ نہین ترے مظلوم کو امان کے لیے

یہ لاجواب شعر حاصلِ زمین ہے۔

رباعیات

سو یاس ہو پر مجسّم امید ہین ہم — سو رنج ہو پر عشرتِ جاوید ہین ہم
تاج و علم و نگین سے مطلب آزاد — جب جام لیا ہاتھ مین جمشید ہین ہم

افسوس کہ دو جہان سے کھویا تو نے — دریاے مصیبت مین ڈبویا تو نے
اے خانہ خراب دل برا ہو تیرا — دشمن سمجھا تھا ہم کو گویا تو نے

مولانا آزاد کا انتقال سالِ گذشتہ مین ہوا۔ ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
ان کے معاصرین مین مولوی عبد الحلیم عاصم مرحوم جو ان کے ہمسبق بھی تھے نہایت اعلیٰ درجے کے سخنور گزرے ہین اور مولوی عبد الغفور خان بہادر نسّاخ مرحوم تو ان کے عزیز ہی تھے۔

کلکتہ — رضا علی وحشت

۵/ نومبر ۱۹۱۰ء

بیکاری کے چند گھنٹے

نتوان ز گفتگو بہ حقیقت رسید لیک — انسانہ ز گو ہر نا یاب سفتنی است

علمائے طبعیات کا مشہور مقولہ ہے کہ "خلا ر محال ہے" جس پر علاوہ برہان کے مشاہدہ کی شہادت بھی گذر چکی ہے۔ اور ثبوت مین یہ مثال عموماً استعمال کی جاتی ہے کہ ایک برتن لیکر پانی پر اوندھا دو۔ پانی اُس مین نہ داخل ہوگا تاوقتیکہ اُس کی ہوا نکل نہ جائے۔ لہذا تمھین ہوا کے نکلنے کا راستہ دینا ہوگا۔ اس کے ابتعاد پر قدما و متاخرین کے اسلوبِ استدلال مین اختلاف ہے ورنہ درحقیقت ایک ہی نقطہ ہے جو مختلف سازون سے ادا ہوتا ہے۔ کارخانہ مادیات مین اس کی جانچ پرتال اکثر ہوتی رہی ہے، بعینہ یہی حالت معنویات کی بھی ہے، یعنے معنوی ظرف (فکر یا عقل) کا خلا رہنا عنصر خیال سے محال ہے، عنقائے تصور (یاقوت متخیلہ) کوئی وقت ایسا نہین ہوتا کہ تخیلات کے پرون مصروفِ پرواز نہ رہتا ہو۔ البتہ انتقال ذہنی خیالات مین تنوّع پیدا کرتا رہتا ہے، ان خیالات کے سلسلہ کی کڑی ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتی ہے چنانچہ اس سیدھ سے موڑ کر شدید خیال کو اگر تم دوسری طرف متوجہ کرو تو آسانی سے اس مین کامیاب نہین ہو سکتے۔

کیونکہ اس وقت تم ضابطۂ فطرت سے انحراف کروگے۔ البتہ اسی خطِ مستقیم پر چلنے سے تمہاری اندیشہ فکر کے نتائج تبدیج ظاہر ہونگے۔

جب یہ تمہین معلوم ہوگیا کہ دماغ خیالات سے کبھی خالی نہین ہوسکتا تو کوشش اس امر کی ہونی چاہیئے کہ دماغ مین ہمیشہ پاکیزہ خیالات اور نیچرل جذبات کو جگہ دیجائے۔ بے شغلی کے وقت انسانی وحیوانی جذبات مین مقابلہ کی ٹھہرتی ہے، اُن مین کوئی غالب آتا ہے پھر وہی بلکہ غالب ایک خیالی واعظ کی صورت مین جلوہ گر ہوتا ہے، ترقی کی روحانی یا ماوی تلقینات کا وعظ کہتا ہے، اور رفتہ رفتہ انسان ان دونون درجون مین سے کسی پر پہونچ جاتا ہے۔ یعنے عالم ترقی مین یا تو صدیق کا معزز و گرامی خطاب حاصل کرتا ہے یا زندیق کہلاتا ہے۔ اور درحقیقت یہی معرکہ خیال کی کامیابی اُس کے سرِ استقبال (آئندہ زندگی) پر تاج سعادت رکھتی ہے، جس مین شہرت، نیکنامی، اور روشن ضمیری کے آبدار موتی ٹکے ہوتے ہین۔ لہذا حکیمانہ روش یہ سکھلاتی ہے کہ انجمن بے شغلی کے ممبر اگر عقل سلیم کو اپنا صدر انجمن بنالیا کرین تو اُن کو اپنے مفاد کی عمدہ تدابیر کے انتخاب مین اس سے بہت بڑی بیش بہا مدد ملے۔ اور بیکاری مین جن خطرات کا اندیشہ رہا کرتا ہے، اُن سے اطمینان حاصل ہوجائے۔

تم نہین دیکھتے کہ بیدار مغز مدبرین نے یہ اصول قائم کردیا ہے کہ جب ملک امن و امان کے ہلکے ہلکے پینگے لے رہا ہوتا ہے تو فوج کی پلٹنون کو دوسرے غیر ضروری امور مین پھنسا دیتے ہین۔ تاکہ بیکاری مین اُن کی سرگرمی کی روح بدامنی کا قالب نہ اختیار کرسکے، اسی طرح روشنضمیر پیشوایان قوم یا مذہب اپنے اتباع کی علمی و عملی رفتار کے لیئے نئی نئی سرگرمون کی داغ بیل ڈالتے رہتے ہین۔ کہ کہین اُن کا قدم زمانہ کے نشیب و فراز مین نہ پڑجائے۔ اور قلوب کجروی سے ملوث نہ ہوجائین پس یہی احتیاط ہر فرد بشر کو بہ ذات خود کرنی چاہیئے کہ کسی مفید

مشغلہ سے اپنا وقت خالی نہ رکھے۔ ورنہ اُس کی جگہ افعال شنیعہ لے لیں گے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ سبق احتیاط کار و باری انسان کو ہر وقت یاد رکھنا چاہئے بلکہ بیکاری کے چند گھنٹوں یا منٹوں میں اسے نصب العین رکھکر دیکھئے، اگر آپ کا دل و دماغ اس کے لطیف ذائقہ کا لذت آشنا نہ ہو جائے تو سہی، آگے چلکر ہم آپ کو چند اُن برگزیدہ اور اولوالعزم مشاہیر سے ملائینگے جن کے مہتم بالشان کارنامے اُن کی طول طویل عمروں میں سے اگر محتاج ہیں تو اُن چند لمحوں کے جو تقریباً روزانہ ہر شخص کو سکون کے لئے ملتے ہیں۔ لیکن ایک بڑے سے بڑے یگانۂ روزگار کی ساری عمر اُن کے اِن چند لمحوں کے سامنے پانی پانی ہو جاتی ہے، چشم کمال اُن کی اکملیت پر نظر نہیں اُٹھا سکتی۔ اور چشم قبول اُن کے تذکرہ سے نظر نہیں ہٹا سکتی۔

میرے دوستو! اس موقعہ پر تمہیں یہ غلط فہمی ہو کر رہے گی کہ میں تمہاری راحت کی چند گھڑیوں میں بھی مخل ہونا چاہتا ہوں جس میں دم لینا حفظان صحت کے لئے لازمی ہے، مگر درحقیقت یہ تمہاری اصطلاحی غلطی ہے آرام و آسائش جس کا تم نے نام رکھ لیا ہے، وہ آرام نہیں، تم یا تو اس کو آرام سمجھتے ہو کہ کام کر کے انسان پلنگ یا آرام کرسی پر لیٹ جائے اور جسم کو ساکن مطلق بنا دے، یا یہ کہ کسی لہو و لعب میں مشغول ہو جائے۔ لیکن متذکرۂ بالا اصول "بطلان خلاء" کے مطابق ہر دو صورت میں تمہارے کارخانۂ فکر کے کل پُرزے ساکن نہیں رہ سکتے بمصداق اس قول کے کہ "واہمہ خلاق ہے" پہلی صورت میں تمہارا شہباز فکر میدان تخیل میں منڈلائیگا، اور دوسری صورت میں تمہیں یاران قدح خوار کے جمگھٹے شاعری کی بھری محفل یا بساط شطرنج و گنجفہ پر لا بٹھائے گا۔ یا اور مزخرفات میں مبتلا کر دیگا۔ الغرض راحت کی تعبیر سکون مطلق سے کسی طرح ٹھیک نہ ہوگی۔ بلکہ راحت کا اصلی ذائقہ انتقال

ذہنی یا متنوع خیالات اور تبدیل کار سے حاصل ہوتا ہے، ایک مزدور جس نے دن بھر بیٹھے بیٹھے کام کیا ہے۔ وہ اگر ہاتھ روک کر بیٹھ جائے۔ اور تصویر خموشی بن جائے تو ہرگز اُسے آرام نہ ملے گا، بلکہ اگر وہ کام سے فارغ ہو کر ٹہلنا شروع کر دے، تو یہ چہل قدمی اُس کے لئے اچھی خاصی تفریح کا کام دیگی۔ دیکھو وہ تاجر سارا دن اپنا تجارتی کاروبار کرتا رہا، آخر وقت جبکہ تھوڑا کام رہ گیا تھا اُس کو لشتم پشتم ختم کر کے کس بے چینی سے اُس نے اخبار اُٹھا لیا، ابھی اُسے اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے عرصہ نہیں گذرا، لیکن اُس کا چہرہ کس قدر ہشاش بشاش معلوم ہوتا ہے۔ چہرہ پر تھکن کے آثار بالکل نہیں۔ گویا وہ تھکا ہی نہ تھا۔

ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کی نکات حل کرتے کرتے یہ وقت آیا ہے۔ اس کے پیچیدہ مسائل سے بیکلفت تین چار گھنٹہ کا سابقہ رہا، حواس منتشر چہرہ پُرشکن، اور طبیعت سخت بے چین ہو رہی تھی۔

بابو نے آتے ہی ٹرکی کے جدید انقلاب کی خبر دی، خوشی میں آکر کاغذات ہاتھ سے ڈال دیئے۔ اور تفصیلی واقعات کی فرمایش کی، الغرض دو چار فقروں سے زیادہ سلسلہ گفتگو طویل نہ ہوا تھا۔ کہ ڈاکٹر صاحب کے چہرہ پر خون کی سُرخی جھلکنے لگی، پژمردگی و اضمحلال جس کے آثار چہرہ پر نمایاں تھے ہوا ہو گئے۔ دیکھو اب چہرہ کیسا چاق ہے۔ قصہ مختصر:۔

لگاتار کام کرتے کرتے جو تھکن یا کسل دل و دماغ یا جوارح پر طاری ہو جاتا ہے اُس کا بہترین علاج اور نفع بخش نسخہ انتقال فکر و تبدیل کار ہے۔ یہاں سے ہٹ کر دوسری صورتوں میں انسان کے طبعی میلان کا مطالعہ کرو۔

فطرت انسانی کا اقتضاء ہے کہ ایک حالت پر جب انسان کا کچھ دنوں قیام ہو جاتا ہے تو طبیعت کا تقاضا شدید ہوتا ہے کہ اس ماوراکہ میں تحرک پیدا ہو۔

خواہ موجودہ حالت عیش و عشرت کا جام لبریز ہی کیون نہ ہو۔ جو بعد جد و جہد بلیغ کے حاصل ہوئی ہے۔

ایک مفلس بے نوا جس نے اپنی زندگی مین ایک وقت بھی چین سے سیر ہو کر روٹی نہ کھائی ہو۔ جامہ بے تار کے سوا مضبوط کپڑا تن ڈھانکنے کو نہ پایا ہو۔ اور پتھریلی زمین کے سوا نرم بستر جس نے خواب مین نہ دیکھا ہو خداوند کریم اُسے اپنی حکمت باہرہ سے عیش و عشرت مال و منال کا مست لڑا ہار پہنا دے۔ رفیع الشان ایوان اُس کی خوابگاہ قرار پائین۔ ستر ہزار نعمتین اُس کے دسترخوان کرم پر چُنی جانے لگین، کمخواب و زربفت کے جوڑے روز بدلنے لگے۔ کچھ دنون بعد انھین لیل و نہار و عیش منجمد کی وقعت اُس کی نگاہ مین اپنی اگلی سادہ و غریب معاشرت سے زیادہ نہ ہوگی، اور وہ اپنے جدید اعلیٰ و ارفع حوصلون اور ارمانون کے مطابق انقلاب اور آرائش زندگی کا طلبگار رہوگا، ناظرین! وہی پہیلی ہم پھر بجھاتے ہین جسے ہم ابھی اوپر بجھا چکے ہین۔ مکرر سُن لیجئے! درحقیقت پسب اُسی فطرتی جدت طلبی کا کیا دھرا ہے جس سے معاشرت مین گوناگونیت کی چاٹ ہوتی ہے۔ اور فائز المرامی کی ایک غیر متر قبہ شاندار حالت پر بھی متواتر عرصہ تک قیام اُس کے لئے سخت موجب تلخکامی ہوتا ہے۔ اس سے یہ آسانی نتیجہ نکل آتا ہے کہ فطرت[1] انسانی انقلاب پسند ہے۔ جو اپنے دسترخوان عمل کے لئے ہر وقت نئی چاشنی کی متلاشی رہتی ہے، جسے تبدیل ذائقہ تفریح و توانائی بخشتا رہتا ہے، اور جس سے عملی و دماغی قوی مین فکر و عمل کی تازہ روح دوڑ سکتی ہے۔ خلاصۂ کلام جب یہ امر مسلمہ ٹھہرا، کہ بخیال تفریح

[1] یہی قانون قدرت بھی ہے، کارخانہ عالم مین ہر ایک چیز کمال و زوال، اقبال و ادبار مزور ہے۔ موسم شروع ہوا کمال کو پہونچا، اور ختم ہوگیا، رُت بدل گئی۔ انسان نے بچہ کی صورت مین جنم لیا۔ بڑھا۔ بالغ ہوا۔ عالم شباب آیا۔ پیری نے آدبوچا۔ قالب بے رُوح بنکر پیوند زمین ہوگیا ۱۲

اعضا سے انقطاع حرکت اعضا کے لیے سکون نہین ہو سکتا۔ بلکہ اسلوب حرکت کو بدل دینا اُس کی حقیقی تفریح ہو سکتی ہے، اب فیصلہ طلب امر یہ رہا کہ جس وقت انسان اپنے وہ معمولی فرائض منصبی انجام دے چکتا ہے، جن کے بعد تفریح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، آیا یہ تفریحی گھنٹے (جن کو محض تفنن طبعی مین گذارنے مین بظاہر کوئی مضائقہ نہین) اشتغال تفریحی مین گذارنے مستحسن ہین یا کسی نتیجہ خیز مشغلہ مین؟ اس خاص بحث مین تجربہ و عقل ہم آہنگ ہو کر یہ مشورہ دیتے ہین کہ غیر منتج امور مین اس وقت کو کھپا دینا محض بنظر عدم افادہ ہی غیر مستحسن نہین بلکہ یہ مشاغل تفریحی مزید برآن اس نظر سے بھی قابل اجتناب ہین کہ روز بروز ان مین انہماک اور رجحان طبیعت روبہ ترقی ہوتا ہے، جو کسی نہ کسی دن ایک ثقہ، پاکباز، اور بے نفس انسان کو افعال شنیعہ کے ارتکاب کے لیے طیار کر دیتے ہین، کیونکہ یہ متعدد جرائم اُس کے ملکۂ اجتناب اور اخلاقی رعب کا استیصال کر ڈالتے ہین۔ جس سے انسان اپنی اخلاقی و ادبی حکمت عملیون سے بے بہرہ ہو جاتا ہے، اور جس کے بعد انسان کا ستارۂ فلاح و اقبال اوج سے مائل بہ حضیض ہو جاتا ہے، بخلاف اس کے اسی وقت کو کسی شریف اکتساب کی نذر کرنے سے اسی سے نتیجی نتائج پیدا ہوتے ہین۔ اگر آج تم اُس شخص کے روید اوجرایم کی جانچ کرو جس پر دربار اخلاق مین بڑی سے بڑی فرد قرار داد جرم قائم کی گئی ہو تو عنوان مقدمہ یہی ہو گا۔ کہ اُس نے اوقات تفریح مین کبھی کبھی بیکاری سے شغل کیا ہے، لیکن ڈارونی دربار سے جسے نہایت اعزازی تمغۂ ارتقا ملا ہو گا اُس کے تمام کارنامون کا دیباچہ زرین اوقات تفریح مین اکتسابی مشغلہ ٹھہریگا۔

اے بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست

---

۵ درحقیقت ایسے گئے گذرے ہوؤن سے ہمین پوری پوری ہمدردی ہے، اور یہ ہمدردی اُن کے حق مین

تاریخ کے جلو خانے مین جا کر دیکھو کچھ بیدار مغز، عالی حوصلہ، لوگ نظر آئین گے، اُن کی نشو و نما کا اوائل پہلے حالون مین بسر ہوا، لیکن عقلِ سلیم نے ابتدا سے اُن کی رہبری کی، جس کے سامنے دل کی امنگون نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور آخر کار ترقی و ابوالعزمی کے آسمان چہارم پر چودھوین کا چاند بن کر چمکے، وہ جن کے نام کا خطبہ ایجاد و اختراع کے ممبر پر پڑھا جاتا ہے۔ ہم بنظر سہولت اُن کا نام و نشان اور اُن کے متعلق کچھ مفید معلومات

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۔ سو وہ مذہب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی عادت نہین بلکہ عادت مستمرہ کو جس کی رنگ مین اُن کی طبیعت ڈوبی ہوئی ہے، بدلین۔ جس مین وہ آسانی سے کامیاب نہین ہو سکتے۔ بلکہ کامیاب ہوتے دیکھا نہین۔ اس مین اُن بھولے بھالے لوگون کی حالت زیادہ قابل رحم ہوتی ہے، جو خاطرِ احباب اور زبان خلق کی مروت سے بادہ فروشون اور ارباب نشاط کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر مجبور ہوتے ہین۔ اونہین یہ کھٹکا ہوتا ہے کہ ادہر ہم نے ان مشاغل .... سے بیت و لعل کی اور شیرازہ احباب پراگندہ ہوا۔ یا لوگ بخل کا الزام دھرینگے۔ اس مین شک نہین کہ جبتک وہ حد سے متجاوز نہین ہوتے بُرائی کو دل سے بُرا سمجھتے ہین۔ لیکن بہت جلد وہ ایسے از خود رفتہ اور مستانہ باش تا غم تو دیگران خورند" کے مصداق بنا دیے جاتے ہین کہ رام رنگی کے سوا دنیا و مافیہا سے اُنھین سروکار نہین رہتا۔ باوا کی دولت سے دل فنی گرہ مضبوط ہوتی ہے، کوئی ہنر یا پیشہ سیکھنا عیب جانتے ہین سیکھین تو سہی مگر وہ لوگ سیکھتے بھی دین۔ لیکن گنج قارون بھی ہو تو ایسے دست مسرف کے لئے کفایت نہ کر سکے الغرض جبتک دولت کا جمبہ جھولتا رہا، سب یار و احباب چارون طرف سے گھیرے رہے، دھتہ فقر کا ہاتھ برآمد ہوا۔ اور گھسیٹ کر اُنھین شاہراہِ عام پر لا کھڑا کیا۔ اور اُن کی عمر یہی کہتے کہتے تمام ہوئی ؎ گذرے میری نگاہ سے یارون کے جگھٹے ۔ مطلب یہ تھا سو رہ بڑھے اور غم گھٹے ۔ کثرت سے صرف زر بھی ہو اصرف لفظ بھی ۔ لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے ۔ لیکن جب اسکے سلسلہ اسباب و علل پر آپ نظر ڈالین گے تو ابتدائیہ شخص آپ کو تقریباً محفل سے در مین جاتا ہوا ملیگا۔ سو چو اگر بجائے اس کے اغلاقی، علمی یا سائنٹفک سوسائیٹیون مین یہ حصہ لیتا تو "نیک کرشمہ دو کار" کی بجز نمائیون کی جلوہ دیکھ لیتا جو آفتاب کو ذرہ بنا دیتی ہین جسکا ایک سین تھین ص

ذیل کے نقشہ مین دکھلاتے ہین۔

نمبر	نام	اصل پیشہ	تفریحی مشاغل یا وقت فراغ (آرام) کا پروگرام	کیفیت
۱	گریٹ رٹشرڈ	حجام	پیشہ کی دوا دوش، اور اندیشہ معاش سے چھٹکارا حاصل کرتا، اور ایجاد و اختراع کی اد ھیڑ بن مین لگ جاتا تھا۔	روئی کے مفید استعمال کا سب سے پہلا سراغ لگانے والا اور سوت کاتنے کی آلہ کا موجد۔
۲	ٹنٹر ڈن		قانونی مشغلہ اس کے نکات پر غور و خوض، مفید معلومات کا اضافہ، قانونی کتب کا مطالعہ اس کے نظام اوقات کا عنصر اعظم تھا۔ باوجود کم حیثیتی قانونی حلقہ کو وسیع کرتا رہتا تھا	معاملہ فہمی و قانونی دستگاہ کا شہرہ ایسا ہوا کہ قاضی القضاۃ بنایا گیا۔
۳	ایڈورڈس	معمار	کمنی۔ بسولی (آلات تعمیر) ہاتھ مین ہوتی اور کتاب جیب مین، ایک منٹ کا بھی موقع ملتا تو مطالعہ کرنے لگتا۔ پیشہ کی مناسبت سے اس کا رجحان ریاضی و ہندسہ کی جانب تھا۔	مشہور مہندس و ریاضی دان ہو گذرا ہے
۴	ٹلفرڈ	〃	〃	〃
۵	این جانسن	〃	〃	〃
۶	یوحنا ھنٹر	نجار	ایک معمولی درجہ کا آدمی تھا۔ علمی	مشہور و معروف فن

نمبر شمار	نام	اصل پیشہ	تفریحی مشاغل یا وقت فراغ (آرام) کا پروگرام	کیفیت
			جد وجہد کے ساتھ استقلال سے مشورہ لیتے لیتے کچھ کا کچھ ہوگیا۔	فزیالوجی کا ماہر گذرا ہے۔
۷	ہریسن	نجار		کرانومیٹر کا موجد۔
۸	ٹرنر		پختگی عزم، کوشش کی بدولت بڑھا۔ وقت کی نگرانی نہایت ہوشیاری سے کرتا۔ کچھ نہ ملتا تو زمین پر گل بوٹے دستکاری کے اعلیٰ نمونے بناتا رہتا کاغذ، غیرہ پر جب اس کی نقل اتارتا۔ تو دیکھنے والے ششدر وحیران رہ جاتے۔	فن تصویر کشی میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ جذبات، کیفیات کو ہاتھ سے دکھلانا اسی کا کام تھا غیبی تعلیم دیتے.... کی ساتھ کرتی ہو یا از خود مطالعہ نے اس کی مشق کی۔
۹	سرکلوسکی شوکل	زراعت پیشہ	فن سپہگری کی مشق کرتا۔ دریائی مشاغل میں بہت دلچسپی لیتا۔ اور پھر کسانی کے فرائض بھی انجام دیتا۔ لیکن جس نے آسمان عروج پر چمکایا وہ وہی مشاغل اوقات بیکاری تھے۔	بہت بڑا ولیہ وجا بناز امیر البحر گذرا ہے۔
۱۰	ڈاکٹر الفنسٹن		جذبات کی تصویر الفاظ میں اتارا کرتا۔	بیکاری کی مشق سے ایسا بڑا کہ ملک الشعرا کا خطاب دربار شاعری سے

نمبر شمار	نام	اصل پیشہ	تفریحی مشاغل یا وقت فراغ (آرام) کا پروگرام	کیفیت
۱۱	دسن		طیور رہے اُسے خاص دلچسپی تھی۔ رنگ برنگ کے طیور پالتا رہتا۔	اس سرسری دلچسپی سے بتدریج طیور کے متعلق وہ وہ تحقیقات کین کو اس فن کا واحد معلم تسلیم کیا گیا۔

کتب خانہ
سلیمانیہ جامعہ عثمانیہ

۱۴ ستمبر ۱۹۰۸ء — باقی آئندہ — جواد علیخان

متوطن بارہ بنکی اودھ

تاریخ طغیانی رود موسیٰ

بعض تاریخی مادون کے متعلق بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتف غیب نے انھین اپنے آسمانی قلم سے صحیفہ اعجاز پر ازل سے لکھ رہا ہے اور جب ضرورت پڑتی ہے تو سچے شاعر کے دل پر اُس کا القا کر دیتا ہے۔ پچھلے نمبر مین مولانا ابو الکلمۃ کی تاریخ حیدر آباد دکن شدہ غرق آواز آمدہ کا شمار اسی قسم کے اعجازی مادون مین ہے پرچہ شایع ہوا ہی تھا کہ ہمارے مخدوم محترم مولانا سید اکبر حسین کا گرامی نامہ اسی مادہ کو خلعت تواریخ پہناتا ہوا وصول ہوا جو درج ذیل ہے۔

مگر می یہ عجیب بات ہے کہ دکن کے غرق ہونے کا واقعہ خود اپنی تاریخ ہے یعنی حیدر آباد دکن غرق شد مین ۱۹۰۸ء بالتصفیہ و مخرجہ ہوتے ہین تاریخ کے لیے دوستون مین سے اکثر نے کہا مین نے یون موزون کر دیا۔

دوستون مین سے جو تاریخ کو اکثر نے کہا "حیدر آباد دکن غرق شد" اکبر نے کہا

سرکار والا سے جو توجہ مصیبت زدگون کی امداد پر ہو رہی ہے وہ دلون سے دعائین پیدا کر رہی ہے۔

سید اکبر حسین

فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی (دواساز) ڈیٹرائٹ ملک امریکہ مشہور عالم ادویہ

اسٹرنس کارڈیل آف کاڈلور آئل اکسٹراکٹ

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر معہ شربت نولاد۔ پاکیزہ۔ بلابو۔ اور بلا مالش مرکب کھانسی اور کمزوری کا بہتر علاج۔ عہ ۱۲ر و ع ۱۲ر

اسٹرنس ہیڈیک کیور

ہر قسم کے درد سر کے واسطے بلا ضرر۔ زود اثر۔ اور یقینی فائدہ رسان دوا۔ نقلی مت خریدو صرف اسٹرنس کی اصلی ہے ۱۲ قرص ۱۲ر

اسٹرنس ٹیتھیلائیڈس

کیسی ہی سڑانے کی بیماری ہو اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہے۔ بہترین دوا ہمیشہ کامیاب ۴۰ گولیون کی شیشی (ع)

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب۔ دافع سستی و کاہلی و زکان۔ صرف تازہ اور بغیر خشک کی ہوئی گری سے تیار کیا جاتا ہے۔ خوشبودار خوشگوار خوراک (ے ر)

اسٹرنس نیرا میس

غذا ہضم کرنے کے لئے بہترین دوا نہایت سستی زود اثر اور کامل طور سے آلات ہضم کو درست کرتی ہے۔ ع فی شیشی

رسالہ رفیق مریضان جسمین ان اور دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈک اسٹرنس اینڈ کمپنی ڈیٹرائیٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہین ٹالنس ایڈورٹائیزنگ ایجنسی کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو۔

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیاء کی دوکاندار فروخت کرتے ہین

(اس اشتہار سے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات براہ مہربانی خط و
کتابت ہندی و انگریزی زبان میں کریں
(مرض دور ہو۔ نامیدی مسدود ہو۔ اور نسلاً بعد نسل فتح)

اتنک نگرہ گولیاں

مردی کے قوتوں کے غیر موقع استعمال کے باعث مباشرت کی کثرت کے سبب جو نفسی امراض پیدا ہوتے ہیں ان کو اچھا کرنے کے لئے یہ اتنک نگرہ گولیاں تمام دیگر علاجوں کی بہ نسبت بے خوف اور اعلیٰ قسم کی دوا ہے۔ عارضہ کثرت احتلام۔ اور پیشاب کرنے کے وقت اور ارمذی و ودی کی بیماری ان گولیوں سے بالکل موقوف ہو جاتی ہے۔

جسم اور جان کی قوتوں کو تازہ اور طاقت ور بنانے اور تولید منی کرنے کے باب میں ان اتنک نگرہ گولیوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مردی اور نامردی کے بارہ میں یہ گولیاں جادوئی اثر رکھتی ہے۔

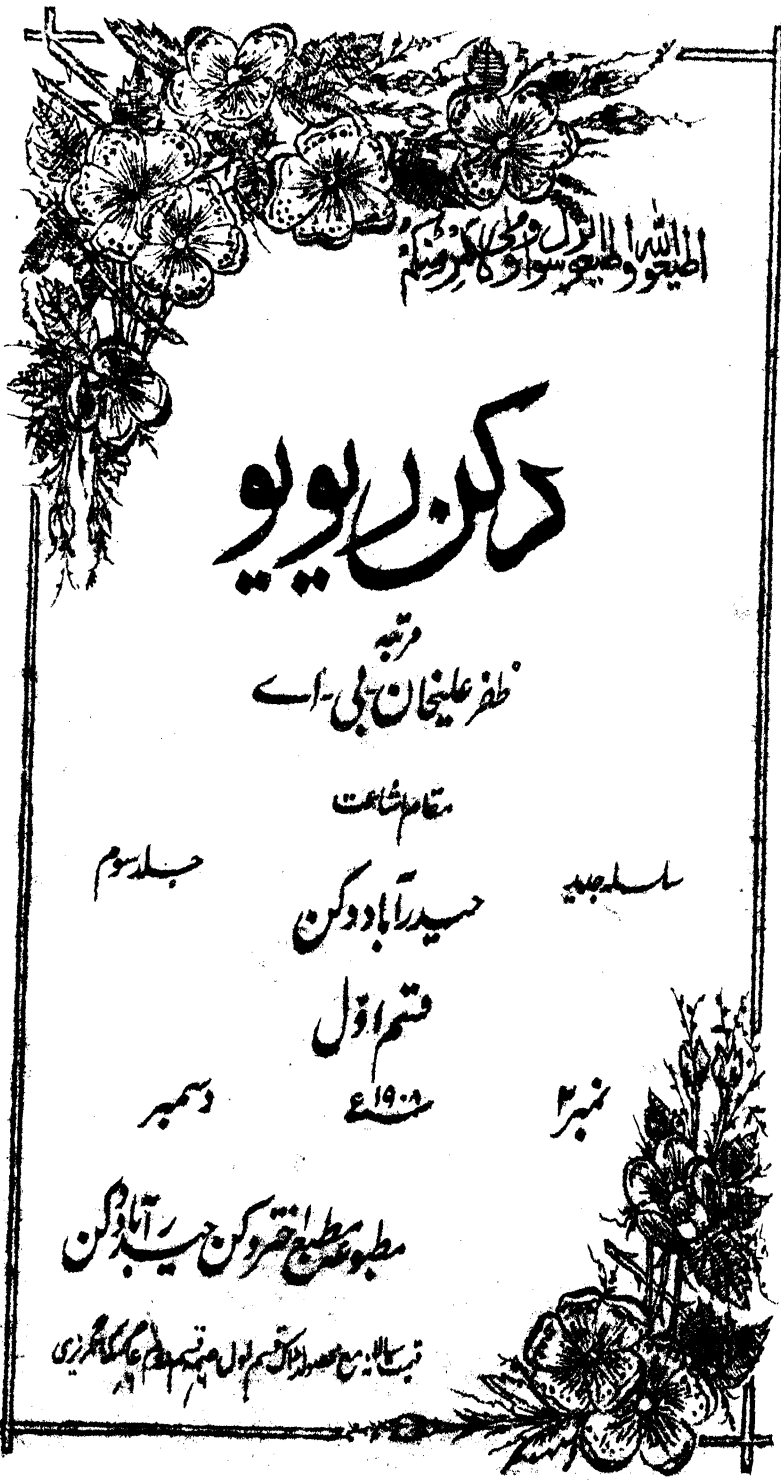
اتنک نگرہ گولیاں زائل شدہ قوت باضمہ کو پھیر لاتی ہیں اور اچھی طرح سے اشتہا پیدا کرتی ہیں۔ اصلاح خون کرتی ہیں اور زود شباب حاصل ہوتا ہے۔ پرمیو۔ جریان۔ اور بول الدم کے عارضوں کے لئے صحت بخش ہے اور زندگی کی طاقتوں کو کامل طور سے معاون ہیں۔

۳۲ گولیوں کی ڈبیہ کی قیمت ایک روپیہ

دو مرتبہ غذا کھانے کے بعد دودھ کے ہمراہ ایک گولی کھاؤ اگر دودھ بہم نہ پہونچ سکے یا دودھ کھانے سے بے رغبتی ہو تو پانی کے ہمراہ کھا سکتے ہیں۔

وید شاستری منی شنکر گووندجی اتنک نگرہ اوشد بالیہ

(دواخانہ) جامنگر (کاٹھیاواڑ)



اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان بی۔اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — حیدرآباد دکن — جلد سوم

قسم اول

نمبر ۲ — سنہ ۱۹۰۸ء — دسمبر

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول عہ قسم دوم عہ

رائیڈل صاحب کی بنائی ہوئی نہایت مجرب دوا

مرگال

انتہائی درجہ تک کے فساد خون کے مریضوں کے لئے اکسیر مصدقہ ڈاکٹران و معالجان امراض اسفال ۴۰ گولیون کی شیشی قیمت دو روپے (عا)

گونوزان

مشہور تکلیف دہ جانگداز مرض ریزش پر سوزشانے کا حکمی علاج مشہور اور خاص ڈاکٹران کا مصدقہ قیمت ۴۰ گولیون کی شیشی کی دو روپے۔ عا

ولورنیوال

طاقت دربنانے اور درد اعصاب دور کرنے کی دوا ہیسٹریا کی مریض عورتون کے واسطے نہایت مفید۔ کم ہمتی۔ بدخوابی ضعف دل کو دماغ کو نافع ۲۴ گولیونکی قیمت عہ ۶ر

یوہمبین

کمزوری۔ نامردی۔ اور ہر قسم کے ضعف کے لئے قطعی اور بلاضرر علاج مصدقہ محققان امراض تولید۔ کبھی خطا نہین کرتی۔ ۱۲ قرص کی قیمت عہ ۶ر

مندرجہ بالا ادویہ کے مفصل حالات مین ایک رسالہ بنام آب و آتش۔ حال مین چھاپ کر مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسے برکت اینڈ کمپنی دہلی سے طلب کرو محصول پیڈا ارسال کیا جائے گا۔ اور متذکرۂ بالا اعلےٰ ادویہ اپنے شہر کے انگریزی دواخروشون سے طلب کرو۔ اگر وقت ہو تو

اسے برکت اینڈ کمپنی دہلی سے طلب کرو



۳ امپراتور چینگ شیه زونگ آشپاز

دکن ریویو

سلسلہ جدید

نمبر ۲ دسمبر ۱۹۰۸ء جلد سوم

تصویر شہنشاہ بیگم چین

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
تصوف کی تاریخ (۲)	ایڈیٹر	۱
مجاز و حقیقت کی رمزیں	یمین السلطنۃ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کے سی۔ آئی ای	۲۷
سید احمد حسین امجد کی کہانی	ایڈیٹر	۲۸
سب کمیٹی فراہمی چندہ برائے امداد مصیبت زدگان طغیانی رود موسیٰ	ایڈیٹر	۳۵
غزل	مولانا سید علی حیدر طباطبائی پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن	۳۶
شہنشاہ بیگم چین	مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے حیدرآباد دکن	۳۷

ایڈیٹوریل

پچھلی ڈاک سے ہمیں لندن سے "مجلس اعانت مصیبت زدگان حیدرآباد" کے اُس جلسہ کی ایک رپورٹ موصول ہوئی جو ۳۰ مئی ۱۹۱۳ء کو اعیان و عمائدین لندن نے مصیبت زدگان حیدرآباد کی امداد مین چندہ جمع کرنے کی غرض سے مینشن ہاؤس مین بصدارت لارڈ میئر منعقد کیا تھا۔ حاضرین مین منجملہ دیگر معززین کے اصحاب ذیل شریک تھے۔ مارکوئیس آف لینسڈوِن۔ مارکوئیس آف رپن۔ ارل آف کرومر۔ لارڈ ولیڈی ایشیل۔ رائٹ آنریبل ایچ آر ہابہوس نائب وزیر ہند۔ سر جیمس ڈی لاٹوش۔ سر اسٹیوِرٹ ولیڈی بیلی۔ کرنل سر ڈیوڈ ولیڈی ہارٹ۔ مسٹر تھیوڈر ماریسن۔ آنریبل نواب عماد الملک بہادر۔ مسٹر کے۔ جی گپتا۔ مسٹر ڈبلیو ہی۔ اے لطیف۔

صدر نفین کی افتتاحی تقریر کے بعد سر ڈیوڈ ہار سابق رزیڈنٹ حیدرآباد نے بہت سی تصاویر کی جن سے حیدرآباد کی دونون حالتین یعنی قبل از طوفان و بعد از طوفان ظاہر ہوتی تھین دکھا کر یہ رزولیوشن پیش کیا "یہ جلسہ ہز ہائنس نظام حیدرآباد اور اُن کی رعایا کے ساتھ اس خوفناک مصیبت کے متعلق جس کا انہین سامنا ہوا اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے" اس رزولیوشن کے پیش کرنے کے بعد انہون نے چندہ کی فہرست کھولے جانے کی تحریک پُرجوش الفاظ مین کی جس کی تائید مسٹر پوکینن نائب وزیر ہند نے ان الفاظ مین کی "آپ صاحبون کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ حضور نظام نے ہم سے چندہ کے لئے اپیل کی ہے ہرگز نہین۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ممدوح نے ذاتی طور پر عطیات شاہانہ سے امداد فرمانے کے علاوہ اپنی سلطنت کے تمام ذرایع اور قوتون کو اپنی آفت رسیدہ رعایا کی مصیبت کے دفع کرنے کے لئے وقف کر دیا بالفعل عملی ہمدردی کی جو عمدہ مثال انھون نے ہمارے سامنے پیش کی ہے وہی گویا اپیل ہے اور یہی اپیل کرنے کا بہترین طریق ہے حضور نظام اور دیگر ہندوستانی حکمرانون سے بڑھکر ہندوستان کی مختلف حصص کے مصیبت رسیدون کی امداد از زور سیلاب اور قحط کے موقعون پر کسی اور نے نہین کی لہذا حضور ممدوح اور ان کی رعایا کے بھی ہم پر ایسے ہی حقوق ہین۔ ان کی امداد دوسرے حکمرانون کی ریاستون کی بہتری اور ترقی پر خش انڈیا کی سرسبزی سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ لہذا ہم ان دور افتادہ مصیبت زدون کے لئے اس شہر لندن مین جو سلطنت بھر مین سب سے زیادہ دولتمند شہر ہے آپ صاحبون سے چندہ کی اپیل کرتے ہین" اس کے بعد چندہ کھولا گیا جو بقدر [illegible] کر مجا جہ ہمدردی اہل لندن از مصیبت زدگان حیدرآباد سے کی جو اس کے لحاظ سے وہ ہزار درجہ قابل شکریہ کے مستحق ہین خصوصاً حضور پرنس آف ویلز کا اس فہرست کے عنوان کو اپنے نام نامی سے زینت بخشنا ہمارے لئے مایۂ صد افتخار ہے۔ لیکن اس قدر کہنے سے ہم نہین رہ سکتے کہ جس جلسہ مین ایسی بڑی بڑی اعیان و اکابر سلطنت زینت افروز جلسہ ہون اور جس فہرست چندہ کا طراز عنوان جلیلہ سلطنت برطانیہ کا اسم گرامی ہو اس میں صرف ۴ ہزار روپیہ کا چندہ ہونا مصیبت زدگان حیدرآباد کی موجودہ ضرورتون کے لحاظ سے ابھی بہت کچھ اضافہ کا محتاج ہے لیکن ہمارا حوصلہ کا دور اُس وقت خاص ہمدردی اہل لندن سے نسبت رکھتا ہے جو اہل لندن اس موقع پر ظاہر کریں گے [illegible] محرمش کن اور مفید نتائج پیدا کرے گی۔



دکن ریویو

تصوف کی تاریخ

(قمزدہ پروفیسر رینالڈ اے نکلسن)

(۲)

جن مشہور صوفی شیوخ کا انتقال ۲۵۰ھ اور ۳۰۰ھ کے درمیان ہوا اُن کے نام حسب ذیل ہین :- سری سقطی (۲۵۳ھ) - یحییٰ بن معاذ الرازی (۲۵۸ھ) بایزید بسطامی (۲۶۱ھ) - ابو حفص الحداد (۲۶۵ھ) حمدون القصار (۲۷۱ھ) ابو سعید الخراز (۲۷۷ھ یا ۲۸۶ھ) ابو حمزۃ البغدادی (۲۶۹ھ) سہل بن عبداللہ التستاری (۲۷۳ھ یا ۲۸۳ھ یا ۲۹۳ھ) ابو الحسین النوری (۲۹۵ھ) جنید بغدادی (۲۹۷ھ) عمرو بن عثمان المکی (۲۹۱ھ یا ۲۹۷ھ یا ۳۰۱ھ) ابو عثمان الحیری (۲۹۸ھ) ممشاد الدینوری (۲۹۹ھ) - ان بزرگون نے جن مسایل کی تلقین

کی اگر اُن مین سے ہر ایک پر فرداً فرداً نظر ڈالی جاے تو اس مضمون کا حجم بہت بڑھ جاے گا لہذا مین صرف اس قدر بیان کرون گا کہ تصوف نے تیسری صدی ہجری کے خاتمہ تک عام طور پر کیا ترقی کی اور اس ترقی کی نمایان خصوصیات کیا تھین۔ یہ ترقی دو طرح پر ہوئی۔

(۱) تصوف کے موجودہ اور رائج الوقت مسائل کو شرح و بسط کے ساتھہ مدون و منضبط کیا گیا۔

(۲) نئے مسائل اور طریقون کو رواج دیا گیا۔

(۱) تصوف نے جو اول اول خاص خاص اشخاص کا طریقہ تھا اور صوفیہ اس کا راز اپنے چیدہ چیدہ اصحاب ہی کو بتاتے تھے بتدریج ایک باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کرلی جس کا دروازہ عام لوگون کے لیے کھول دیا گیا۔ اس کے اصول کی تلقین کے لیے خانقاہین قایم کی گئین جہان مرید اپنے مرشد کی ہدایت کے بموجب زہد و ریاضت کے مراتب کی تکمیل کرتا تھا۔ اور مرشد کو مرید کی ہدایت کا کامل اور مطلق اختیار حاصل ہوتا تھا[1]۔ تیسری صدی ہجری مین تصوف نے یہ شان اختیار کرلی کہ صوفی بجاے ایک اہب عزلت گزین کے جسے لوگون کی صورت سے نفرت ہو ایک شیخ کامل اور ملہم من اللہ ہادی کی شکل مین ظاہر ہونے لگا جسکے گرد خاص خاص روحانی تفریحون مین مریدان باصفا کا حلقہ جمع ہوتا تھا۔ بایزید بسطامی کا یہ قول کہ جس شخص کا کوئی پیر نہ ہو اُس کا پیر شیطان ہے۔ رسالہ قشیریہ غالباً مذہب شیعہ کے اوس مشہور و معروف اصول سے تعلق رکھتا جس کی تلقین اول اول عبداللہ ابن سبا نے کی تھی اور جرمن مستشرق دلہاسن کا یہ قول کہ

[1] بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید۔ کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا ایڈیٹر

"شیبہ کی عبادت الٰہی فی الواقع انسان کی عبادت تھی"
زمانہ مابعد کے ایرانی صوفیوں پر صادق آتا ہے۔ چنانچہ جلال الدین رومی کا
خیال شمس تبریز کی نسبت بھی یہی تھا۔ صوفیہ کو مورد فضل ربانی وسطرح
موہبت یزدانی ہونے کا ادعا ابتدا ہی سے تھا چنانچہ معروف کرخی کا مقولہ
فاقسم علیہ بی مشہور ہے اور ذوالنون مصری کا یہ قول تھا کہ سچا مرید وہ ہے
جو اطاعت گزاری میں اپنے مرشد کو خود باری تعالیٰ پر بھی ترجیح دے۔ (تذکرۃ الاولیا)
اس زمانہ کے شیوخ متصوفین کے اقوال میں طریقہ صوفیہ کے اصول و
نکات کو مدون و مرتب کرنے کا رجحان جا بجا پایا جاتا ہے۔ مرید کو جادہ پیمائے
سلوک ہونے کے لیے مختلف مقامات کا طے کرنا لازمی تھا۔ اور ہر مقام
ایک خاص حالت کو ظاہر کرتا تھا یحییٰ بن معاذ الرازی (م ۲۵۸ھ) کا قول ہے:۔
"جب تم کسی شخص کو امر بالمعروف میں منہمک پاؤ تو سمجھ لو کہ اُس کا مقام
مقام زہد ہے۔ اور جب یہ دیکھو کہ وہ آیات اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے تو جان لو
کہ اُس کا مقام مقال ابدال[۵۱] ہے۔ اور جب یہ دیکھو کہ وہ باری تعالیٰ کے فیضان
کی شرح کرتا ہے تو یقین مانو کہ اُسکا مقام مقام عشاق ہے۔ اور جب یہ دیکھو
کہ وہ مشغول ذکر ہے تو پہچان لو کہ اُس کا مقام مقام عارفین ہے[۵۲]۔ احمد بن القصار
(م ۲۷۱ھ) نے نیشاپور میں فرقہ ملامتیہ قایم کیا تھا جس کا دوسرا نام قصاریہ ہے۔ یہ
لوگ اپنے صدق و خلوص اور یزدان شناسی کا ثبوت اس طرح دیتے تھے
کہ ظاہر میں اپنی وضع رندانہ بنائے رکھتے تھے[۵۳]۔

---

[۵۱] صوفیہ کے مدارج میں ابدال ایک خاص درجہ ہے جس سے اونچا درجہ قطب کا ہے۔
ابن خلدون کے قول کے مطابق ابدال کا درجہ صوفیوں میں وہی ہے جو شیعوں میں
نقبا کا ہے۔ [۵۲] تذکرۃ الاولیا [۵۳] نفحات الانس۔ تذکرۃ الاولیا۔ صوفیوں کے

سری السقطی (۲۵۳ھ) کی نسبت روایت ہے کہ بغداد مین اول اول اونہین نے حقایق و توحید کے معارف بیان کیے[۱]۔ سب سے اول جس شخص نے منبر پر چڑھ کر تصوف پر خطبہ دیا وہ یحیی بن معاذ الرازی (۲۵۸ھ) تھے[۲] جن کی تقلید بغداد مین ابو حمزہ بغدادی (۲۹۷ھ)[۳] نے کی۔ جامی نے نفحات الانس مین لکھا ہے کہ جنید (۲۹۷ھ) نے جو تصوف کی تلقین خفیہ طور پر سردابون یعنی زمین دوز مکانون مین کرتے تھے۔ اس فن کے اصول کی تنظیم و تشریح بدایعہ تحریر کی اور شبلی (۳۳۴ھ) نے اسے مباحث عامہ کا موضوع بنا دیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ متوکل باللہ کے سریر آرائے خلافت ہونے پر جب راسخ الاعتقاد جماعت کا زور ہوا تو طریقہ صوفیہ کی اتنی شدت سے مزاحمت نہین کی جاتی تھی جتنی عقاید معتزلہ کی۔ البتہ ذوالنون مصری کو علما نے زندیق قرار دیا اور وہ دربار خلافت مین طلب کیے گئے لیکن جب انہون نے ایک تقریر کی جس کے حرف حرف سے صدق و صفا کی بو آتی تھی تو متوکل پر یہان تک اثر ہوا کہ اُس نے شیخ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ دربار سے رخصت کیا[۴]۔ خود جنید پر ایک سے زیادہ مرتبہ ملحدانہ عقیدہ رکھنے کا الزام لگایا گیا اور نفحات الانس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد مین حکومت صوفیون کے یہان تک درپے آزار ہوگئی کہ ابو سعید المحراز (۲۸۶ھ) ہجرت کرکے مصر چلے گئے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۔ دوسرے فرقے طیفوری۔ خرازی اور نوری ہین۔ جو علی الترتیب بایزید بسطامی ابوسعید المحرازی اور ابوالحسین النوری کے پیرو ہین۔

[۱] تذکرۃ الاولیا
[۲] تذکرۃ الاولیا
[۳] ابوالمحاسن
[۴] ابن خلکان

تیسری اور چوتھی صدی کے صوفیہ نے طریقہ صوفیہ کو نظری اور عملی اعتبار سے کامل طور پر مدون و منضبط کر لیا تھا لیکن نہ اونہین فلسفہ سے ذوق تھا اور نہ مسائل مابعد الطبیعیات سے کسی قسم کی دلچسپی تھی۔ اسی لیے زمانہ مابعد کے متصوف نے فارابی بوعلی سینا اور غزالی کی وساطت سے جو فلسفیانہ اصطلاحات اشراقیین جدید سے مستعار لین ہین اُن سے یہان کوئی سروکار نہین۔ البتہ صوفیون کی اشارت آمیز عبارت کے متعلق اس مقام پر کچھہ ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا۔[۱] اس کا سراغ ہمین ابتدا ہی سے ملتا ہے داؤد الطائی (۱۶۵ھ) کی نسبت روایت ہے کہ ایک درویش نے اُنہین مسکراتے دیکھہ کر پوچھا کہ اے ابوسلیمان تم ایسے خوش کیون نظر آتے ہو۔ اُنہون نے جواب دیا کہ ساقیان بزم قضا و قدر نے علی الصباح مجھے اُس شراب کا پیالہ بھر کر عنایت کیا تھا جسے شراب انس کہتے ہین لہذا آج یہ اُسی کا جلسہ ہے اور مین نے اپنے تئین وقف عشرت کر دیا ہے۔[۲] رابعہ (۱۳۵ھ یا ۱۸۰ھ یا ۱۸۵ھ) سے جو اقوال منسوب کیے گئے ہین اون مین عشقیہ اشارات جابجا پائے جاتے ہین جیسا کہ اُس فقرے سے واضح ہوگا جس کا

---

[۱] تذکرۃ الاولیا مین لکھا ہے کہ ابن عطا (۳۰۹ھ) سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ صوفی کس واسطے غیر معمولی اور نرالے الفاظ مین اظہار مدعا کرتے ہین۔ ابن عطا نے جواب دیا کہ تصوف کو چونکہ ہماری نظرون مین بہت بڑی وقعت ہے لہذا ہم نہین چاہتے کہ بجز صوفیون کے اور کوئی اس فن کے نکات و رموز سے واقف ہو۔ اور چونکہ ہماری یہ خواہش نہین ہے کہ ہم اپنا عندیہ ظاہر کرنے کو لیے معمولی اور پیش پا افتادہ عبارت استعمال کرین لہذا ہم نے ایک خاص زبان ایجاد کر لی۔ [۲] تذکرۃ الاولیا۔

قشیری[1] اس بیشتر ابوسلیمان الدارانی (۲۱۵ھ) کے اقوال سے کیا گیا ہے اور اس کے بعد تو اس قسم کی تشبیہات و اشارات کا استعمال عام ہوگیا۔ حاتم بن الاثم (۲۳۷ھ) سے منقول ہے کہ صوفیہ کی چار موتیں ہوتی ہیں۔ موت ابیض یعنی بھوک۔ موت اسود یعنی تحمل مصائب۔ موت احمر یعنی نفس کشی اور موت اخضر یعنی ایسے خرقہ کا استعمال جس میں ہمیشہ پیوند اور چیتھڑے لگتے رہتے ہوں[2] لیکن وہ خاص شاعرانہ طرز ادا جسے خراسان کے مشہور صوفی ابوسعید بن ابی الخیر (۴۴۰ھ) نے آگے چلکر عام طور سے رواج دیا اول اول اپنی نرالی ادا کے ساتھ بایزید بسطامی (۲۶۱ھ) کے اقوال میں نظر آتا ہے۔ جب یحییٰ بن معاذ الرازی نے بایزید کو لکھا کہ میں شراب محبت الٰہی کا پیالہ بھرا ہوا پی کر مست ہوگیا ہوں تو بایزید نے جواب دیا "ایک اور شخص ایسا ہے جو زمین اور آسمان کے حلقہ میں سما چکا ہے لیکن ابھی پیاسا ہے اور کہتا ہے کہ پینے کو کیا اب کچھ بھی نہیں ہے"[3] اسی قسم کی چند نمایاں مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

"میں ذکر سے نکل کر جنگل کا رستہ لیا۔ باران محبت برس کر تھم چکا تھا۔ اور زمین گیلی تھی۔ جس طرح آدمی کا پاؤں کیچڑ میں دھنس جاتا ہے اسی طرح میرا پاؤں شوق محبت میں ہو رہا تھا"[4]

ایک دن حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے بایزید نے ہونٹ چوس کر کہا: "میں شراب بھی ہوں شراب بھی اور ساقی بھی"[5]

"کچھ سنتے بھی ہو کہ ندی سے بہتے پانی کی آواز کیونکر آتی ہے لیکن ندی جب سمندر میں جا ملتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے اور سمندر نہ اوسکے

---

[1] رسالہ قشیریہ
[2] رسالہ قشیریہ
[3] تذکرۃ الاولیا
[4] تذکرۃ الاولیا

ملنے سے بڑھتا ہے اور نہ اُس کے نکل جانے سے گھٹتا ہے۔[۵۱]

"خواہش عشاق کی سلطنت کا دارالحکومت ہے۔ اس دارالحکومت مین رنج و فراق کا ایک تخت بچھا ہوا ہے۔ خوف جدائی کی ایک تلوار سنتی ہوئی ہے۔ امید کا ہاتھ نرگس وصال کی ایک شاخ کی طرف بڑھا ہوا ہے اور ہر دم یہ تلوار ہزارون گردنین اوڑا رہی ہے۔ سات ہزار سال گزر چکے ہین لیکن ابھی تک یہ شاخ نرگس تر و تازہ ہے اور کسی کی امید کا ہاتھ اُس تک نہین پہنچا۔"[۵۲]

(۲) جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے قریب قریب تمام صوفیہ عقاید کا سراغ ذوالنون مصری اور اُن صوفیہ کی تعلیم مین مل سکتا ہے جو بلافصل اُن کے پیش رو تھے۔ اس مین شک نہین کہ عہد قدیم کے یہ متصوفین وجد اور فنا کے تصور سے ناآشنا نہ تھے لیکن اُس عقیدہ کو جو تصوف کی تاریخ مابعد مین راس العقاید ہو گیا وضاحت و صراحت کے ساتھ اُنھون نے بیان نہین کیا۔ لفظ فنا کا اول اول جس صوفی نے استعمال کیا وہ مشہور ایرانی صوفی بایزید بسطامی تھے جو غالباً اس عقیدہ کے بانی ہین۔[۵۳] ابو یزید طیفور بن عیسی بن آدم بن سروشان[۵۴] بسطام مین پیدا ہوئے تھے جو مصنافات قہستان سے ہے اور بحیرہ اخضر کے جنوبی و مشرقی گوشہ مین واقع ہے اُن کا دادا آئین زردشتی کا

۵۱ تذکرۃ الاولیا ۵۲ تذکرۃ الاولیا ۵۳ جامی نے نفحات الانس مین لکھا ہے کہ اول اول ابوسعید الخراز نے فنا و بقا کا ذکر کیا۔ ۵۴ ابن خلکان اور قشیری اور جامی نے اُن کا یہی نام لکھا ہے لیکن یاقوت کہتا ہے کہ اُن کا صحیح نام ابو یزید طیفور بن عیسے بن سروشان ہے اور ابو یزید طیفور بن عیسی بن آدم کے ساتھ اُسے مخلوط نہ کرنا چاہیئے جو البسطامی الاصغر کے لقب سے مشہور ہے۔

پیرو تھا اور تصوف مین اون کا پیر ایک کرد تھا۔ بایزید اول اول اصحاب الرائے مین سے تھے لیکن بعد مین اون کے عقاید مین انقلاب پیدا ہوگیا چنانچہ جامی نے نفحات الانس مین لکھا ہے کہ " وے از اصحاب راے بودہ لکن وے را ولایتے کشادکہ مذہب دران بدید نیامد "۔ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیا مین جو اقوال بایزید سے منسوب کیے ہین اگر وہ صحیح سمجھے جائین تو معلوم ہوگا کہ بایزید نہ صرف ملامتیہ عقاید کے بموجب مسلک ہمہ اوست کا نہایت غلو کے ساتھ اتباع کرتے تھے اور اس لحاظ سے حسین بن منصور حلاج کے پیش رو تھے بلکہ مبداء فیاض سے اُن کو زبردست دل و دماغ عطا ہوا تھا اور غوامض حقیقت کے دریا کی غواصی مین وہ عطار اور جلال الدین رومی سے کسی طرح کم نہ تھے ہم نہین کہہ سکتے کہ ان کے تذکرہ نویسون نے ان کے جو اقوال جمع کئے ہین وہ کس حد تک واقعی ہین اور کس حد تک فرضی۔ شیخ عبداللہ انصاری ہروی (سنہ ۴۸۱ھ) کا بیان ہے کہ "بایزید فرادان در وعنہا بستہ اند۔ یکے آنست کہ وے گفت ستدم خیمہ زدم برابر عرش"[1]۔ یہی روایت بایزید کی معراج کی حکایت کی ماخذ ہے جسکو عطار نے بالتفصیل تذکرۃ الاولیا مین درج کیا ہے۔ ابن خلکان کی راے مین بایزید کی وقعت ایک صومعہ نشین راہب سے زیادہ نہین لیکن قشیری۔ عطار اور جامی نے اون کے جو حالات بیان کیے ہین ان کی تصدیق اُس معلومات سے ہوتی ہے جو ہمین بایزید کے ایرانی الاصل اور مجوسی النسل ہونے کے متعلق حاصل ہے۔ ایرانی تصوف مین بایزید کو جو غیر معمولی شہرت حاصل ہے اُسکی وجہ اگر میرا قیاس زیادہ غلطی نہین کرتا تو محض یہ ہے کہ وہ خود خالص ایرانی نژاد تھے اور اپنے ہموطنون کے مذہبی جذبات و رجحانات

[1] نفحات الانس۔

کے مظہر اتم ہونے کی قابلیت رکھتے تھے اول اول انہین نے تصوف مین عقیدۂ ہمہ اوست کا وہ غلو آمیز عنصر شامل کیا جو ساسانیون کے دور مین بھی عام طور سے ایران مین رائج تھا یہ عنصر جو ایران و ہندوستان کے متفقہ تخیل کا نتیجہ ہے اہل مشرق سے ویسا ہی مخصص ہے جیسا کہ قدیم متصوفانہ رجحانات یونانی تخیل کا لازمہ تھے[۱]۔

اب مین بعض اُن اقوال کا ترجمہ درج کرتا ہون جو بایزید بسطامی سے منسوب کئے گئے ہین اور جن سے ذیل کے تین امور پر روشنی پڑتی ہے:-
(۱) مسئلہ فنا (۲) مسلک ہمہ اوست مین اُن کا غلو (۳) اُن کا شاعرانہ تخیل

(۱) مخلوقات حزور تابع احوال ہے لیکن عارف پر کوئی حالت طاری نہین ہوتی کیونکہ اُسکے اثرات مٹ جاتے ہین اور اُس کے جوہر کو ایک دوسری ہستی کا جوہر فنا کر دیتا ہے اور اُس کے آثار دوسرے کے آثار مین مل کر نابید ہو جاتے ہین[۲]۔

---

[۱] صوفیہ کی خانقاہون مین ایک حد تک بدھ مذہب کی خانقاہون کی شان نظر آتی ہے۔ چنانچہ علامہ جاحظ (۲۵۵ھ) اپنی مشہور تصنیف کتاب الحیوان مین ایک مقام پر "رہبان الزناوقہ" کا حال لکھتے ہوئے بیان کرتے ہین کہ یہ راہب دو دو مل کر سفر کرتے ہین اور کبھی دو رات سے زیادہ ایک مقام پر نہین ٹھہرتے اور اپنے نفس سے عہد کرتے ہین کہ پاک و عاف زندگی بسر کرین گے پاک دامن رہین گے۔ سچ بولین گے اور مفلس رہین گے ایک لطیفہ بھی جاحظ نے دو راہبون کے متعلق بیان کیا ہے جو اہواز مین داخل ہوئے تھے۔

[۲] رسالہ قشیریہ

مین خدا سے خدا کی طرف گیا یہان تک کہ وہ (ملکات جو میرے اندر تھے) پکارے کہ "اے تو کہ مین ہون" یعنی مجھے مقام فنا فی اللہ حاصل ہوگیا۔[1]

تیس سال تک باری تعالیٰ میرا آئینہ تھا۔ اب مین خود اپنا آئینہ ہون یعنی جو کچھ مین تھا اب نہین ہون کیونکہ "انا" کہنا اور ساتھ ہی "خدا" کہنا دوئی ہے جس کی گنجایش وحدت مین مطلق نہین چونکہ مین موجود نہین ہون لہذا باری تعالیٰ خود اپنا آئینہ ہے۔ سنئے دانو! دل کے کانون سے اچھی طرح سن لو۔ اب مین کہتا ہون کہ خدا میرا آئینہ ہے کیونکہ وہ میری زبان سے بول رہا ہے اور مین تو کبھی کا فنا ہو چکا۔[2]

انسان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی بات نہین کہ وہ بے مایہ ہو۔ نہ اوس کے پاس زہد ہو نہ علم نہ عمل۔ جب وہ ایسے ہو گا تو باہمہ ہو جائیگا۔[3]

لوگون نے پوچھا:- "انسان کو کب اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اُسے حقیقی معرفت حاصل ہوگئی" بایزید نے جواب دیا "اُس وقت جب کہ وہ خدا کے علم سے اپنی خودی کو مٹا دیتا ہے اور انانیت و مخلوقیت کے پیرایہ سے عاری ہو کر خلعت بقا پہن لیتا ہے۔[4]

(۲) بیشک مین خدا ہون۔ بجز میرے اور کوئی خدا نہین پس میری پرستش کرو میری سطوت و جبروت کے کیا کہنے مین ہون! مین ہون

---

[1] تذکرۃ الاولیا
[2] تذکرۃ الاولیا
[3] تذکرۃ الاولیا۔
[4] تذکرۃ الاولیا

اور میرا جلال و جمال ہے!"[1]

مین بایزید سے اس طرح نکلا جس طرح سانپ کینچلی سے پھر مین نے ہر طرف نظر ڈالنی شروع کی دیکھتا کیا ہون کہ عاشق معشوق اور عشق سب ایک ہین کیونکہ وجود کی وحدت مین سب کچھ ایک ہو سکتا ہے[2]

ایک دفعہ لوگون نے سوال کیا "عرش کیا ہے؟" جواب دیا۔ "مین ہون" پھر دریافت کیا "کرسی کیا ہے؟" کہا "مین ہون" پھر پوچھا "لوح و قلم کیا ہین؟" کہا "وہ بھی مین ہی ہون"[3]

(۳) روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی نے بایزید سے پوچھا کہ یہ درجہ تمہین کیونکر حاصل ہوا اور کس ذریعہ سے تم اس مرتبہ پر فائز ہوئے انہون نے جواب دیا۔ "ایک دن رات کے وقت عالم طفلی مین مین بسطام سے باہر نکلا چاند بصد آب و تاب چمک رہا تھا اور ہر چیز پر خاموشی کی حالت طاری تھی مین نے ایک ہستی کو جسکا وہ گنبد دیکھا جسکے مقابلہ مین اٹھارہ ہزار دنیا مین ایک ذرہ کے برابر نظر آتی تھین۔ مین نے پوچھا یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے کہ اس زیب و زینت کی محفل ہو اور ایسی سونی پڑی ہوئی ہو۔ ایسے شاندار طاق و رواق ہون اور اس درجہ ویران نظر آئین اس سوال کے جواب مین آسمان سے ایک آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی کہ محفل خالی ہے نہ اسلیے کہ کوئی آتا نہین بلکہ اس لیے کہ ہم نہین چاہتے کہ لوگ اس دربار مین بار پائین کیونکہ ہر شخص منعم ہو ہوئے بغیر یہان آنے کا

---

[1] تذکرۃ الاولیا۔ [2] تذکرۃ الاولیا [3] تذکرۃ الاولیا۔

اہل نہیں"[1]

بارہ برس تک مین نے اپنی روح کی حدادی کی - اول مین نے
اسے ریاضت کی بھٹی مین ڈال کر آتش مجاہدہ مین جلایا پھر مطاعن کے
سندان پر رکھ کر اسے ملامت کے ہتوڑے سے کوٹا یہان تک
کہ مین نے اسے آئینہ بنا دیا - پانچ سال تک مین اپنا آئینہ آپ بنا
رہا اور اسے انواع و اقسام کے زہد و عبادت سے جلا دیتا رہا - پھر ایک
سال تک مین اپنے وجدان کا حلقہ بگوش رہا
مین نے دیکھا کہ میرے گلے مین عجب و نخوت خودستائی و تفاخر اور
غرور زہد و اتقا کا زنار پڑا ہوا ہے - اس لیے پھر مین پانچ سال تک
اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا رہا - یہان تک کہ وہ زنار کٹ گیا اور مین
از سر نو دائرہ اسلام مین داخل ہوا - پھر جو مین نے دیکھا تو معلوم
ہوا کہ تمام مخلوقات کی جان جسم سے نکل چکی ہے - مین نے ان پر
چار تکبیرین پڑھین اور ان کے جنازہ سے لوٹ کر مخلوقیت کا جامہ
اُتار پھینکا اور خدا ہی کی مدد سے خدا تک پہونچ گیا[2]

[1] تذکرۃ الاولیا - [2] فنائی اللہی کی یہ شاعرانہ تصویر امام قشیری نے اپنے رسالہ مین یون
کھینچی ہے :-

قال ابو یزید کنت ثلثی عشرۃ سنۃ جاد نفسی وخمس سنین
کنت مراۃ قلبی وسنۃ انظر فیما بینہما فاذا فی وسطی زنار ظاھر
فعملت فی قطعہ ثلثی عشرۃ سنۃ ثم نظرت فاذا فی باطنی زنار
فعملت فی قطعہ خمس سنین انظر کیف اقطعہ فکشف لی فنظرت
الی الخلق فرایتہم موتی فکبرت علیہم اربع تکبیرات -

بایزید اور ابوسعید الخراز کو چھوڑ کر تیسری صدی ہجری کے اور جتنے صوفیہ ہیں وہ مسئلہ فنا کو حتی الوسع پردہ ہی میں رکھتے ہیں اور مسلک ہمہ اوست کے اوس پہلو سے جو کسی شرط سے مشروط اور کسی قید سے مقید نہیں ہمیشہ اجتناب کرتے ہیں۔ اُن کی تمنا سے دلی یہ ہے کہ اسلام اور تصوف میں تطابق و توافق پیدا کریں اور شریعت اور طریقت کے پلوں کو مساوی رکھیں۔ اور اگرچہ اس کوشش میں اونہیں کامیابی نہیں ہوئی پھر بھی وہ اس ضرورت کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خالص اسلامی عقاید کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ بایزید اور اوسکے پیرو طیفوری اپنی گفتار و کردار کے لحاظ سے مست الست تھے لیکن اسی زمانہ کے بہت سے صوفیہ جنید بغدادی کے ہمصفیر ہو کر مستی پر ہوشیاری کو ترجیح دیتے تھے۔ اس امر کا اعلان علی رؤس الاشہاد کر دیا گیا تھا کہ صرف متصوفانہ تخیل بلکہ احساسات روحانی و مقامات طریقت کا معیار بجز قرآن و سنت نبوی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ طریقہ صوفیہ کا جزو اعظم زہد و ریاضت اور روحانیت و اخلاق قرار دیا گیا تھا۔ سہل بن عبد اللہ تستری کا قول ہے کہ ہمارے اصول چھ ہیں:۔

(۱) کلام اللہ سے استناد (۲) جناب رسالت مآب صلعم کی تقلید

(۳) اکل حلال (۴) لوگوں کو ایذا نہ دینا خواہ ہمیں اون سے کیسی ہی تکلیف کیوں نہ پہونچے۔

(۵) جو چیز کہ شارع نے حرام کر دی ہے اوس سے بچنا۔

(۶) اپنے فرایض کو بلا تامل انجام دینا[۵]۔ جنید کا قول ہے کہ ہم نے تصوف مناظرہ سے نہیں حاصل کیا بلکہ بھوکے پیاسے رہ کر دنیا کو چھوڑ کر زنجیر علایق توڑ کر اور

---

[۵] تذکرۃ الاولیا۔

کتب خانہ

لوگون کی نظرون مین جو چیزین اچھی ہین اون سے مونہہ موڑ کر[1] لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تسلیم کرلی گئی تھی کہ جب صوفی جادہ سلوک کے طے کرنے کے بعد معرفت ذات باری کی منزل پر جا پہونچتا ہے تو اوس کے اقوال و افعال مقدس ہو جاتے ہین اور شریعت کے باطن سے تطابق تام رکھتے ہین خواہ ظاہر مین اس کے مخالف ہی کیون نہ ہون اسی لیے کہا گیا ہے کہ مراد کی ریاکاری مرید کے صدق و خلوص سے افضل ہے[2]۔

جن امور سے مین نے اوپر بحث کی ہے اون کا لب لباب حسب ذیل ہے

(۱) راضی بہ رضائے الٰہی اور جستجوئے کنہ ذات باری کے معنون مین تصوف اُن راہبانہ و زاہدانہ رجحانات کا ماحصل تھا جو اسلام مین بہ زمانہ حکومت بنو امیہ پیدا ہو گئے۔

(۲) یہ رہبانیت اگرچہ مسیحی اثرات سے آزاد نہ تھی لیکن بہ حیثیت مجموعی اسے اسلام کا ماحصل قرار دیا جا سکتا ہے اور جو تصوف اس سے پیدا ہوا وہ بھی اسلامی الاصل ہے۔

(۳) دوسری صدی ہجری کے خاتمہ پر تخیل کی ایک نئی رو تصوف مین دوڑنا شروع ہوئی۔ یہ خیالات جو غیر اسلامی ہین اور بلحاظ نوعیت مسیحی تصوف سے تعلق رکھتے ہین معروف کرخی (سنہ ۲۰۰ھ) کے اقوال مین پائے جاتے ہین۔

(۴) تیسری صدی ہجری کے نصف اول مین ان خیالات کو بہت ترقی ہوئی اور وہ طریقہ صوفیہ کا جزو اعظم بن گئے۔

(۵) جس شخص نے عقاید صوفیہ کو مستقل طور پر مدون و منشکل کیا وہ ذوالنون مصری (سنہ ۲۴۵ھ) تھا۔

---

[1] رسالہ قشیریہ [2] رسالہ قشیریہ

(۶) جن تاریخی حوالی میں ان عقاید کا اُٹھان ہوا اون سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی تصوف کا ماخذ فلسفہ یونان ہے۔

(۷) تصوف کا سراغ فلسفہ اشراقیہ جدید اور مذہب اوریہ میں ڈھونڈنا چاہیئے۔

(۸) جس طرح تصوف کا وہ عنصر جو جستجو سے کہ ذات باری سے تعلق رکھتا ہو یونانی ہے اسی طرح بہہ ادست کے وہ انتہائی خیالات جو بایزید بسطامی (۲۶۱ھ) کی وجہ سے اس میں اول اول آئے ایرانی یا ہندی ہیں۔ مسئلہ فنا غالباً نروان سے ماخوذ ہے جو مذہب بدہ کا رکن اعظم ہے۔

(۹) تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر طریقہ صوفیہ کی باقاعدہ طور پر تدوین و تنظیم ہوئی۔ خانقاہیں بن گئیں۔ پیری و مریدی ہونے لگی۔ اس طریقہ کے اصولوں کا درس دیا جانے لگا۔ اس کے قواعد و آداب مقرر ہو گئے اور اس امر کا ثبوت بہم پہونچانے کے متعلق پیہم کوششیں کی جانے لگیں کہ تصوف آیت و حدیث پر مبنی ہے۔

تصوف کے اس تاریخی نشو و نما کو بالاختصار بیان کرنے کے بعد اب میں الفاظ صوفی و تصوف کی اون تعریفات کو سپرد قلم کرتا ہوں جن کا میں نے اس مضمون کی ابتدا میں حوالہ دیا ہے۔

(۲)

تعریفات مندرجہ ذیل کی فہرست جو رسالہ قشیریہ۔ تذکرۃ الاولیا۔ اور نفحات الانس کے اقتباسات سے مرتب کی گئی ہے بہمہ وجوہ کامل و مکمل ہے۔ البتہ چند تعریفات جو دور آخر سے تعلق رکھتی ہیں اور چندان دلچسپ بھی نہ تھیں اور نیز چند ایسی تعریفات جن کے مصنفوں کا نام نہیں معلوم ہو سکا ہے اس میں درج نہیں کی گئیں۔ فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ معروف کرخی (۲۰۰ھ) کی پہلے تعریف اور ابو سعید ابو الخیر (۴۴۰ھ)

کے آخری تعریف کے درمیان تقریباً ڈھائی صدیون کا زمانہ حائل ہے۔ تعریفات سبھی قسم کی ہین۔ کسی مین معرفت کا رنگ نظر آتا ہے کسی مین ہمہ اوست کی جھلک پائی جاتی ہے۔ کسی مین کوئی لطیفہ یا نکتہ درج ہے۔ کوئی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے۔ کوئی صرف ونحو سے۔ آج کل کسی کو اس مین کلام نہ ہوگا کہ لفظ صوفی صوف سے مشتق ہے جس کے معنی پشمینہ کے ہین لیکن ان تعریفات سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود صوفیہ کے نزدیک یہ اشتقاق مسلم نہین ہے کیونکہ اگر ایک صوفی نے اس لفظ کے یہ معنی لیے ہین تو بارہ نے اس کا مادہ صفا قرار دیا ہے جس کے معنی پاکیزگی کے ہین۔ بعض تعریفات عربی مین ہین بعض فارسی مین اور بعض دونون زبانون مین۔ رسالہ قشیریہ اور نفحات الانس مین سے جو تعریفات مجھے عربی مین ملی ہین وہ مین نے بجنسہ درج کردی ہین۔ تذکرۃ الاولیا مین جو فارسی تعریفین صحیح ہین وہ اگر تلاش کی جائین تو اصل عربی مین مل سکین گی۔[۱]

۵۱ معروف کرخی (۲۰۰ھ): ۔ التصوف الاخذ بالحقایق والیاس مما فی ایدی الخلایق۔ (تصوف کے معنی یہ ہین کہ حقایق کو اخذ کیا جاے اور ان باتون کو جو خلقت کے ہاتھ مین ہین چھوڑ دیا جاے)

۵۲ ابوسلیمان دارانی۔ (۲۱۵ھ): ۔ تصوف آنست کہ بروے افعال حمی رود کہ جز خداے نداند و پیوستہ با خداے بود چنانکہ جز خداے نہ داند۔

۵۳ بشر الحافی (۲۲۷ھ): ۔ صوفی آنست کہ دل صافی دارد با خداے۔

۵۴ ذوالنون مصری۔ (۲۴۵ھ): سئل ذوالنون عن التصوف فقال

---

[۱] ہم نے عربی تعریفات کا ترجمہ بھی اون کے نیچے درج کردیا ہے لیکن فارسی کے ترجمہ کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے وہ درج نہین کیا گیا۔ مدیر

ہم قوم اثروا اللہ عزوجل علی کل شی فآثرہم اللہ عزوجل علی کل شی (ذوالنون سے جب تصوف کی ماہیت دریافت کی گئی تو اونہون نے جواب دیا کہ اہل تصوف وہ لوگ ہین جنہون نے خدائے بزرگ وبرتر کو تمام چیزون پر ترجیح دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدائے بزرگ وبرتر نے اون کو تمام چیزون پر فوقیت بخشی)

۵۵ **ذوالنون مصری**:- صوفی آن بود کہ چون بگوید نطقش حقایق حال وے بود یعنی چیزے نگوید کہ او آن نہ باشد وچون خاموش باشد معاملتش معبر حال وے بود و بقطع علایق حال وے ناطق بود۔

۵۶ **ابوتراب النخشبی**:- (سنہ ۲۴۵ھ) الصوفی لا یکدر شیئا ویصفو بہ کل شی (صوفی وہ ہے جسے کوئی چیز ناپاک نہ کرسکے اور وہ خود ہر چیز کو پاک وصاف کردی)

۵۷ **سری سقطی**:- التصوف اسم ثلاث معان وہو الذی لا یطفی نور معرفتہ نور ورعہ ولا یتکلم بباطن فی علم ینقضہ علیہ ظاہر الکتاب او السنۃ ولا تحملہ الکرامات علی ہتک استار محارم اللہ۔ (لفظ تصوف کے تین معنی ہین۔ صوفی وہ ہے جس کا نور معرفت اس کے نور زہد وورع کو ماند نہ کردیتا ہو اور وہ کوئی ایسا باطنی عقیدہ نہ ظاہر کرتا ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مخالف ہو۔ اور جو کرامتین اوسے عطا کی گئی ہین اون پر اترا کر وہ خدا کے مقدس قانون کے خلاف ورزی یا اوس کا ہتک نہ کرتا ہو۔)

۵۸ **ابوحفص الحداد**۔ (سنہ ۲۶۵ھ):- تصوف ہمہ ادب است۔

۵۹ **سہل بن عبداللہ تستری** (سنہ ۲۸۳ھ):- الصوفی من یری دمہ ہدرا ولکم مباحا (صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو ہدر سمجھے اور اپنے مال واملاک کو (دوسرون کا) مال غنیمت تصور کرے۔)

۶۰ **سہل بن عبداللہ تستری**:- صوفی آن بود کہ صافی شود از کدر و پر شود

از فکر و در قرب خدائے منقطع شود از بشر و یکسان شود در چشم او خاک و زر[۱]۔

[۱۱] **سہل بن عبداللہ تستری**:۔ تصوف اندک خوردن است و با خدائے آرام گرفتن و از خلق گریختن۔

[۱۲] **ابوسعید الخراز** (۲۸۶ھ):۔ پرسیدند از تصوف۔ گفت آنست کہ صافی بود از خداوند خویش و پر بود از انوار و در عین لذت بود از ذکر۔

[۱۳] **سمنون المحب** (۲۹۷ھ)[۲]:۔ سئل سمنون عن التصوف فقال ان لا تملک شیئاً ولا یملک شیئ (سمنون سے تصوف کے معنی پوچھے گئے تو اس نے کہا تصوف یہ ہے کہ نہ کوئی چیز تیرے قبضہ مین ہو اور نہ کسی چیز کا تو پیر قبضہ ہو۔)

[۱۴] **عمر بن عثمان المکی**۔ (۲۹۱ھ):۔ سئل بن عثمان المکی عن التصوف فقال ان یکون العبد فی کل وقت مشغولا بما ہو اولی بہ فی الوقت (عمر بن عثمان المکی سے جب تصوف کی حقیقت پوچھی گئی تو انہون نے جواب دیا کہ صوفی وہ شخص ہے جو ہر وقت اُس شغل مین مصروف رہے جو اوسکے نزدیک اُسوقت سب سے اولی و انسب ہو)[۳]

---

[۱] اصل عربی عبارت سہروردی کی عوارف المعارف مین یہ ہے:۔ الصوفی من صفا من الکدر و امتلا من الفکر و انقطع الی اللہ من البشر و استوی عندہ الذہب و المدر۔

[۲] ذکریا انصاری (۹۲۶ھ) شارح رسالہ قشیریہ لکھتے ہین کہ سمنون کا تلفظ بہ ضم سین و ضم نون ہے نفحات الانس مین یہی قول رویم سے منسوب کیا گیا ہے۔

[۳] رسالہ قشیریہ مین یہ عبارت درج ہے:۔ یقولون الصوفی ابن وقتہ یرید بذلک انہ مشتغل بما ہو اولی بہ فی الحال۔ یعنی صوفی ابن الوقت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر وقت اُس شغل مین مصروف رہتا ہے جو فی الوقت اُس کے لیے سب سے زیادہ موزون و مناسب ہو۔ بالفاظ دیگر صوفی کے لیے لازم ہے کہ خدا کی قوت فاعلی کے

۵۱۵ ابوالحسین النوری (م ۲۹۵ھ):۔ لغت الصوفی السکون عند العدم والایثار عند الوجود (صوفی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ جب اوس کے پاس کچھ نہو تو وہ بیقراری نہ ظاہر کرے اور جب کچھ موجود ہو تو ایثار سے کام لے)

۵۱۶ ابوالحسین النوری:۔ صوفیان آن قوم اند کہ جان ایشان از کدورت بشریت آزاد گشتہ است واز آفت نفس صافی شدہ واز ہوا خلاص یافتہ تا در صف اول و درجہ اعلےٰ با حق بپا رامیدہ اند واز غیر اور میدہ۔ نہ مالک بودند و نہ مملوک۔

۵۱۷ ابوالحسین النوری:۔ صوفی آن بود کہ ہیچیز (ہیچ چیز) در بند او نبود واو در بند ہیچیز نہ شود۔

۵۱۸ ابوالحسین النوری:۔ تصوف نہ رسوم است و نہ علوم لیکن اخلاقی است یعنی اگر رسم بودے بمجاہدہ بدست آمدے واگر علم بودے بہ تعلیم حاصل شدے بلکہ اخلاقی است کہ تخلقوا باخلاق اللہ و تخلق خداے بیرون آمدن نہ برسوم دست دہد و نہ بعلوم۔

۵۱۹ ابوالحسین النوری:۔ تصوف آزادی است و جوانمردی و ترک تکلف وسخاوت۔

۵۲۰ ابوالحسین النوری:۔ تصوف ترک جملہ نصیبہاے نفس است براے نصیب حق

۵۲۱ ابوالحسین النوری:۔ تصوف دشمنی دنیا است و دوستی مولی۔

۵۲۲ جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ):۔ ہو ان یمیتک الحق عنک ویحییک بہ (تصوف کے معنی یہ ہین کہ باری تعالی تیری خودی کو تجھ سے زایل کر کے تجھے فنا کر دے اور اپنے مین ملا کر تجھے زندہ و باقی کر دے)

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸۔ ظہور کے لیے محض ایک انفعالی آلہ بنا ہے۔

۲۳ جنید:- ہوان تکون مع اللہ بلا علاقۃ (تصوف یہ ہے کہ دوسروں سے تعلقات منقطع کرکے خدا کا ہو رہے)

۲۴ جنید:- التصوف عنوۃ لا صلح فیہا (تصوف مجاہدہ اور مجاہدہ کا نام ہے جس میں صلح نام کو نہیں)

۲۵ جنید:- ہم اہل بیت واحد لا یدخل فیہم غیرہم (وہ (یعنی صوفی) ایک ہی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں اغیار داخل نہیں ہوتے)

۲۶ جنید:- التصوف ذکر مع اجتماع و وجد مع استماع و عمل مع اتباع (تصوف یہ ہے کہ ذکر ہو لیکن حضور قلب کے ساتھ وجد کی حالت طاری ہو لیکن آیت و حدیث کو سنکر اور عمل ہو لیکن بہ پابندی قرآن و سنت)

۲۷ جنید:- الصوفی کالارض یطرح علیہا کل قبیح ولا یخرج منہا الا کل ملیح (صوفی زمین کے مانند ہے جس پر ناپاک چیزیں پھینکی جاتی ہیں لیکن جتنی چیزیں اُس میں سے نکلتی ہیں نفیس و پاک ہوتی ہیں)

۲۸ جنید:- انہ کالارض یطوھا البر والفاجر وکالسحاب یظل کل شی وکالمطر یُسقی کل شیٔ (صوفی کی مثال زمین کی سی ہے جس پر نیک و بد سبھی طرح کے لوگ چلتے ہیں وہ بادلوں کی طرح ہے جو اپنا سایہ ہر ایک چیز پر یکساں ڈالتی ہیں اور مینھ کی طرح ہے جو ہر چیز کو یکساں سیراب کرتا ہے)

۲۹ جنید:- تصوف اصطفاست ہر کہ گزیدہ شد از ماسوے اللہ او صوفی است

۳۰ جنید:- صوفی آنست کہ دل او چون دل ابراہیم سلامت یافتہ بود از زیاد بجاے آوردہ فرمان خداے بود و تسلیم او تسلیم اسماعیل و اندوہ او اندوہ داؤد و فقر او فقر عیسیٰ و صبر او صبر ایوب و شوق او شوق موسیٰ در وقت مناجات و اخلاص او اخلاص محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم۔

۳۱ جنید:- تصوف نعتے است کہ اقامت بندہ در آنست۔ گفتند نعت حق است یا نعت خلق۔ گفت حقیقتش نعت حق است و رسمش نعت خلق۔

۳۲ جنید:- پرسیدند از ذات تصوف گفت بر تو باد کہ ظاہرش بگیری و از ذاتش نہ پرسی کہ ستم کردن بروے بود۔

۳۳ جنید:- صوفیان آنند کہ قیام ایشان بخداوند است از آنجا کہ نہ داند الا او

۳۴ جنید:- تصوف صافی کردن دلست از مراجعت خلقت و مفارقت از اخلاق طبیعت و فرو میرانیدن صفات بشریت و دور بودن از دواعی نفسانی و فرود آمدن بر صفات روحانی و بلند شدن بعلوم حقیقی و بکار داشتن آنچہ اولیٰ تر است الی الابد و نصیحت کردن جملہ امت و وفا بجاے آوردن بر حقیقت و متابعت پیغمبر کردن در شریعت[۱]۔

اس عبارت مین "مراجعت خلقت" سے مراد ہے جبلی کمزوریون کا عود کرنا۔

۳۵ ممشاد الدینوری:- (م ۲۹۹ھ):- تصوف صفاے اسرار است و عمل کردن بدانچہ رضاے جبار است و صحبت داشتن با خلق بے اختیار است۔

"صفائی اسرار" "تزکیہ قلب" "بے اختیار" کے یہان یہ معنی ہین کہ لوگون سے ملو لیکن اپنی مشیت یا قوت ارادی کو سلب کر دے۔

۳۶ ممشاد الدینوری:- تصوف تو نگری نمودن است[۲] و مجہولی گزیدن کہ خلقت نداند و دست بداشتن از چیزے کہ بکار نیاید۔

۳۷ ابو محمد رویم:- (م ۳۰۳ھ) سئل رویم عن التصوف فقال استعمال النفس

---

[۱] امام شعرانی نے یہ تعریف ابو عبد اللہ بن خفیف سے منسوب کی ہے۔

[۲] یعنی ایسا نہ ہو کہ لوگون کو معلوم ہو جاے کہ یہ درویش ہے رویم کی نسبت کہا گیا ہے کہ تمام عمر مین انہون نے اپنے آپ کو اغنیا مین چھپا دیا تھا لیکن اس مصنوعی دولتمندی کی آویزش خدا سے نہ چھپا سکے

مع اللہ تعالیٰ علیٰ مایرید۔ (رویم سے تصوف کے معنی پوچھے گیے تو انہوں نے جواب دیا کہ تصوف نفس کو باری تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دینے کا نام ہے)

۵۳۸ رویم :۔ التصوف مبنی علیٰ ثلاث خصال التمسک بالفقر والافتقار والتحقق بالبذل والایثار وترک التعرض والاختیار (تصوف تین خصلتوں پر مبنی ہے۔ فقر و ناداری کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ بذل وجود اور ایثار علی النفس کا حقیقت شناس ہونا اور مشیت ایزدی میں دم مارنے اور اپنی مرضی کا اظہار کرنے سے باز رہنا)

۵۳۹ علی بن سہل الاصفہانی :۔ التصوف التبری عمن دونہ والتخلی عمن سواہ (تصوف یہ ہے کہ خدا کے سوا اور تمام چیزوں (کے تعلق) سے بری ہو اور بجز اوس کے اور تمام چیزوں سے خالی ہو)

۵۴۰ حسین بن منصور الحلاج۔ (۳۰۹ھ) :۔ سئل عن الصوفی فقال وحدانی الذات لایقبلہ احد ولا یقبل احداً (اون سے صوفی کی تعریف پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ صوفی وہی جو ذات کے لحاظ سے واحد ہو اور نہ کوئی اوس کی طرف متوجہ ہو اور نہ وہ کسی کی طرف متوجہ ہو)

۵۴۱ ابو محمد الجریری (۳۱۱ھ) :۔ سئل ابو محمد الجریری عن التصوف فقال الدخول فی کل خلق سنی والخروج من کل خلق دنی (ابو محمد جریری سے تصوف کی حقیقت دریافت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ تصوف اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے حاصل اور ادنیٰ درجہ کے اخلاق سے گریز کرنے کا نام ہے)

۵۴۲ ابو محمد الجریری :۔ التصوف مراقبۃ الاحوال ولزوم الادب۔

۵۴۳ ابو عمرو الدمشقی (۳۲۰ھ) :۔ التصوف رویۃ الکون بعین النقص بل غض الطرف عن کل ناقص بمشاہدۃ من ہو منزہ عن کل نقص۔ (تصوف اس کا نام ہے کہ موجودات کے نقایص کو پیش نظر رکھا جاے بلکہ تمام اون چیزوں کی طرف سے

جو ناقص ہین منھ پھیر لیا جاے اور اوس کا مشاہدہ کیا جاے جو تمام نقایص سے مبرا و منزہ ہے۔)

۵۴۴ ابو بکر الکتانی۔ (م ۳۲۲ھ):۔ التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق فقد زاد علیک فی الصفاء (تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے پس جو شخص تم پر اخلاق حسنہ مین فوقیت لے جاے سمجھ لو کہ وہ صفائی قلب مین بھی تم سے بڑھ گیا)

۵۴۵ ابو بکر الکتانی:۔ تصوف صفوت است و مشاہدہ۔

۵۴۶ ابو بکر الکتانی:۔ صوفی کسے است کہ طاعت او نزدیک او جنایت بود کہ از ان استغفار باید کرد۔

۵۴۷ ابو علی الرودباری۔ (م ۳۲۲ھ):۔ التصوف الاناخۃ علی باب الحبیب وان طُرِدَ عنہ (تصوف سے یہ مراد ہے کہ تم معشوق کے دروازہ پر جاکر دھرنا دو خواہ وہان سے دھکے دے کر ہی کیون نہ نکالے جاؤ)

۵۴۸ ابو علی الرودباری:۔ صفوۃ القرب بعد کدورۃ البعد (تصوف (خدا سے) دوری کی ناپاکی کے بعد نزدیکی کی پاکیزگی کا نام ہے)

۵۴۹ ابو علی الرودباری:۔ صوفی آنست کہ صوف پوشد بصفا و بچشاند نفس را طعم جفا و بیند از دنیا را از پس قفا و سلوک کند طریق مصطفےٰ۔

۵۵۰ عبد اللہ بن محمود المرتعش۔ (م ۳۲۸ھ):۔ از وے پرسیدند کہ تصوف چیست گفت اتکال و تلبیس و کتمان۔

۵۵۱ عبد اللہ بن محمود المرتعش:۔ صوفی آنست کہ صافی شود از جملہ بلاہا و غایب گردد از جملہ عطاہا۔

۵۵۲ ابو الحسن المزین (م ۳۲۸ھ): التصوف الانقیاد للحق (تصوف حق کی حلقہ بگوشی کا نام ہے)۔

۵۵۳ ابو عبداللہ بن خفیف۔ (سنہ ۳۳۱ھ)[1]:۔ تصوف صبر است و تحت مجاری اقدار و فراگفتن از دست جبار قطع کردن بیابان و کہسار۔

۵۵۴ ابو بکر الواسطی (سنہ ۳۲۰ھ کے بعد):۔ صوفی آنست کہ سخن از اعتبار گوید و سیرِ او منور شدہ باشد بفکرت۔

۵۵۵ ابو بکر شبلی (سنہ ۳۳۴ھ):۔ التصوف الجلوس مع اللہ بلا ہم (تصوف کے معنی یہ ہیں کہ قرب خدا ہو اور کوئی فکر دامن گیر نہ ہو)

۵۵۶ ابو بکر شبلی:۔ الصوفی منقطع عن الخلق متصل بالحق کقولہ تعالیٰ واصطنعتک لنفسی قطعہ عن کل غیر ثم قال لن ترانی (صوفی خلقت سے جدا اور خالق سے ملا ہوا ہے جیسے کہ باری تعالیٰ کا قول ہے کہ "میں نے اپنے لیے تیرا انتخاب کیا" یعنی خدائے تعالیٰ نے صوفی کو دوسروں سے جدا کر دیا اور پھر یہ کہا کہ "تو مجھے نہ دیکھ سکیگا۔")

۵۵۷ ابو بکر شبلی:۔ التصوف برقۃ محرقۃ (تصوف ایک برق سوزندہ ہے۔)

۵۵۸ ابو بکر شبلی۔ الصوفیۃ اطفال فی حجر الحق۔ (صوفی بچے ہیں جنھیں خدا گود میں لیے بیٹھا ہے۔)

۵۵۹ ابو بکر شبلی:۔ ہو عصمۃ عن رویۃ الکون (تصوف اس عالم کون کی دید سے بچاے جانے کا نام ہے۔)

۵۶۰ ابو بکر شبلی:۔ تصوف آن ست کہ چنان باشد کہ آن زمان کہ بوجود نیامد بود

۵۶۱ ابو بکر شبلی:۔ تصوف ضبط قوی است و مراعات انفاس[2]

---

[1] جامی کی روایت کے بموجب قوسان کی تاریخ وفات یہی ہے لیکن امام قشیری نے سنہ ۳۷۱ھ لکھی ہے۔

[2] تسبیح پھرانے کی طرح دم کشی کا طریقہ بھی ہندی الاصل معلوم ہوتا ہے۔ بایزید بسطامی

۶۶۲ ابوبکر شبلی :- صوفی وقتے صوفی باشد کہ ہمہ خلایق را عیال خود بیند۔
۶۶۳ ابوسعید ابن العربی (سنہ ۳۴۰ھ) :- التصوف کلہ ترک الفضول (تصوف اس کا نام ہے کہ کل فضول چیزیں ترک کر دی جائیں)
۶۶۴ ابوالحسن البوشنجی (سنہ ۳۴۷ھ) :- پرسید مد از تصوف گفت کوتاہی اں است و مداومت بر عمل (امل بہ معنی امید)
۶۶۵ جعفر الخلدی (سنہ ۳۴۸ھ) :- تصوف طرح نفس است در عبودیت و بیرون آمدن از بشریت و نذر کردن بخدائے بکلیت۔
۶۶۶ ابوعمرو بن النجید (سنہ ۳۶۶ھ) :- تصوف صبر کردن است در تحت امر و نہی۔
۶۶۷ ابوعبدہ الرودباری (سنہ ۳۶۹ھ) :- التصوف ترک التکلف و استعمال الظرف و حذف التشرف (تصوف اس کا نام ہے کہ تکلف چھوڑ دیا جائے۔ نمود اختیار کیا جائے اور تبختر سے پرہیز کی جائے)
۶۶۸ ابومحمد الراجی۔ (سنہ ۳۶۷ھ) :- لایکون الصوفی صوفیاً حتی لا یقلہ ارض ولا یظلہ سماء ولا یکون لہ قبول عند الخلق ویکون مرجعہ فی کل الاحوال الی الحق تعالے (صوفی اُس وقت تک صوفی نہیں ہوتا جب تک کہ حالت یہاں تک نہ پہونچ جائے کہ زمین اوسے پناہ نہ دے آسمان اُس پر سایہ نہ ڈالے خلق خدا اُسے مردود مطرود نہ جانے اور ہر حالت میں اوس کا مرجع باری تعالیٰ ہی نہ ہو)
۶۶۹ ابوالحسن الحصری (سنہ ۳۷۱ھ) :- خلیفہ گفت تصوف چہ باشد۔ گفت آں کہ از جہاں بدوں حق بہ ہیچ چیز آرام نہ گیرد و دنیا سایہ و آں کہ کار خود با و گزارد کہ خداوند است و او خود با قضاسے خویش تولا میکند۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ چوں خداوند را یافت ہیچ چیز دیگر بار نہ گیرد۔

نوٹ بقیہ صفحہ ۲۴۔ کا قول ہے کہ عارفین کے لیے عبادت مراعات نفس (دم کشی) ہے۔ (تذکرۃ الاولیا)

۵۷۰ ابوالحسن الحصری:- صوفی آن ست که چون از آفات فانی گشت باسر آن نشود و چون ردے فراحق کرد ازان نیفتد و حوادث روزگار را در او اثر نہ باشد۔

۵۷۱ ابوالحسن الحصری:- صوفی آن ست که وجد او وجود او ست و صفات او حجاب او ست یعنی من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

۵۷۲ ابوالحسن الحصری:- صوفی آنست که او را موجود نیابند بعد از وجود خویش

۵۷۳ ابوالحسن الحصری:- تصوف صفاے دلست از کدورت مخالفات۔

۵۷۴ ابوعثمان المغربی- (سنہ ۳۷۳ھ): تصوف قطع علایق است در نفس خلایق و اتصال حقایق۔

۵۷۵ ابوالعباس النہاوندی (سنہ ۴۰۰ھ):- تصوف پنہان داشتن حالست و جاہ بذل کردن بر ہمہ دران۔

۵۷۶ ابوالحسن الخرقانی (سنہ ۴۲۵ھ)- صوفی نہ مرقع و سجادہ صوفی نہ بود و صوفی نہ رسوم و عادات صوفی نہ بود۔ صوفی آن بود کہ نہ بود۔

۵۷۷ ابوالحسن الخرقانی:- صوفی روزے بود کہ با آفتابش حاجت نہ بود و شبے کہ بماہ و ستارہ اش حاجت نہ بود و نیستی است کہ بہستیش حاجت نہ بود۔

۵۷۸ ابوسعید بن ابی الخیر (سنہ ۴۴۰ھ) شیخ را پرسیدند کہ تصوف چیست گفت آن چہ در سر داری بنہی و آنچہ در کف داری بدہی و آنچہ بر تو آید بخہی۔

ماخوذ از

ایڈیٹر

جرنل آف دی رایل ایشیاٹک سوسائٹی

آف گریٹ برٹن اینڈ آیرلینڈ

مجاز و حقیقت کی رمزین

(از یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای)

(۱)

گر بن آئی مری تقدیر سے تدبیر نہین — کیا ہوا نالے کو اس مین بھی تو تاثیر نہین
کیا تری دید سے غافل ہون کبھی دم بھر بھی — کیا مری آنکھ مین پھرتی تری تصویر نہین
مین نکلتی نہین پاتا ترے کوچے سے کبھی — پھر یہ کیا ہے جو مرے پاؤن مین زنجیر نہین
نقشِ عنوان تماشا ہی مری آنکھون مین — یہ جو عالم ہے کسی اور کی تصویر نہین
اتنی سی بات پر آمادہ مرے قتل پہ ہو — طلب بوسہ مری جان کوئی تقصیر نہین
چاہتا ہون کہ مین خود جاؤن مگر ڈرتا ہون — گر بلاؤن تو بن آئی کوئی تدبیر نہین
عین ہشیاری ہی بیہوشی و مستی عشق — مرے اس خواب کی یارب کوئی تعبیر نہین
کونسی چال ہے جس سے دسی اپنا کرون — جادۂ عشق اگر جادۂ تسخیر نہین
آتش غم کے جبھا پڑ مین کلیجے مین مرے — ورنہ سینہ مرا کچھ گلشن کشمیر نہین
کس کی صورت ہی ہر اک آئینے مین جلوہ فگن — نقشۂ غیر ہے کیا یہ تری تصویر نہین

تجھ سے صوفی کو جو کافر کہین پروا نہین شاد
کون وہ ہے کہ جو آمادۂ تکفیر نہین

(۲)

درد و فرقت سے نہو دل کی تسلی نہ سہی — گر نہین لیتے خبر تم مری دلکی نہ سہی
نالۂ غم مین بھی لذت مجھے اب ملتی ہے — نہ سہی لب پہ مرے نغمۂ شادی نہ سہی

عکس اور شخص کی نسبت تو مجھے حاصل ہے — مری صورت تری تصویر سے اچھی سہی
نہیں دیتے تسلی تو لگاؤ خنجر — یہ بھی منظور نہ ہو تم کو تو یہ بھی نہ سہی
قابل جلوہ گہ یار تو دل ہے اے قیس — گر نہیں اس میں ابھی جلوۂ لیلیٰ نہ سہی
ساتھ پارس کے جو لوہا رہے سونا ہو جائے — تم میں جو کچھ ہے نہیں مجھ میں وہ خوبی نہ سہی
تم بھی بانکے ہو ادا بھی ہو تمہاری بانکی — تم اگر بات نہیں کرتے ہو سیدھی نہ سہی
کوزہ و جام بنانے کی تو تھی خاک مری — اس کے بھی کام کی گر یہ نہیں مٹی نہ سہی
معرفت علم لدنی ہے کہوں کیا تجھ سے — واعظا گر تو سمجھتا نہیں معنی نہ سہی

اس میں بھی شک ہے تہیں کیا کہ نہیں بندۂ رب
خیر کافر ہی سہی شاد وہ صوفی نہ سہی

سید احمد حسین امجد کی کہانی

ایڈیٹر دکن ریویو کی زبانی

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مری تن میں — ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں
ہوئی ہے ماتم لوح تمامشا خانہ ویرانی — کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں

میں بڑا ہی سخت جان ہوں غرہ رمضان ۱۳۲۶ھ کی بلا انگیز تاریخ کو مجھ پر مصیبتوں اور آفتوں کا جو پہاڑ یک بیک ٹوٹ پڑا اسکے نیچے آسمان بھی پس کر سرمہ ہو جاتا مگر میں ابھی تک زندہ ہوں رود موسیٰ کی قیامت آفرین طغیانی دکن کی تاریخ میں تو ہمیشہ یادگار رہے گی لیکن میرے صفحہ دل پر اس نے رنج والم درد و کرب اور یاس و حسرت کے جو انمٹ نقش مرتسم کئے ہیں ان کی طپش کا اشتداد باوجود اس فنا کے جو ہمہ چند باقی ماندہ انفاس کا نتیجہ ہے بقا پر بھی سبقت لے جائے گا ایڈیٹر صاحب دکن ریویو

کی فرمایش ہے کہ اس ہولناک واقعہ کے متعلق جس کی یاد سے میری روح لرزتی ہے اور دماغ چکر مین آتا ہے اپنی قوت حافظہ پر ظلم اور ناظرین دکن ریویو کی لاعلمی پر رحم کرکے جو کچھ ہوسکے سپرد قلم کرون اس فرمایش کی تعمیل سے مین مطلقاً قاصر ہون اس لیے کہ نہ دماغ کام دیتا ہے نہ قلم خیال میں وہ اگلی سی رعنائی نہین اور قلم سے وہ پہلی سی روانی مفقود ہے - محض بر سبیل امتثال امر جو کچھ مجھ سے بنتا ہے وہ اُن کے اور چند احباب کے سامنے دہرا دیا - اگرچہ لکنت زدہ زبان نے اس اعادہ کا حق بھی ادا نہ کرنے دیا - ہر ہر لفظ نے زبان آبلے ڈال دیئے اور ہر ہر حرف آتشپارہ بن کر کام دھان سے جا چپٹا - ایسی حالت مین جب کہ دل ہاتھ سے جا چکا ہے اور دماغ ماؤف ہو رہا ہے مجھ سے خیالات کے تسلسل اور عبارت کی رنگینی کی توقع لاحاصل ہے - یہ کام مین ایڈیٹر دکن ریویو کے قلم کے لیے چھوڑتا ہون اور اپنی الم انگیز سرگذشت بیان کرتا ہون -

میرا مکان جس کا اب نام و نشان تک باقی نہین چمپا دروازہ کے قریب موسیٰ ندی کے جنوبی ساحل پر ندی سے کوئی سو گز کے فاصلہ پر واقع تھا اس گھر مین چار آدمیون کا ایک چھوٹا سا کنبہ رہتا تھا یعنی مین میری والدہ میری بی بی اور میری ایک چار سال کی بچی - فراخی و فرخی جو متوسل کا لازمہ ہے وہ تو مسلمانون کے طبقہ متوسط مین آج کل کسے نصیب ہوتی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگون کی گزران غریبانہ طریقہ پر اچھی طرح ہوتی تھی مین جو کچھ کماتا تھا اپنی ماں کے سامنے لا رکھتا تھا اور وہ اس سلیقہ سے اُسے خرچ کرتی تھین کہ محلہ والون پر ہمیشہ ہمارا بھرم قائم رہے اور وہ شرافت جس سے دولت چھنتی ہے شب و روز ہمارے دروازے کی پاسبانی کرتی رہی - کسب معاش کی پریشانیان گو مجھے آزردہ دل کرتی تھین اور میدان زندگی مین دوڑ دھوپ کرتے کرتے مین خستہ و ماندہ ہو جاتا تھا لیکن دن بھر کی

محنت کے بعد جب شام کو گھر آتا تھا تو یہ آزردہ دلی اور درماندگی اُن پاک خوشیون اور لے لوث مسرتون سے بدل جاتی تھی۔ جو مجھے اپنی مان بی بی اور بچی کی محبت بھری نگاہون سے ٹپکتی ہوئی نظر آتی تھین اطمینان و مسرت کا یہ زمانہ جس کی یاد میرے سینے پر سانپ بن بن کر لوٹتی ہے۔ شعبان ۱۳۲۶ھ کی آخری تاریخ کی رات کے ۸ بجے تک قایم رہا۔

تین دن سے مینہ موسلا دہار برس رہا تھا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کے دریچے کھل گئے ہین اور اُس میزاب کا سیلان جس نے نوح علیہ السلام کے زمانہ مین عراق عرب کو غارت کر دیا تھا حیدرآباد دکن کو بھی غرقاب کرنا چاہتا ہے۔ بادل جھوم جھوم کر اُٹھتا تھا اور اپنے سیاہ جال مین آفتاب کی کرنون کو جو سنہری روپہلی مچھلیون کی طرح اس مین سے تڑپ تڑپ کر نکلنے کی بے فائدہ کوشش مین مصروف تھین برابر پھانستا جاتا تھا۔ اُن پہاڑون مین سے جو نواح حیدرآباد مین جابجا اپنے اونچے سر نکالے ہوئے نظر آتے ہین کسی ایک پر چڑھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صانع قدرت نے ایک بہت بڑا پیالہ بنایا ہے جسکے اطراف یاقوت و زبرجد کے ہین اور پیندا زمرد کا ہے۔ یہ زمردین پیندا حیدرآباد ہے ناممکن تھا کہ وہ شراب جو "انزلنا من المعصرات ماء ثجاجا" کی صراحی سے اندیلی گئی تھی اور جس سے ۳۶ گھنٹے کے عرصہ مین بقدر ۱۶ انچ کی گہرائی کے آسمان کا خم خالی کر دیا گیا رنگ نہ لاتی اور اس پیالے کو چھلکا نہ دیتی سر شام ہی سے ندی لبریز ہو کر اپنے دونون ساحلون کی طرف سیل بلا کی طرح بڑھنے لگی یہ حالت دیکھ کر ہمارے محلہ مین کہرام مچ گیا لوگ اپنے اپنے گھرون کو چھوڑ پتھر گھٹی مچھلی کمان اور دوسرے مقامات کی طرف جو زیادہ بلندی پر واقع ہین بھاگنے لگے۔ لیکن بعض لوگون کا جن کے ہوش و حواس بر جاتے (اور شومی قسمت سے میرا شمار بھی

(نہین تہا) یہ خیال تہا کہ ندی جتنا چڑہنا تھا چڑہ چکی اب کوئی دم مین اُتر جائیگی
اس وقت ۸ بجے تھے اور کل محلے مین گھٹنون گھٹنون پانی چڑہ آیا تھا۔
میرے گھر مین علاوہ میرے تین متعلقین کے میرے نو دس اعزا و اقربا نے
بھی یہ سمجھ کر کہ بمقابلہ دوسرے مکانون کے یہ زیادہ محفوظ ہے آکر پناہ لی تھی
مین نے والدہ سے مشورہ کیا کہ ایسے مین جب کہ پانی ابھی سر سے نہین گزرا ہمین
بھی گھر چھوڑ کر کسی محفوظ مقام کی طرف چل دینا چاہیے یا نہین۔ لیکن توکل
نے جو اس نیک نہاد اور پاک نفس عفیفہ کی سیرت کا کل سرمایہ تہا۔ یہی جواب
دلوایا کہ موت جس سے کوئی بھاگ نہین سکتا اگر آ ہی گئی ہے تو یہان سے
جانا فضول ہے۔ اس کے علاوہ تقدیر نے جو تدبیر پر ہمیشہ ہنسا کرتی ہے ہم
سب کے پاؤن مین زنجیرین ڈال دین۔ غرض مکان کے پھاٹک کو جو پانی کے
ریلے کی تھوڑی بہت مزاحمت کر رہا تھا اپنے اور اپنے متعلقین کی سلامتی
سونپ کر مین لمحہ شماری کرنے لگا۔ پانی صحن کے اندر پنڈلیون پنڈلیون چلا آیا
تھا اسلیے ہم سب لوگ مجبور ہو کر چھت پر چڑہ گئے۔ اب پانی سیل نیا
رنگ لائی۔ محلے کے مکانات جن کی بنیادین اُسکی تواضع پر تکیہ کیے ہوے تھین
دھڑا دھڑ گرنا شروع ہوے اور اوس جنگ عناصری کو جس کی بلا آفرینی کی ضامن
رود موسیٰ کی کوہ پیکر موجین تھین ان خوفناک آوازون نے اور بھی زیادہ
مہیب کر دیا۔ بلکتے ہوئے بچے سہم گئے۔ عورتین جو کچھ دیر پہلے وقف نالہ و بکا
تھین اس نئی مصیبت سے مبہوت و بیخود ہو کر رہ گئین۔ مردون کے چہرون پر
یاس و حسرت چھا گئی۔ جو مکان میرے مکان کے سامنے تھا دیر تک سیلاب کا
مقابلہ کرنے کے بعد آخر کار بڑے زور سے گرا اور اُس پھاٹک کو جو اب تک
سینہ سپر ہو کر ہمین فنا کے گہاٹ اُترنے سے بچائے ہوئے تھا لے کر پیوند زمین

ہوگیا۔ پھاٹک کا ٹوٹنا تھا کہ پانی کا ایک زبردست ریلا زبان حال سے یہ کہتا ہوا صحن مین داخل ہوا۔

از صحن خانہ تا لب بام اندآن من
وز بام خانہ تا بہ ثریا از آن تو

صدہا مکانون کے گرنے سے بلبے کے بڑے بڑے پشتے قایم ہوگئے تھے جو اونچائی مین اون مکانون کی چھتون کے برابر تھے جو ابھی تک گرے نہ تھے۔ مین اوس امید کے سہارے جو کسی حالت مین انسان کا ساتھ نہین چھوڑتی مان اور بی بی کا ہاتھ تھامے اور بچی کو کاندھے پر اُٹھائے ہوئے ایک پشتہ پر پڑلیا اور ٹھوکرین کھاتے ہانپتے کانپتے کچھہ دیر کے بعد جس کا ایک ایک لمحہ ہمارے لیے ایک ایک برس سے کم نہ ہوگا ہم چبوترہ کی شکل کے ایک بلند مقام پر پہونچ گیے جسکی سطح پانی کی رو سے چار پانچ فٹ اونچی ہوگی۔ معلوم نہین کہ اس سلامتی کے مقام تک ہماری رسائی کس طرح ہوئی کیونکہ ہر طرف اندھیرا گھپ چھایا ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہین دیتا تھا۔ مینھہ لگاتار برس رہا تھا اور کالے بادل کے بیرحم ہاتھ نے سقف فلک پر تارون کی تمام قندیلون کو ایک ساتھہ بجھا دیا تھا۔ بہر حال جون توں کرکے ہم اس چبوترہ پر پہونچے اور سجدہ شکر بجا لائے کہ جان تو بچی۔ لیکن یہ سجدہ قبل از وقت تھا۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ ندی بلبون اُچھل رہی تھی پانی لحظہ بلحظہ بڑھتا جا رہا تھا موجون کے شور اور گرتے ہوئے مکانون کے دھماکے سے جو توپون کی گرج کے مشابہ تھا دل کی جو کیفیت ہو رہی تھی اس کی داد تصور ہی دے تو دے قلم سے تو دی نہین جاتی۔

ادھر جسم کی یہ کیفیت تھی کہ بلاشبہ اگر کاٹا جاتا تو خون کا ایک قطرہ نہ نکلتا کیونکہ

سردی سے ہاتھ پاؤں ٹھٹھر کر رہ گئے تھے اور ہر ایک عضو شل ہو گیا تھا وہ کوئی فوق العادۃ قوت ہی تھی جس کے بوتے پر ہم اتنے گھنٹوں سے اس مصیبت میں اس چبوترے پر کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی سکت باقی تھی سکت کیا تھی شمع کی اس آخری ٹمٹماہٹ کی طرح ہو تھوڑی دیر کے لیے محفل کو اپنے پھیکے نور سے روشن کر کے ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتی ہے ہمارا یہ آخری سنبھالا تھا۔ جب ہم چبوترے پر آئے تھے تو پانی ٹخنوں تک تھا لیکن جوں جوں ندی چڑھتی گئی وہ بھی بلند ہوتا گیا یہاں تک کہ جب رات کے ۲ بجے تو پانی چبوترے پر آگیا اور ہمارے رہے سہے حواس گم ہو گئے۔ پھر بھی امید جو کسی حالت میں انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتی اس موہوم سے خیال سے ہمت بندھانے کی کوشش کرتی تھی کہ پانی کوئی دم میں اتر جائے گا۔ میری والدہ اور بیوی رہ رہ کر مجھ سے پوچھتی تھیں کہ کیا پانی کے اترنے کی کوئی امید ہے اور میں ان کی تشفی کی غرض سے یہ جواب دیدیتا تھا کہ ہاں اب کوئی دم میں اتر جاتا ہے۔ تضرع اور زاری خضوع اور خشوع کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جو ہم نے اپنی ان انگنت دعاؤں میں چھوڑ رکھا ہو جو ہمارے دلوں کی طرح آج کی طوفان خیز اور مصیبت زا رات کو ہزارہا دلوں سے نکل کر باری تعالے کے آستانہ جلال سے ٹکرائی ہونگی لیکن آج کی رات شاید وہ رات تھی جبکہ رحمت اور اجابت کے دروازے بند کر دئے گئے تھے۔ کیونکہ باوجود خلوص کے اور باوجود سچائی کے کسی کی دعا مقبول نہ ہوئی۔ قہر پر قہر غضب پر غضب آفت پر آفت لوٹتی چلی گئی۔

مجھے اس خوفناک وقت میں رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ کیا وہ خدا جس نے اپنے بندوں سے اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کا وعدہ کر کے فلیستجیبوا لی کا حکم دیا ہے اپنا وعدہ بھول گیا ہے یا اپنے ارشاد کو نظر انداز کر بیٹھا ہے اور اگر کچھ

کچھ دیر کے بعد میری والدہ جن کا ایمان اس علم کا خرمندہ احسان نہ تھا جو حجاب اکبر ہے اپنی تسبیح و تہلیل سے میرے کانون کے لیے سامان ایقان نہ بہم پہونچاتی رہتین تو میرے کافر ہونے مین شک ہی نہ تھا۔

یاس و امید کی اسی ادھیڑبن مین لمحے پر لمحے اور ساعتون پر ساعتین گزرتی چلی گئین پانی ایک ایک انچ بڑھتا ہوا پاؤن سے ٹخنون۔ ٹخنون سے پنڈلیون۔ پنڈلیون سے گھٹنون اور گھٹنون سے کمر تک آپہونچا۔ اب حقیقتاً موت کا نقشہ آنکھون مین پھر گیا۔ ہم تینون نے اس خیال سے کہ بہین تو ایک ساتھ بہین۔ ڈوبین تو ایک ساتھ ڈوبین۔ ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے بچی کو جو چیر تک تحمل سے ہمارے ساتھ اس شب بلاکی ناقابل بیان مصیبتون کو برداشت کرنے مین شریک تھی اور دیر سے باوجود صحیح الحواس ہونے کے بالکل نہ روئی تھی مین نے اپنے کندھے پر جو اس وقت بجائے گوشت اور خون سے مرکب ہونے کے لکڑی کا ایک بے حس کندہ بنا ہوا تھا بٹھا رکھا تھا۔ پانی مین کھڑے کھڑے ہمین ساری رات گزر گئی تھی اور اس وقت صبح کاذب نمودار ہو رہی تھی۔ وہ صبح کاذب جس کی سیاہی ہمارے نصیبون کی سیاہی سے بھی زیادہ تیرہ و تار تھی۔ جس کا اجالا ہماری بگڑی تقدیر ہمارے پھوٹے مقدر کے حق مین خندہ دندان نما تھا۔ جس کا یہ ڈراؤنا تار و پود اوس گلیم کے بننے مین کام آرہا تھا جو بازار فنا مین بکتی ہے۔

اب پانی کمر سے بڑھ کر سینے تک آپہونچا۔

باقی آیندہ

ایڈیٹر

سب کمیٹی فراہمی چندہ برائے امداد مصیبت زدگان طغیانی رود موسیٰ

مصیبت زدگان طغیانی رود موسیٰ کی امداد کے لیے جو سرمایہ جمع کیا جارہا ہے۔ اوس کی فراہمی کے لیے علاوہ سنٹرل فلڈ ریلیف کمیٹی کی بلا واسطہ مساعی کے جن مین عالیجناب مدار المہام سرکار عالی کی ذاتی کوششون کا بہت بڑا حصہ شریک ہے ایک سب کمیٹی جس کے آنریری سکرٹری ہونے کی عزت ہمین حاصل ہے اس غرض سے قایم کی گئی ہے کہ جن جن لوگون کو ابھی تک اس سرمایہ کی اعانت کا موقع نہین ملا اون سے چندہ وصول کرنے کی تدابیر اختیار کرے سب کمیٹی کے انعقاد کو تین ہفتہ کی قلیل مدت منقضی ہوئی ہے اور اس کی عملی کارروائی کے آغاز کو دو ہی ہفتہ ہوتے ہین۔ اس مدت مین اس نے کم وبیش ساڑھے چھ ہزار روپیہ جمع کیا ہے۔ یہ رقم اگرچہ اوس مصیبت کے لحاظ سے جو ملک پر نازل ہوئی ہے کوئی حقیقت نہین رکھتی لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ پیسہ پیسہ دو دو پیسے کرکے فراہم کیا گیا ہے اور جن جن لوگون نے چندہ دیا ہے بطیب خاطر و برضا و رغبت خود چندہ کے صحیح مفہوم کو سمجھ کر دیا ہے تو اس رقم کی اہمیت بہت کچھ بڑھ جاتی ہے۔ اس رقم کے فراہم کرنے مین سب کمیٹی کو مختلف طریقے ملک کے قدیم وجدید مذاق کو پیش نظر رکھ کر اختیار کرنے پڑے۔ چنانچہ ایک طریقہ یہ تھا کہ آرایشی سامان تجارت کی ایک دکان قصبہ الوال مین جو حیدرآباد سے دس میل کے فاصلہ پر جانب

شمال واقع ہے - غرہ بہمن ۱۳۱۸ف کو لگائی گئی - الوال مین ہر سال ایک بہت بڑی جاترا کسی ہندو دیوتا سری بالاجی کی ہوتی ہے اور چونکہ یہ علاقہ عالیجناب مہاراجہ مدار المہام بہادر کی جاگیر ہے اس لیے جناب ممدوح اس زمانہ مین اکثر یہان آکر قیام فرماتے ہین اور جاترا کے کل مصارف جو کوئی آٹھہ دس ہزار روپیہ کے قریب ہوتے ہین اپنے جیب خاص سے ادا فرماتے ہین - غرض ہفتہ بھر الوال مین خوب چہل پہل رہتی ہے اور ہزارہا آدمیون کا دن رات مجمع رہتا ہے - عالیجناب مہاراجہ مدار المہام بہادر کی سرپرستی اور توجہ خاص نے دلیف شاپ کی کامیابی مین جو حصہ لیا وہ اپنی مثال آپ ہے - جن امرائے دولت کو جناب ممدوح نے دعوت ایٹ ہوم دی تھی اون سب نے بمعیت جناب ممدوح دکان مین قدم رنجہ فرما کر کچھہ نہ کچھہ مال خریدا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کمیٹی کی مجموعی آمدنی اس موقع پر دو ہزار ایکسو روپیہ ہوئی - جلسۂ ایٹ ہوم مین جب واجب الاحترام میزبان اور اوس کے عالیمقام مہمان ایک جگہ جمع تھے تو ہم نے ایک نظم جو جلدی مین اس موقع کے لیے لکھی گئی تھی پڑھکر ان اعیان دولت سے استدعا کی کہ دکان مین چل کر رونق افروز ہون - وہ نظم ذیل مین ہدیہ ناظرین ہے

تماشا مین نے دیکھا ہے بہت نیرنگ امکان کا
مرا دل آئنہ ہے گنبد گردون گردان کا

ہزارون بار کی دیکھی ہوئی ہے محفل عالم
میری آنکھون مین جلوہ ہے سبکے سازون کا

کبھی دیکھی ہے شکل نازنین ماہ درخشان کی
کبھی دیکھا ہے روئے خشمگین خورشید تابان کا

تو چہلتی بلیون دل کو کبھی پایا ہے پہلو مین
کبھی دیکھا ہے جلنا بزم تن مین مشعل جان کا

ہزارون جشن جمشیدی میری نظرون سے گزرے ہین
جھلکتا مین نے دیکھا جب کبھی جام زرفشان کا

بصیرت کی جھرکے سے مری چشم جہان بین نے
دکھایا کر و فر مجھ کو فریدون اور سلیمان کا

یہ سب کچھ دیکھ کر جو جشن مین نے آج دیکھا ہے
نہ ہوگا کبھی ہین عالم اوسکی رونق و شان کا

ہوئے ہین جمع اعیان دکن الوالی مین سارے
ہمان ہوتا ہی مجمع ہر برس کفر اور ایمان کا

مگر وہ کفر صوفی کے لیے جو مین ایمان ہے
بصیرت کو نظر آتا ہے جلوہ جسمین عرفان کا

چلے آتے ہین تیتھ کو ہزارون حسن کے پتلے
کوئی ٹیڑھا کوئی ترچھا کوئی تیکھا کوئی بانکا

نظر میلے کا جو بن لوٹتی ہے لاکھ حیلون سے
اسے دیکھا اوسے گھورا یہان تاکا وہان جھانکا

ہوا کو گرد کے مانند پیچھے چھوڑتی آئی
گمان ہوتا ہے سو سو پر یہ ہان تخت سلیمان کا

ہزارون سر کے بل اور آنکھ کی پل چل کی آئی ہین
برستا ہے یہان نیسان کسی کے لطف احسان کا

یہ رونق جس کی دم سے ہے وہ دستور معظم ہے
دکن کے مسند آرا میر محبوب علیخان کا

یمین السلطنۃ ہز اکسلنسی سرکشن پرشاد
بنا لطف و کرم جنکا ہے سرمہ چشم احسان کا

منسون سازی یہ ہے سرکار کے اقبال و دولت کی
بیابان پر یہین ہوتا ہے رہوکا صحن بستان کا

اک ادنی سا کرشمہ اونکی حشمت کا یہ رونق ہے
گلستان سے قیاس اہل نظر کرلین بہاران کا

ثوابت اور سیار آج گردون سے اتر آئے
زمین پر جگمگاتا ہے مشتری و ماہ و کیوان کا

یہ مہمان کی شان کا لگانا کچھ نہین مشکل
یمین السلطنۃ جب میزبان ہو خانخانان کا

شکوہ و شوکت و فر کا بیان جسوقت ہوتا ہے
لقب ہوتا ہے فخر الملک کا زیب اسکے عنوان کا

معین الدین خان کو دیکھکر یاد آگیا قصہ
بجھے سر آسمان جاہ رفیع القدر کی شان کا

امارت کا مرقع یہ ہے اور سالار جنگ اسمین
پتہ دیتا ہے اپنے خاندان کی شوکت و شان کا

رعایا کی مصیبت پر ان سب کا پسیجا دل
چلا ہے دردبن کر رہنما خود آج درمان کا

قدم رنجہ دکان مین گر یہ فرمائین زہے قسمت
ہمارا ہاتھ ہو اور دامن ان کے جیب و دامان کا

جانے اسکے ختم ہوتے پر جب دکان اٹھائی گئی تو مین خیال پیدا ہوا کہ یہی زمانہ گاہ گہ

کے مشہور عرس کا ہے۔ اس موقع سے بھی فائدہ اوٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ بحصول اجازت جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب سنٹرل ریلیف سکرٹری جن کی بے غرضانہ مساعی بے مثل ایثار نفس اور خالص ہمدردی بنی نوع انتظام ریلیف کی تاریخ مین ہمیشہ سونے کے حروف مین لکھی رہے گی۔ ہم سیدھے گلبرگہ پہونچے اور وہان مختلف طریقون سے چندہ فراہم کرنے مین پانچ دن تک مصروف رہے۔ مولوی محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار۔ راجہ اندر کرن بہادر اول تعلقدار اور متعدد دوسرے سرکاری و غیر سرکاری اصحاب کی ہمدردی آمیز اعانت کی بدولت یہان بھی توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی اور ساڑھے تین ہزار چندہ ہوا۔ باشندگان گلبرگہ کا ایک جلسہ بصدارت مولوی محمد یوسف الدین صاحب۔ ہفت گنبد مین منعقد ہوا تھا جس مین اغراض و مقاصد ریلیف فنڈ ہم نے بوضاحت بیان کیے تھے۔ اس موقع کے لیے بھی جلدی مین دو چار شعر ہم نے اپنی نوٹ بک مین ٹانک لئے تھے۔ وہ بھی ناظرین کرام کی خدمت مین پیش کئے جاتے ہین۔

کس سے اس گرمی ہنگامہ کا معلوم ہو راز — جس سے کیفیت سوز آج ہوئی غیرت ساز
ہدف ناوک غم ہے جگر خستہ مرا — مگر اس غم کے سرور اور طرب ہین دمساز
درد پر لذت کونین نثار آج ہوئی — دل پر درد مرا ہے مجھے سرمایہ ناز
رشک صد دانہ یاقوت ہے یک قطرہ خون — جس کی دیتے ہین شہادت مری مژگان دراز
رو کش گوہر یکدانہ ہین میرے آنسو — حقہ لوئے لالا ہے میرا سوز و گداز
آستان سجدہ گہ خیل ملایک ہے مرا — آج ہم پایہ معراج ہوئی میری نماز
کیون ہوئی آج مجھ ایسی فضیلت حاصل — کیون بڑھا ہے مرا اس درجہ شرف اور اعزاز
فیض کس کا ہے یہ بٹتی ہوئی جس سے اکسیر — جس سے محمود کے رتبہ کو پہونچتا ہے ایاز
خوشہ چین فیض ہے آج اوس کی ہوے ماوشما — جس کو بخشا ہے ارادت نے لقب بندہ نواز

حضرت خواجہ گلبرگہ کہ اس کے انوار ہر طرف آج بصد یمن ہوے جلوہ طراز
خواجہ نے مشعل اسلام جلائی جس وقت بن گیا صحن دکن روکش وادی حجاز
مضمر اس مین ہوے توحید و رسالت کے رموز داخل گرچہ بھی گیا اُس کی حقیقت مین مجاز
اوس نے سکھلایا ہمین کسب حقایق کا لزوم اوس نے جتلایا ہمین ورک معارف کا جواز
جلوہ افروز ہوا مسند عرفان پہ وہ جب دیکھتے دیکھتے آنکھون سے اُٹھا پردۂ راز
دل پگھل جاتے تھے جس وقت وہ کرتا تھا نظر نگہ ناز مین تھا اُس کے چھپا راز نیاز
وہ تواب خلد مین ہے اور زمین دلون کے دل ہوے شرک خفی بلکہ جلی سے دمساز
پردہ اوہام کتاب بھی جو اُٹھے گا کانون سے عالم قدس سے سن لین گے ہم اُس کی آواز
دردسے ہوگئے دلہاے خلایق عاری بھول تم سب گئے ایثار علی النفس کا راز

جو مصیبت مین نہ کام آے کسی کے انسان
ایسے انسان پہ ہوگا نہ ورحمت باز

ایڈیٹر

شور محشر

وہ دلگداز نظم جو مولوی ظفر علیخان صاحب بی۔ اے نے اہل حیدرآباد کے ایک عظیم الشان جلسہ مین جس کا انعقاد بہ تعمیل فرمان رحمت ترجمان حضور آصفجاہ سادس خلد اللہ ملکہٗ۔ مصیبت زدگان طغیانی رود موسی کی امداد کی غرض سے بہ صدارت صدر اعظم دولت آصفیہ ہوا پڑہی تھی ایک چھوٹی سی خوشنما کتاب کی شکل مین تیار ہے
قیمت ۴ر

مینجر دکن ریویو

غزل

دل مین شرارت اُس کی سمائی ہوئی سی ہے
کچھ آگ دشمنون کی لگائی ہوئی سی ہے

صورت عتاب کی یہ بنائی ہوئی سی ہے
او حیلہ گر ہنسی تجھے آئی ہوئی سی ہے

بادِ صبا یہ چال اُڑائی ہوئی سی ہے
یہ تو ادا کسی کی سکھائی ہوئی سی ہے

ہستی کا شور تو ہے مگر اعتبار کیا
جھوٹی خبر کسی کی اُڑائی ہوئی سی ہے

مین کس طرح فلک کے ستم کا گلہ کرون
چلتا ہے جو یہ چال سکھائی ہوئی سی ہے

شاہانِ سرفراز کا اتنا تو ہے نشان
کچھ گرد آسمان پہ چھائی ہوئی سی ہے

کچھ ایسا تفرقہ نہین اسلام و کفر مین
دونون طرف سے بات بڑائی ہوئی سی ہے

دل کش عجب طرح کی صدا اے الست تھی
کانون مین آج تک جو سمائی ہوئی سی ہے

منزل اُسے سمجھ کے کمر کھولتے ہین ہم
بستی جو ہر نون کی بسائی ہوئی سی ہے

اُس بت کی دید کو نظرِ پاک بین ہے شرط
اور آنکھ آئینہ کی لگائی ہوئی سی ہے

پہلے تو اضطراب نہ تھا دل کو اس قدر
بجلی یہ آسمان کی گرائی ہوئی سی ہے

رنگین ہے میرے قتل سے دامن بھی یار کا
تلوار بھی لہو مین نہائی ہوئی سی ہے

پانی نہ مانگا کشتۂ شمشیرِ ناز نے
افعی کے زہر مین یہ بجھائی ہوئی سی ہے

آمد ہے ظلمتِ شبِ ہجران کی دن کو آج
تاریکی آفتاب پہ چھائی ہوئی سی ہے

جلسہ تو ہو گا عید مین دورِ شراب کا
سُرخی ابھی سے چہرہ پہ آئی ہوئی سی ہے

نالے اُسی طرف مین روان آہ اُسی طرف
جانِ حزین فلک کی ستائی ہوئی سی ہے

زلفین بھی حلقہ حلقہ مین کاکل بھی پیچ پیچ
آنکھون مین وہ یہ دل مین سمائی ہوئی سی ہے

فصلِ بہار آگئی پیتے ہی ایک جام
ساقی گھٹا بھی آنکھون مین چھائی ہوئی سی ہے

سمجھو اُسے بنے ہوئے شاعر کا ہے کلام
جس شعر مین کہ بات بنائی ہوئی سی ہے

آسان ہے نظمِ ترک ملاقات خلق سے
دل مین مگر بری یہ سمائی ہوئی سی ہے

نہرامپریل مجیسٹی شی شہنشاہ بیگم چین

اس پچاس سال کے عرصے مین مشرق مین ایسے ایسے نامور عالی دماغ اُولوالعزم اور اپنے ملک کے خیرخواہ ہوگزرے ہین جن کے کامون کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ ان کی محنت رائگان نہ جائے گی۔ اور درحقیقت رائگان نہین گئی۔ جاپان کی ترقی۔ ایران کی بیداری۔ ترکی کا انقلاب۔ مصر کا جوش اور ہنچل چین کی حرکت اور ہندوستان کی جدوجہد انہین بزرگون کی محنت کا نتیجہ ہے۔ چند ہی روز کا عرصہ ہوتا ہے کہ ایشیا کے اسٹیج سے ایک اور نامور شخص اُٹھ گیا ہے۔ یہ چین کی نامور ملکہ شی ہے[1]۔ یہ عورت بھی عجیب و غریب ہوئی ہے۔ اُس نے چالیس سال تک چالیس کروڑ بندگان خدا پر اس قابلیت قوت تدبر اور طنطنہ کے ساتھ حکومت کی کہ دنیا کے بڑے بڑے مدبّر اس کے کارنامون کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اور عادہ مستقل مزاج مدبّر اور عالی دماغ ہونے کے وہ پولیٹیکل چالون مین بھی ایسی ہی ماہر تھی جیسے یورپ کے بڑے سے بڑے مدبّر۔ ایشیا مین قدیم وجدید زمانہ مین بہت سی تاجدار عورتین گزری ہین۔ لیکن ہمین اس وقت کوئی ایسا نام نظر نہین آتا جسے ہم اس نامور ملکہ کے مقابلے مین لے سکین۔ اس ملکہ کا نام چین کی تاریخ مین نہین بلکہ دنیا کی تاریخ مین ہمیشہ یادگار رہے گا۔ کیا یہ مشرق کی بیداری اور ترقی کے آثار نہین ہین؟ کیا اب بھی کپلنگ اور اس کی برادری والے یہی کہین گے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب اور مشرق مغرب کو نہین پہونچ سکتا؟

شی درحقیقت حکومت و حکمرانی کے لئے پیدا ہوئی تھی اگرچہ نہ وہ شاہی محل مین پیدا ہوئی نہ شاہانہ ناز و نعم مین پلی۔ بلکہ وہ ایک منچو خاندان سے تھی اور اُس

[1] جس کی تصویر اس دفعہ کے پرچہ کی زیب عنوان ہے۔ ایڈیٹر

شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی جس نے ایک زمانہ مین چین مین اڑہائی سو سال تک حکومت کی تھی لیکن مثل اور بدقسمت شاہی خاندان والون کے اُسے بھی فلاکت ومصیبت کا ذائقہ چکھنا پڑا۔ اس کی زندگی خاصا فسانہ ہے۔

شمی کا باپ سرکاری ملازم تھا لیکن گردش زمانہ سے تباہ ہوگیا تھا۔ یہان تک کہ نان شبینہ کو محتاج ہوکر نہایت افلاس کی حالت مین کنٹن پہنچا۔ اس وقت یہہ چار آدمی تھے یعنی شمی اُس کا باپ ماں اور ایک بھائی۔ چونکہ شمی منچو تھی اس لئے وہ پاؤن باندھنے کی تکلیف دہ رسم سے محفوظ رہی۔ وہ ایک خوبصورت اور جفاکش لڑکی تھی اور غالبًا دوسرے غریب لوگون کے بچون کی طرح وہ اپنے خاندان کے لئے لکڑیان چنتی اور گوبر اُٹھاتی ہوگی۔

۱۸۳۸ء مین جب یہ لوگ جلاوطن ہوکر کنٹن مین آئے تو اُس وقت اس کی عمر چار سال کی تھی۔ باوجود تمام محنت اور کوشش کے شمی کے والدین اپنا اور اپنے بچون کا پیٹ نہ پال سکے۔ جنوبی چین مین جہان یہ رہتے تھے جب کسی خاندان پر ایسی مصیبت آپڑتی ہے کہ وہ روٹیون تک کو محتاج ہوجاتا ہے تو نجات کی صرف ایک تدبیر ہے کہ اپنی ایک لڑکی کو بیچ ڈالین۔ اور ایک لڑکی جس کی صورت اچھی ہو ایک معقول رقم بلکہ نوٹ ہے اُن کا قول ہے کہ تم اگر اپنی لڑکی کو کھلا پلا نہین سکتے تو بہتر ہے کہ اُسے بیچ ڈالو اور اس کی آمدنی سے اپنے دوسرے بچون کا پیٹ پالو۔ کہتے ہین کہ شمی نے خود اپنے والدین سے درخواست کی کہ مناسب ہے کہ مجھے بیچ کر آپ اس تکلیف سے نجات حاصل کیجئے۔ شمی کا والد اس پر چین بجبین ہوا کیونکہ وہ شمال کا رہنے والا تھا اور خاندان منچو سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن بھوک سب سے بڑی مشیر ہے آخرکار اُسے مجبور ہوکر شمی کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچنا پڑا۔

تعجب ہے کہ اس لڑکی نے لکھنا پڑھنا کہان سے سیکھ لیا۔ کیونکہ چین مین لڑکیون کو تعلیم دینا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک لڑکی جو ہاندیون کی طرح بکی ۔ ایک ایسے اعلی رتبہ پر پہنچ گئی جسے تمام دنیا حیرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور خصوصاً چین سے ملک مین جہان اس امر کا تصور کرنا بھی غیر ممکن ہے کیونکہ اس ملک مین عورت بہت ذلیل سمجھی جاتی ہے اور اسکے حقوق بہت محدود ہین۔ ڈاکٹر سمتھ اپنی کتاب مین لکھتے ہین کہ :-

"اس مسئلہ کے متعلق چینیون کے اصول اور تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ عورت مرد سے ایسی ہی کم درجہ ہے جیسے زمین آسمان سے اور وہ مرد کے رتبہ کو کبھی نہین پہنچ سکتی۔ چینیون کے فلسفے کے مطابق موت اور برائی ین سے پیدا ہوئے جو عورت تھی۔ اور حیات ور خاہ ین کے قابو لانے سے پیدا ہوئے اور اُسے قابو مین لانے والا ینگ یعنی مرد تھا۔ اس لیئے عورت کو قبضے مین رکھنا اور اُسے کسی قسم کی آزادی نہ دینا اُن کے نزدیک قانون قدرت کے عین مطابق ہے"

عورت کی ذلت چینیون مین یہان تک ہے کہ شیر خوار لڑکیون کا مارڈالنا قتل نہین سمجھا جاتا۔ اُن کے ہان ایک ضرب المثل ہے کہ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ اور قابل سے قابل لڑکی ایک بھدے اور چوڑے پاؤن والے لڑکے کی برابری نہین کر سکتی۔ مس فیلڈ اپنی کتاب مین لکھتی ہین کہ ۶۰ چینی مائین جنھون نے ۶۳۱ بیٹے اور ۵۳۸ بیٹیان جنین اس امر کا اقبال کرتی ہین کہ اُنھون نے اُن مین سے ۱۵۸ بیٹیون کو مارڈالا۔ ایک عورت جسے نہایت بدقسمت خیال کرنا چاہیئے کہتی ہے کہ مین نے اپنی گیارہ بیٹیان مارڈالین۔

لیکن باوجود مرد کے اس قدر زور و قدرت کے وہان بھی عورتین کبھی کبھی اس ذلت وخواری سے ابھرتی ہین۔ جس کی سب سے زیادہ روشن مثال چین کی

بلکہ مرحومہ شمی ہے۔ جو ادنی درجہ سے شہنشاہیت کے رتبہ تک پہونچی اور قریبًا چالیس سال تک دنیا کے سب سے بڑے ملک پر حکومت کی۔ اور صرف حکومت ہی نہین کی بلکہ حکمرانی اور تدبر کی داد دی اور بعض ایسے موقعون پر جب کہ دنیا کی تمام مہذب سلطنتین اس کے مقابلہ پر تلی ہوئی تہین وہ اپنا بیڑا صاف نکال لے گئی۔

غرض شمی ایک نیک اور مہربان آقا کے ہاتھ بکی اور ۱۸۴۸ء تک اس کی ہان معمولی حالت مین رہی۔ ۱۸۴۸ء مین شہنشاہ ہین فون کی طرف سے اعلان دیا گیا کہ تمام منچو لڑکیان جن کی عمر پندرہ اور اٹھارہ سال کے بیچ مین ہے اور جو شہنشاہ کی دوسری بیوی ہونا پسند کرتی ہین اپنے آپ کو بمقام پیکین شہنشاہ کے محل مین حاضر کرین۔

شمی نے بھی کہین گلی مین وہ اشتہار دیکھ لیا چونکہ وہ پڑہنا جانتی تھی۔ اس لئے بہت جلد اس کے مطالب پر آگاہی حاصل کرلی۔ وہ ٹھیک اُسی عمر کی تھی اور حسب اعلان سنچو نسل کی بھی تھی۔ باقی رہا حسن سو اس کا فیصلہ بھی اس نے اپنے دل مین کرلیا ہوگا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اپنے آقا کی اجازت حاصل کی۔ اُسی اس باندی کی تجویز پر کچھ زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ چونکہ اُس کے خیالات بہت وسیع اور اس کی تمنا عجیب و غریب تھی اس لئے اُس کے آقا نے اس قسمت آزمائی کی نہ صرف اجازت ہی دی بلکہ اس مین مدد دینے کے لحاظ سے اُسے اپنی بیٹی بنالیا اور معقول سامان کے ساتھ اُسے پیکین روانہ کیا۔ اس قسمت آزمائی کے لئے وہان ہزارون امیدوار موجود تھے۔ ان سب مین سے دس لڑکیان انتخاب کی گئین جنکی نسبت ممتحنون نے یہ رائے لکھی کہ بالکل بے عیب اور اُن تمام خوبیون سے آراستہ ہین جو عورتون کے لئے ضروری ہین اور فہم و فراست مین اول درجہ کے شاہی امتحان کے گریجوایٹ کے برابر ہین۔ ان دسون مین سے سب سے بہتر شمی

خیال کی گئی۔ چنانچہ اس کو آسمان کے مقدس بیٹے یعنی شہنشاہ کے عقد کے لئے انتخاب کیا گیا۔

جب وہ شہنشاہ کے محل مین داخل ہوئی تو سترہ سال کی تھی اور بیٹی برس کی عمر مین ماں بن گئی۔ یعنی اس کے بطن سے ٹنگ جی چین کا آئندہ بادشاہ پیدا ہوا۔ اس سے اور بھی قدر و منزلت بڑھ گئی کیونکہ شہنشاہ نے اسی غرض سے دوسری شادی کی تھی۔ تھوڑے دنون تک امن و امان کے ساتھ بسر ہوئی۔ اور بڑی بیگم اور چھوٹی بیگم (یعنی شمی) بڑے محبت و پیار کے ساتھ رہین اور کسی کو محل مین شکایت کا موقع نہ تھا۔ لیکن دفعتہً سمندر مین ایک طوفان اٹھا جو ہوتے ہوتے شاہی محل تک پہنچا۔ انگریزی اور فرانسیسی فوجین چین پر حملہ آور ہوئین۔ ٹیکو کے قلعون پر گولہ باری کی گئی اور فتح و نصرت کے ساتھ پیکن پہنچین اس وقت کی بربادی اور پریشانی اور بدحواسی بیان سے باہر ہے۔ یورپین فوج کے طیش و غضب کی آگ سے پناہ لینے کے لئے بادشاہ بے سروسامان نہایت پریشان اور مایوسی کے ساتھ شمی اور چھ سال کے بچے کو ہمراہ لے گھر چھوڑ کر بھاگا اور شکارگاہ جیہو کے مکان مین پناہ گزین ہوا۔ یہ فلک زدہ لوگ شہر سے نکلے ہی تھے کہ فاتح فوجون نے شاہی محل کو لوٹ کھسوٹ کے پامال و برباد کر دیا۔

جنرل گارڈن جو اس وقت سالٹرن کے عہدے پر تھا موقع پر موجود تھا۔ اس نے اپنے خطوط مین اس دردناک واقعہ کو اس الفاظ مین بیان کیا ہے۔

"اس بری سلوک کی وجہ سے جو قیدیون کے ساتھ شاہی محل مین کیا گیا تھا جنرل نے اس محل کو بالکل مسمار کرنے کا حکم دیا اس لئے ہم نے اسے خوب لوٹنے کے بعد آگ لگا دی اور اس کے نہایت بیش بہا اسباب جو دس کروڑ روپیہ مین بھی نہیں نہین ہو سکتا تھا نہایت وحشیانہ طور سے غارت کر دیا۔ یہان کی لوگ بہت خوش اخلاق

ہین لیکن مین خیال کرتا ہون کہ امرا ہم سے نفرت کرتے ہین۔ ایک ایسی حرکت کرنے کے بعد اُنھین نفرت کرنا بھی چاہیئے۔ جس محل کو ہم نے جلایا اس کے حسن اور شان و شوکت کا آپ تصور بھی نہین کر سکتے۔ ایک ایسی چیز کے جلانے سے ہما ہی روح اور دل کانپ اُٹھتا ہے۔ ہر شخص لوٹ کھسوٹ کے نشہ مین مخمور تھا۔ آپ نہ تو اس مکان کی شوکت کا اور نہ اِس ہیبت ناک غارتگری کا صحیح اندازہ کر سکتے ہین۔ جو فرانسیسیون کے ہاتھ سے ہوئی یہان تہذیب اور شان و شوکت کا اِسی قدر سامان موجود تھا جتنا کہ ونڈسر مین۔ فرانسیسیون نے ہر ایک چیز کو نہایت بیدردائی کے ساتھ پامال کر دیا۔ یہ ایک ایسی تباہی و غارتگری کا منظر تھا جس کا بیان کرنا میری قدرت سے باہر ہے۔"

ہین فون اس صدمے کے بعد زیادہ مدت تک زندہ نہ رہا۔ اِس لئے ۱۸۶۱ء مین انتقال کیا۔ اور اس کا جانشین اِس کا بیٹا ٹنگ جی ہوا۔ جس کی عمر اِس وقت سات سال کی تھی۔ اِس نے اپنے مرنے سے پہلے ایک کونسل انتظام سلطنت کے لیئے قائم کر دی تھی۔ جس مین دو شہزادے اور ایک وزیر لنگ چی تھا۔ لیکن لڑکے کی ولی دونون شہنشاہ بیگمون کو قرار دیا۔ کہتے ہین کہ اِس نے ایک سربمہر کاغذ بڑی بیگم کو دیا تاکہ اگر کوئی بُرا وقت آپڑے تو لڑکے کو اس کاغذ کی رو سے اپنے کامل اختیار مین رکھ سکے۔

یہ امر کہ اِس نے اِس اختیار کو کبھی نہین برتا اُس کی دانشمندی اور لڑکے کی مان کے جزم پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بہت شاذ و نادر بات ہے کہ دو سوکنین جو اِس قسم کی ہون۔ اتنے عظیم الشان کام کو اٹھائیس سال تک اس سہولت اور خوبی کے ساتھ چلائین۔ چین کی حالت اِس وقت بہت خراب تھی۔ اِس کی عظمت مین فرق آگیا تھا۔ ذرائع آمدنی بہت گھٹ گئے تھے۔ ملک مین امن و امان بھی نہ تھا۔ وہ صوبے جو نہایت

زر خیز تھے اُجاڑ پڑے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ سلطنت کے مختلف حصون مین متواتر تین بغاوتین ہوئین اور پھر غیر ملک والون سے جو جنگ کرنی پڑی اُس مین اور بھی زیر بار ہی ہوئی۔ یہ سب مشکلات شمی کے سامنے تھین۔ مگر وہ گھبرائی نہین۔ لیکن ایک مشکل اس کے رستہ مین اور تھی جسے وہ بہت ناپسند کرتی تھی یعنی وہ نہین چاہتی تھی کہ سلطنت کے کاروبار مین دوسرون کے ہاتھ مین کٹ پتلی بنی رہی کیونکہ ہین فون کے فیصلے کے بموجب تمام اختیارات کونسل کے ہاتھ مین تھے۔ اسوقت شمی کی عمر ستائیس سال کی تھی اور اس نے یہ ٹھان لی تھی کہ معاملہ کی صورت اب یہ نہ رہے گی اور اس لئے وہ اُن تمام مشکلات کو جو اوپر بیان کی گئی ہین ذرا بھی خاطر مین نہ لائی اور اب اس نے تدبیرین لڑانی شروع کین۔

اس امر کا تصفیہ کرنا مشکل ہے کہ کونسل کی شکست کو شمی سے منسوب کیا جائے یا شہزادہ کونگ سے جو وزیر تھا۔ لیکن خیال یہ ہے کہ اُس وقت کونسل کی شکست سے سب سے زیادہ فائدہ شاہزادہ کونگ کو تھا۔ اس لئے وہی اس کا بانی مبانی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن شمی کے بعد کے حالات پڑھنے سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ اس سازش مین اس کا بھی بہت بڑا حصہ تھا۔ شاہزادہ کونگ شاہ مرحوم کا چھوٹا بھائی تھا۔ اور ہین فون کی موت کے وقت ساری حکومت اسی کے ہاتھ مین تھی۔ اور جب شہنشاہ بھاگ کر شکارگاہ مین پناہ گزین ہوا تو فاتح جنرلون سے تمام عہد و پیمان شاہزادہ کونگ ہی کو کرنے پڑے اور صلح نامہ بھی شاہزادہ نے ہی لکھا۔ اور اُس محکمہ کا پریسیڈنٹ مقرر ہوا جو ۱۸۶۱ء مین دول خارجہ سے خط و کتابت کرنے اور معاملات طے کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اس مین شبہ نہین کہ شہزادہ ان لوگون سے جو شہنشاہ کی وفات کے بعد نگران کار سلطنت قرار دیے گئے تھے ایسی ہی نفرت کرتا تھا جیسے شمی۔ اور اس امر خاص مین دونون متفق ہو گئے اور کونسل کی خرابی

کی تدبیرون سوچنی شروع کین جو چین مین مشکل نہین اور جب وہ لوگ شہنشاہ مرحوم کی تجہیز و تکفین کرنے کے بعد واپس آرہے تھے تو شہزادۂ کونگ نے انہین اس جرم پر ماخوذ کرلیا کہ انھون نے شہنشاہ مرحوم کی تجہیز و تکفین کے رسوم مین سخت فروگزاشتین کی ہین اور آخر وہین اُن سب کو قتل کروا ڈالا جب سلطنت کے نگرانکارونکا خاتمہ ہوگیا تو کونسل کا وجود بھی نہ رہا اور بڑی شہنشاہ بیگم اور چھوٹی شہنشاہ بیگم شی محلات شاہی کی پوری مختار ہوگئین۔ اُدھر شہزادۂ کونگ کے سامنے سلطنت کے کاروبار اور انتظام کا ایک وسیع میدان تھا۔ تین سال تک کام بدستور چلتا رہا اور چین کو جو صدمہ جنگ اور بغاوتون سے پہنچا تھا اس کی بھی کسی قدر تلافی ہوگئی تھی اور شہزادۂ کونگ کو سب نے بہت بڑا مدبر اور قابل تسلیم کرلیا۔ لیکن ملکہ شی کو یہ امر کیون گوارا ہونے لگا تھا چنانچہ ۱۲ اپریل ۱۸۶۵ء کو ایک شاہی فرمان اس مضمون کا شایع ہوا کہ شاہزادۂ کونگ اپنے تمام عہدون سے اس خطا پر موقوف کیے جاتے ہین کہ وہ حد اعتدال سے زیادہ بڑھ چلے ہین۔ شاہزادۂ کونگ نے اس کی اطاعت کی لیکن اس کے یکایک غائب ہوجانے سے اس قدر تشویش پھیلی کہ پانچ ہی ہفتہ کے بعد ایک دوسرے شاہی فرمان کی رو سے سوائے کونسل کی پریسیڈنسی کے باقی تمام عہدون پر اس کا دوبارہ تقرر کیا گیا لیکن اس سے اُسے یہ سبق مل گیا کہ شی بھی کوئی چیز ہے اور اس سے انحراف کرنا مناسب نہین۔

اس اثنا مین شہنشاہ ٹنگ چی بھی بڑا ہوگیا اور اس کی شادی کی فکرین ہونے لگین منچو خاندان کی لڑکیان جمع ہوئین۔ اور شہنشاہ کی ماں نے سب کو دیکھ بھال کے اور امتحان لے کر ایک لڑکی کو انتخاب کیا جس کا نام آل یوٹ تھا۔ جو بہت نیک اور عقلمند اور شریف لڑکی تھی۔ عقد سے تین روز پہلے ٹنگ چی نے اپنی دلہن کے لیئے ایک لباس فاخرہ بھیجا اور دو روز بعد ایک سونے کی تختی بھیجی

جس پر یہ کہا ہوا تھا کہ تمھاری رسائی تخت شاہی تک ہوئی۔ [illegible] کھول کر روپیہ خرچ کیا گیا۔ دُلہن شاہی جلوس کے ساتھ شاہی محل مین داخل ہوئی ملکہ نے شاہانہ شان سے اپنی بہو کا استقبال کیا۔ بہت کم ایسے موقع ہوتے تھے کہ شہی عام طور پر باہر نکلتی اور لوگ اُسے دیکھتے لیکن اس شادی کے روز ایسا موقع پیش آیا۔ اگرچہ وہ ہر ایک کام مین دخل دیتی اور ہر چیز کا خود انتظام کرتی تھی لیکن یہ سب کچھ پردے کی آڑ مین ہوتا تھا۔ وہ ان تمام ملاقاتون مین موجود تھی جو اُس کے بیٹے اور وزرا مین ہوتین اور اگرچہ وہ سب کچھ سنتی تھی لیکن کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر ساٹھ سال کی عمر مین اُس نے قدم پردے سے باہر نکالا اور وزرا سے بالمشافہ ملاقات کرنے لگی۔

پیکن مین اس کے عادات وخصائل اور چال چلن کے متعلق بہت سی جھوٹ، سچ افواہین مشہور تھین لیکن بُرے لوگون کی نسبت اس قسم کی افواہون کا ہونا نئی بات نہین ہے۔ خصوصاً جب ان کا مرجع بیوہ عورت ہو اور بیوہ بھی ایسی جو دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت پر فرمان روا تھی۔

اگرچہ شاہزادہ کونگ نے دونون بیگمون مین نفاق پیدا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن دونون ایسی صلاحیت سے رہین کہ کسی قسم کی ناچاقی کا موقع نہ آیا۔ بڑی بیگم محل کے مشرقی جانب رہتی تھی اور اس لیئے اُسے مشرقی بیگم کہتے تھے اور چونکہ شہنشاہ کی مان مغرب کی طرف رہتی تھی اس لیئے وہ مغربی بیگم کہلاتی تھی۔ بلیک وڈ میگزین (۱۸۸۸ء) کے ایک نامہ نگار کے بیان کے بموجب ۱۸۷۲ء مین ان دونون بیگمون کے دوستانہ تعلقات کا خاتمہ اس طور پر ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ

"بڑی بیگم نے اپنی ہمسر شہنشاہ بیگم کو یہ کہلا بھیجا کہ مین آپ سے محل مین

فلان مقام پر گفتگو کرنے کے لئے ملنا چاہتی ہون - معمولی سلام اور مزاج پرسی کے
بعد مشرقی بیگم نے کہا کہ مین اس موقع پر آپ سے یہ کہنا چاہتی ہون کہ اب ہمارا
مشترک کام ختم ہو چکا ہے اور اس لئے یہ مناسب ہے کہ ہم اپنا منصب چھوڑ دین
اور ایک دوسری سے رخصت ہون مجھ سے اگر آپ پوچھتی ہین تو مین بہت
خوش ہون کہ اس ذمہ داری کا بار میری گردن سے اُٹھ گیا اور نیز یہ بڑی مسرت
کی بات ہے کہ ہم دونون نے اتنی مدت تک اتفاق کے ساتھ چھوٹے شہنشاہ اور
سلطنت کی بہبودی کا کام کیا - یہ کہہ کر اُس نے ایک ایسا کام کیا جو صرف ناولون
اور ناٹکون مین نظر آتا ہے - اُس نے اپنے مرحوم خاوند کا وصیت نامہ نکالا اور اپنی
ہمسر بیگم پر پہلی ہی دفعہ یہ ظاہر کیا کہ اُس کے اختیارات کس قدر وسیع تھے جن کا اظہار
اب تک اُس نے نہین کیا تھا - لیکن اس کے بعد اُس نے کہا کہ اب ایک ایسے کاغذ کی
ضرورت نہین رہی ہے اور یہ کہہ کر مغربی بیگم کے سامنے اُسے جلا دیا - اس سے شہنشاہ بیگم
شی پر بے انتہا اثر ہوا - اور بجائے اس کے کہ وہ مشرقی بیگم کی معتقد ہوتی اس کی
حالت مین ایک نیا تغیر پیدا ہو گیا - یعنی وہ شہنشاہ مرحوم اور مشرقی بیگم دونون سے
نفرت کرنے لگی شہنشاہ سے اس لئے کہ اُس نے اس کا اعتبار نہ کیا اور بیگم سے
اس لئے کہ وہ اس راز سے واقف ہو گئی -

یہ قصہ بلیک وڈ کے نامہ نگار نے لکھا ہے لیکن نہ معلوم کہان تک صحیح ہے -
کیونکہ دوسرے ہی سال دونون بیگمین پھر ملین اور معاملات سلطنت مین دخل دیا -
اس کی ضرورت اس لئے واقع ہوئی کہ ۱۸۶۴ء مین شہنشاہ ننگ پو جی نے اپنے
فرمان سے شہزادہ ہونگ اور اس کے بیٹے کو نادیبا الفاظ استعمال کرنے کی خطا پر
نکال دیا تھا - لیکن دوسرے ہی روز دونون بیگمون کے فرمان سے وہ بحال کیا گیا -
اور ۱۸۷۳ء تک اپنے عہدہ پر رہا جب کہ شی نے اُسے بالکل موقوف کر دیا - ۱۸۷۵ء مین

شہنشاہ کا انتقال ہوگیا۔

شہنشاہ نے مرتے وقت اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑا۔ اس ضرورت سے دونوں بیگمین پھر یک جا ہوئین اور انتظام سلطنت مین پہلے سے زیادہ تغیر تبدل کیا۔ مناسب یہ تھا کہ دونوں بیگمین اس امر کا انتظار کرتین کہ شاہ کے ہان لڑکا ہوگا یا بیٹی۔ اگر بیٹا ہوتا تو اس کی مان کاروبار سلطنت کی مالک ہوتی اور یہ دونوں بیگمین گوشۂ گمنامی مین رہ جاتین اور اگر بدقسمتی سے بیٹی ہوتی تو ہینی تانون کے مطابق کسی لڑکے کو متبنی بنا کر بادشاہ کا بیٹا قرار دیا جاتا اور عنان حکومت بیوہ کے ہاتھ مین رہتی۔ اس لئے شہنشاہ بیگم شمی نے بڑی بیگم اور شہزادہ گونگ کی مشورت سے اس قدیم رسم کو بالائے طاق رکھا اور نوجوان بیوہ کے حقوق تلف کرکے اور شہنشاہ ہین فونگ کے چھوٹے بھائی چون کے بیٹے کو جس کی عمر چار سال کی تھی وارث تخت و تاج قرار دیا۔ اس مین بڑی بات یہ تھی کہ چونکہ یہ لڑکا شہنشاہ متوفی کی اولاد نہین تھا اس لئے اپنے بزرگون کی ان رسوم کو ادا نہین کرسکتا تھا جو چینیون کی نگاہ مین بے انتہا وقعت اور عظمت رکھتی ہین اور اس لئے شہنشاہ متوفی کی بیگم الیہوٹ کسی شمار مین نہ رہی اور بڑی بیگم اور شمی ایک مدت دراز کے لئے سلطنت کی مالک ہوگئین۔

ادھر دونون بیگمون نے شاہی محل کے تمام اختیارات و اقتدارات اپنے ہاتھ مین لئے اُدھر شاہزادہ گونگ نے کاروبار سلطنت کو ۱۸۸۴ء تک حتی الامکان اچھی طرح سے چلایا۔ لیکن اُسی سال موقوف کردیا گیا اور اس کی جگہ شاہزادہ چون مقرر ہوا جو آئندہ شاہ کا باپ تھا۔ چون اگرچہ شاعر تھا اور شہنشاہ بیگم سے جو خود بھی شاعرہ تھی شعر بازی کیا کرتا تھا لیکن مستقل مزاج نہ تھا اس لئے شہنشاہ بیگم ایک دوسرے چینی مدبر پر زیادہ اعتماد کرتی تھی جس کا نام دنیا مین بہت مشہور ہوچکا ہے یعنی لی ہنگ چنگ۔

جب صوبہ شانسی مین بہت بڑا قحط پڑا تو دونون بیگمین اپنی ہمدردی کی وجہ سے بہت ہردل عزیز ہوگئین۔ انھون نے دریافت کرنے سے معلوم کیا کہ روزانہ محل مین جو گوشت خرچ ہوتا ہے اس کی قیمت ۵۲۵ روپئے ہے۔ چنانچہ انھون نے یہ ارادہ کیا کہ جب تک اُن کی رعایا بھوکی ہے وہ گوشت نہین کھائین گی اور جو روپیہ اس طرح بچا اُسے شانسی کے امدادی فنڈ مین بھیج دینے کا حکم فرمایا۔

لڑکے کی تعلیم کے لئے شہنشاہ بیگم نے قابل قابل استاد انتخاب کئے اور حتی الامکان اُس کی تعلیم و تربیت مین بہت کوشش کی۔ ۱۸۸۱ء مین بڑی بیگم کی وفات پر سلطنت کے تمام اختیارات شہنشاہ بیگم شی کے ہاتھ مین آگئے۔ اور کنٹن کی بندوڑچین کی خود مختار شہنشاہ ہوگئی۔

خوش قسمتی سے جو لوگ شی کے رقیب یا مخالف تھے رفتہ رفتہ پنجۂ اجل کے شکار ہوگئے۔ اور اُس کے لئے خود بخود راستہ صاف ہوگیا۔ سب سے اول بڑی شہنشاہ کے تین مختار یا ممبران کونسل ایک عذر لنگ پر قتل کئے گئے اس کے بعد اس کے بیٹے شہنشاہ ٹنگ چی کا انتقال ہوا۔ پھر خاوند کی وفات کے بعد شہنشاہ بیگم ایلیوٹ بھی انتقال کرگئین۔ مارکوئس سٹینگ جو کسی قدر سنگ راہ ہونا چاہتا تھا دفعتہً بیمار ہوکر مرگیا اور اب مشرقی بیگم راہی ملک بقا ہوئی ہے کہتے ہین کہ ان موتون مین شہنشاہ بیگم شی کی سازش تھی مگر یہ محض افواہ ہے اور قابل اعتماد نہین۔

۱۸۹۴ء سے جب کہ اُس نے شہزادہ کونگ کو موقوف کیا ۱۸۸۸ء تک جب کہ اُس نے نوجوان شہنشاہ کے لئے دُلہن منتخب کی وہ سلطنت کی سیاہ و سفید کی مالک رہی ہے۔ ڈسمبر ۱۸۸۸ء مین پیکن گزٹ مین اس مضمون کا فرمان شایع ہوا کہ چونکہ شہنشاہ سن بلوغ کو پہونچ گئے ہین اس لئے یہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نیک بیوی انتخاب کریں جو انہیں شاہی محل کے انتظام میں مدد دے اور خانگی کاروبار کو سنبھالے اور بادشاہ کو عمدہ خیالات اور نیک برتاؤ کی ترغیب دے۔ بنا بریں ٹمٹ ہونا لا لفٹننٹ جنرل کوئی ینگ کی بیٹی کو اعلیٰ اور پاکیزہ خصائل کی وجہ سے انتخاب کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا فرمان اس مضمون کا جاری ہوا کہ ٹاٹا لاجس کی عمر پندرہ سال کی ہے اور جو چنگ سی سابق وائس پریزیڈنٹ بورڈ کی لڑکی ہے درجہ اول کی حرم بنائی گئی اور ٹاٹا لاجس کی عمر تیرہ سال ہے اور وہ بھی چنگ سی وائس پریزیڈنٹ بورڈ کی لڑکی ہے درجہ دوم کی حرم قرار پائی۔

ملکہ شی کے متعلق اہل مشن کی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں تھیں اور ہیں لیکن دنیا پھر بھی اسے ایک زبردست باتدبیر اور عالیہ ماغ حکمران تسلیم کرلیا ہے۔ بعض لوگ جنھیں مدت تک پیکن میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ مذاق اور اعلیٰ قابلیت کی ملکہ ہے۔ فن مصوری جانتی ہے اور شعر بھی کہتی ہے۔ چنانچہ اس لئے ہیم لن کالج کو اپنی تصنیف کے چھ سو بند نذر کئے۔ مسٹر ایف جی کارپنٹر پیکن سے اخبار نیویارک ورلڈ کو بتاریخ ۳۰ ستمبر ۱۸۸۹ء شہنشاہ بیگم کے نسبت یہ الفاظ لکھتے ہیں:۔

"شہنشاہ بیگم کی عمر اس وقت پچاس سے اوپر ہے اور کہتے ہیں کہ وہ مضبوط اور باوقار عورت ہے.... وہ نہایت آزاد خیال ہے۔ جو چاہتی ہے کرتی ہے اور چینی ریت رسوم کی پرواہ نہیں کرتی۔ کہتے ہیں کہ وہ محل میں چاردیواری کے اندر تیراندازی کی بھی مشق کرتی ہے اور سنا ہے کہ اس نے ایک بوڑھے خواجہ سرا سے مشت زنی بھی سیکھی ہے۔ وزیر ڈن بی مجھ سے کہتا ہے کہ وہ تمام مقدمات اور معاملات پر غور کرتی ہے اور بخوبی سمجھتی ہے اور بڑی محنتی ہے۔ اس کا خیال

ہے کہ وہ تاریخ مین دنیا کے نامور فرمان رواؤن مین شمار کی جائے گی۔ اور وہ کہتا تھا کہ اُسی کی وجہ سے چین کو دنیا کی اقوام مین موجودہ وقعت حاصل ہوئی ہے شہنشاہ بیگم کے خیالات چینیون مین سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہین۔ اگرچہ چین دنیا کی مہذب اقوام سے بالکل الگ تھلگ ہے لیکن یہ امر حیرت کا باعث ہوگا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین یہ محلات چھ ہزار برقی روشنی کے لیمپون سے روشن ہونگے۔ اور شہنشاہ اپنا کھانا آبنوس کی لکڑی سے جس کا سرا سنہری ہوگا برقی روشنی کے شعاعون مین کھائے گا" مسٹر کارنیٹر کی پیشین گوئی پوری ہوگئی ہے بلکہ اس سے بھی کہین زیادہ ترقی نظر آتی ہے۔

شی کا قد میانہ۔ جسم چوڑی ہڈی کا۔ آنکھین سیاہ اور رنگ زیتونی تھا پاؤن برخلاف چینی رسم کے قدرتی طول رکھتے تھے۔ آواز کرخت تھی اور زیور و جواہرات کا بیحد شوق تھا۔

انگریزی وزیر مقیم پیکین شہنشاہ بیگم کی اُس ملاقات کو جو اس نے دول متحدہ کے سفرا کی بیویون سے کی ان الفاظ مین بیان کرتا ہے۔

" ملاقات کے رسوم اچھی طرح ادا ہوگئے۔ شہنشاہ بیگم کے اخلاق و تہذیب کا اثر سب حاضرین پر نہایت عمدہ ہوا۔ جو لوگ اس خیال کے ساتھ گئے تھے کہ ہم جس سے ملنے جاتے ہین وہ ایک بدمزاج اور مغرور عورت ہے انھین شہنشاہ بیگم کی خوش اخلاقی اور عنایت مزاج کی صفائی اور فراست دیکھکر سخت حیرت ہوئی"

باقی آیندہ

عبدالحق

فریڈک اسٹرنس اینڈ کمپنی (دواسیاں) ڈیرائٹ ملک امریکہ مشہور عالم ادویہ

اسٹرنس کارڈیل آف کاڈلور آئل اکسٹریکٹ

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر معہ کشتۂ فولاد۔ پاکیزہ۔ بلا بو۔ اور بلا مالش۔ مرکب کھانسی اور کمزوری کا بہتر علاج عہ ۱۲ر و ۱۲ر

اسٹرنس ہیڈیک کیور

ہر قسم کے درد سر کے واسطے بلا ضرر۔ زود اثر۔ اور یقینی فائدہ رسان دوا۔ نقلی مت خریدو۔ صرف اسٹرنس کی اصلی ہے ۱۲ قرص ۱۲ر

اسٹرنس میٹھیلا ایڈس

کیسی ہی شانے کی بیماری ہو اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہے بہترین دوا ہیضہ کامیاب ۴ گولیون کی شیشی (عا)

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب۔ دافع سستی و کاہلی۔ ونکان۔ صرف تازہ اور بغیر خشک کی ہوئی گری سے تیار کیا جاتا ہے۔ خوشبودار خوشگوارہ خوراک (سے ر)

اسٹرنس پیرامیس

غذا ہضم کرنے کے لئے بہترین دوا نہایت سستی زود اثر۔ اور کامل طور سے آلات ہضم کو درست کرتی ہے۔ عا فی شیشی

رسالہ رفیق رمضان جسمین ان اور دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈک اسٹرلنس اینڈ کمپنی ڈیرائٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہین ناٹلنس ایڈورٹائزنگ ایجنسی کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو۔

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیا کے دوکاندار فروخت کرتے ہین

(اس اشتہار سے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات براہ مہربانی
(خط وکتابت ہندی وانگریزی زبان مین کرین)

مرض دور رہو۔ ناامیدی معذور رہو۔ اور نسلا بعد نسل نستج)

اٹنک نگرہ گولیان

مردمی کے قوتون کے غیر موقع استعمال کے باعث مباشرت کی کثرت کے سبب جو مخفی امراض پیدا ہوتے ہین ان کو اچھا کرنے کے لیے یہ اٹنک نگرہ گولیان تمام دیگر علاجون کی بہ نسبت بے خوف اور اعلی قسم کی دوائی ہے۔ عارضہ کثرت احتلام۔ اور پیشاب کرنے کے وقت اور رمذی وودی کی بیماری ان گولیون سے بالکل موقوف ہوجاتی ہے۔

جسم وجان کی قوتون کو تازہ اور طاقتور بنانے اور تولید منی کرنے کے باب مین ان اٹنک نگرہ گولیون کا مقابلہ کوئی نہین کرسکتا۔ اسی طرح کمزوری اور نامردی کے بارہ مین یہ گولیان جادوئی اثر رکھتی ہین۔

اٹنک نگرہ گولیان زائل شدہ قوت ہاضمہ کو پھیر لاتی ہین اور اچھی طرح سے اشتہا پیدا کرتی ہین۔ اصلاح خون کرتی ہین اور روز شباب حاصل ہوتا ہے۔ پرمیو۔ جریان اور بول الدم کے عارضون کے لئے صحت بخش ہے اور زندگی کی طاقتون کو کامل طور سے معاون ہین۔

۳۲ گولیون کی ڈبیہ کی قیمت ایک روپیہ

دو مرتبہ غذا کھانے کے بعد دودھ کے ہمراہ ایک گولی کھاؤ اگر دودھ بہم نہ پہونچ سکے یا دودھ کھانے سے بے رغبتی ہو تو پانی کے ہمراہ کھا سکتے ہین۔

وید شاستری منی شنکر گوبندجی اٹنک نگرہ اوشدھالیہ

(دواخانہ) جامنگر (کاٹھیاواڑ)

مولانا شبلی کی تصانیف

الفاروق - قیمت سے
الفزالی - درجۂ اول (۴) درجۂ دوم عہ
موازنۂ انیس و دبیر - سے ر
الکلام حصہ دوم چھاپہ نامی کانپور سے

مولوی ظفر علیخانصاحب کی تصانیف

خیابان فارس - سفرنامہ لارڈ کرزن کا ترجمہ قیمت قسم اول مجلد ۳۰ قسم دوم مجلد ۳۰
جنگ روس و جاپان - روس او جاپان کی لڑائی ابتدا سے جنگ تمام امن و صلح تک کے واقعات ڈراما کی شکل میں لکھے گئے ہیں قیمت قسم اول مجلد ہے دوم غیر مجلد عہ ۸ ر

فریاد ظفر - المعروف بہ شور محشر یہ نظم حیدرآباد کے ایک عظیم الشان جلسہ میں جو حمایت زنوں کی ادا کے لئے باغ عامہ کے دربار ہال میں ہوا تھا پڑھی گئی رضخامت ۳۶ صفحے خرد قیمت ۴ اسکی قیمت فنڈ میں صرف کیجاتی ہے۔

مولوی مفتی امیر احمد صاحب مینائی کی تصانیف

صنمخانۂ عشق - یہ عاشقانہ دیوان تعریف سے مستغنی ہے قیمت مجلد ۹ ر

محاورۂ تاتم انیس و خیابان آفرینش - فقیہ دیوان مقبول مینا و شریف ہے جو تلمین غیر مطبوعہ ہیں وہ شریک کردی قیمت عہ ۴ ر
سے نظم امیری - یہ آخری تصنیف ہے اور دو قصیدے جناب آخر و جناب جلیل کی تصنیف سے ہیں قیمت ۴ ر

نماز کے اسرار - یہ بھی امیر مینائی کی تالیف ہے نماز کی روح ہے قیمت ۴ ر

زاد الامیر - ہر قسم اور ہر ضرورت کی ۱ وظیفہ و دعائیں اجابت صحیحہ سے امیر مینائی مرحوم نے چن چن کر جمع فرمائیں قیمت ۸ ر
تذکیر و تانیث - جناب جلیل جانشین امیر مینائی کی تالیف جو لکھنؤ اور دہلی کی زبان کا جامع قناعی ہے اس میں ۷ ہزار الفاظ کی تذکیر و تانیث استحکام کیساتھ بتائی گئی ہے۔ اور کتاب (۳۸۰) صفحہ پر تمام ہوئی ہے۔ قیمت ۶ علاوہ محصول

امیر اللغات - جس میں تمام عربی ترکی اور فارسی لغات مفصلاً درج ہیں۔ قیمت ۶

پنچھی نامہ - یہ ۵۵ ناول ہے جو دکن سے زبان کے سانچہ میں ڈھلکر نکلا قیمت مجلد عہ

ضلع جگت - تلامذہ الفاظ کیساتھ نقرات و محاورات بر جستہ لکھے گئے ہیں - قیمت - عہ
دربار اکبری - مصنفہ مولوی محمد حسین آزاد - قیمت سے ر
گلشن ہند - شعرائے اردو کا مشہور تذکرہ مرزا علی لطف نے ۱۸۰۱ء میں جان گل کرسٹ کی فرمائش سے اردو زبان میں تصنیف کیا تھا - (صفحہ ۲۳۵) قیمت عہ
آثار الصنادید - سرسید کی مشہور تاریخ دہلی کا اعلیٰ اڈیشن مطبع نامی کانپور میں چھپی ہے قیمت سے
سفرنامۂ ٹرکی - ۳۰ صفحہ قیمت عہ
تبلیغ اکبری - اردو ترجمہ از سیرۃ آف انڈیا - قیمت عہ ۴ ر
حیات جاوید - مولانا حالی کی مشہور کتاب چھاپہ مطبع نامی کانپور قیمت ۴
مخزن القوانین - یہ کتاب مشہور اکسیر نہایت مفید - قوانی الف دیا ک اس میں درج ہیں قیمت عہ
مثنوی مولانا روم - قیمت عہ
مثنوی راسخ سہ ہندی - فارسی کی نایاب مثنوی ہے جو عنقا تھی فی الحال طبع ہوئی ہے - قیمت ۸ ر

نوشت نامہ - پارسی کے مشہور پیغمبر زرتشت کی سوانح عمری اور انکا فلسفہ مذہب - صفحہ (۲۰۰) قیمت عہ ۴ ر
تاریخ دکن - یہ مشہور تاریخ سید علی صاحب بلگرامی کی ہدایت سے تصنیف ہوئی ہے ضخامت سو جز طبع معتبر عام آگرہ میں چھپی ہے قیمت عہ

نقشۂ طغیانی

جہاں سے مطبع سے ملسکتا ہے - قیمت ار

قیامت صغریٰ

جس میں ابتدائے طغیانی کے حالات - مفصلاً درج ہیں ضخامت ۳۶ صفحہ قیمت ۲ ر

تمام درخواستیں سید وقار علی منیجر مطبع اختر دکن کنٹہ گوشہ محل حیدرآباد دکن کے نام آنی چاہئیں

عرق ماء اللحم انگوری دو آتشہ

اور مرکبات روحانی حالات

خدا تعالےٰ حکیم مطلق نے اس عجائب گاہ عالم میں جہاں نہایت قسم کے اجسام اور ہزارہا ادویات موجود ہیں صرف مخلوق آدمیت کے واسطے قائم و مسلط کئے ہوئے ہیں ان دواؤں کے ایسے ایسے زبردست خاصے بھی بیدا کر رکھے ہیں جن کا وجود فرشتگان رحمت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ البتہ ہر کس و ناکس کو ان کا علم کہاں ہے۔ اگر کوئی شخص جہل یا علمی کی وجہ سے غافل و بے خبر رہے تو یہ خود اپنی نادانی جہالت اور بیوقوفی ہوگی ورنہ رحمت الٰہی تو اپنی مخلوقات کے حق میں ہرگز بخیل نہیں۔ ہر روز کئی ایسے سے ہے ہیں جو ہیات بیماری میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ جو کہ بجائے خود نمونہ عبرت ہیں۔ اور جنکو دیکھ کر بہت کچھ نصیحت و عبرت کے سامان حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ ہماری ہی غفلت ہے کہ ہم ان پر کچھ دھیان اور توجہ نہیں کرتے۔ بس کا یہ حال ہے کہ ہم تمام آفتوں میں خود مبتلا ہونے تک نہایت ہی بے حس بنے ہوئے ہیں۔ افسوس انہیں چند دنوں میں بہت سی ایسی ہی واقعات ناگہانی وفاتوں کے گوش زد ہوئے ہیں ؎

نہ قاصدے کہ بصبا ے نہ مرغ نامہ بر ے
کہ نزد یار رساند ز سوے ما خبر ے

آدمی کیا کیا آرزوئیں، تمنائیں اور حسرتیں ہوتی ہیں کہ کیا کیا کچھ کرینگے اور کیا کیا ہو جائے گی وجہ سے بوقت مرگ ظاہر کرے اور یہ بھی وصیت کرنے کے ملک الموت ان کو کہاں کہاں کس کس طرح سے تہہ و بالا کر کے قبض کرے گا۔ ایسی موت سے بچنے کے لئے یہ ایک مجرب دوا نسخہ ہم بتلاتے ہیں :-

دوران خون

واضح ہو کہ دوران خون اگر ایک منٹ بھی بند ہو تو فوراً قلب کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اور اسی کا نام موت ہے۔ دوجہاں کے ہوسکے اور جس طرح ہو سکے۔ دورانی خون اور حرکت قلب کا انتظام ہر وقت مدنظر رکھنا چاہئے اور وہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیشہ ایسی اشیاء کا ماقاعدہ استعمال جاری رکھیں جن سے بالخصوص دوران خون و حرکت قلب کا انتظام ہر وقت درست طور پر جاری رہے۔ اس مدعا کے واسطے خاکسار ہمارے شفاخانہ کا تیار کردہ

عرق ماء اللحم انگوری دو آتشہ حکیم اکسیر

اور تاثیر پر بھی رکھتا ہے کیونکہ ہر حالت اور ہر موقعہ پر یہ عرق اعضائے رئیسہ کے افعال کو قاعدہ رکھتے ہیں اعجاز کا کام کرتا ہے۔ تمام امراض کے جبر میں حائل ہونے کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اول درجہ کا مقوی قلب و مصفی خون ہے۔ ہر قسم کے خون کے بگاڑ کو مطلق نیست و نابود کر کے بجائے اس کے تازہ و صالح و پاکیزہ خون پیدا کر دیتا ہے اور روی خون کو مطلق صاف و پاک بنا دیتا ہے۔ اسکے پینے سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ شراب کا بدل و نعم البدل ہے۔ بدہضمی وغیرہ جملہ عوارضات کو بموجب

باس تک پھٹکنے نہیں دیتا۔ اور سوبات کی ایک یہ بات ہے ہمیشہ اور ہر وقت بالکل باقاعدہ رکھتا ہے۔ اور اس کے پینے والے کو نہ اچانک موت کبھی مرگ ناگہانی یا مرگ سفاجات کا سامنا نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ یہ عرق خلق سے نیچے اترتے ہی فوراً خون بنانا ہے۔ وہی خون جس کو اطباء روح کہتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک معارف روح خلاف کوئی چیز ہی نہیں۔ بلکہ وہ محض خون ہی کو روح کہتے ہیں اور اسی دلیل پر یہ کہتے ہیں کہ جان نکلتے ہی سارے بدن میں خون کی بوند تک باقی نہیں رہتی۔ بہرحال اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ :-

یہ ماء اللحم دوران خون اور خون صالح

پیدا کرنے میں نہایت ہی عمدہ اور بہت ہی مفید چیز ہے۔ چونکہ جسم میں ہر ہر قسم کا خون ہی خون پیدا کرتا ہے جو چیز خون پیدا کرنے والی ہو وہی ہمارا جزو بدن بنتی ہے اور یوں تو ہر روز روزمرہ کی خوراکیں۔ اور وہ جزو بدن ہو کر تو کل ٹائیڈہ۔ علماء فزیالوجی بھی اس امر پر متفق ہیں کہ ایسی دوا یا غذا جزو بدن نہ ہو۔ بلکہ صرف اعضاء میں صرف ایک قسم کی تحریک پیدا کرے رد جاوے وہ اشیاء کہی ہے کہ اناج کھایا جاتا ہے اس کا اثر زائل ہو کر پھر کچھ باقی نہیں رہتا ؎ جیسا کہ شراب اور فاسفورس۔ اسپرٹ وغیرہ ؎

پس جو صاحب چاہیں وہ ہمارے اس اکسیر انگوری دو آتشہ کو بنظر حفظ ماتقدم طلب فرما کر استعمال کریں اور پھر روحانی حالات بچشم خود ملاحظہ فرمادیں ؎

قیمت

فی بوتل دو روپے (۲ر) - تین بوتل (۵ر)
چھ بوتل (۱۰ر) - درجن بوتل (۱۸ر)

نوٹ :- بیرنجات میں یہ ماء اللحم بین بوتل سے کم دوا نہ ہوگا۔ یہ عرق ترکیب استعمال ہمراہ روانہ ہوگا۔ بذریعہ ریل منگانے میں محصول کمپنی سے صحت یافتہ حضرات کے ہزاروں سرٹیفکیٹ دیکھنا چاہو تو کتاب منگواؤ ؎

علاوہ ازیں

اس شفاخانہ میں ہر مرض کی تجربہ کار ایم موجود ہیں (۱) شربت مشوی المصفی (افضل نامروی اللحم) - (۲) طلاء نافع قیمت (اللحم) - (۳) دوائی سوزاک نمبر ۱ (حصہ) سمرا (۴) حب دافع آشک حصہ (۵) حب دافع بواسیر علاج گرانی فیتول (۶) حب دافع جریان واحتلام ایک روپیہ (۷) سرمہ مسلا مصفی خون شیشی کحال تین روپے خورد (۸) - (۹) سون سنکھیا دندان (۱۰)

منیجر شفاخانہ حاج الحرمین حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکما لاہور

لاکھ روپیہ کی جان کیواسطے

صرف چار آنے خرچنا بات ہی کیا ہے

دیکھو گرمی کا ایام آیا اور ساتھ ہی جگہ بہ جگہ ہیضہ ہونا ممکن ہے اس لئے وقت پڑے کیون نہین ایک شیشی عرق کافور گھر مین ڈال رکھئے یہ ڈاکٹری

اصلی عرق کافور

۲۳ برس سے ہندوستان مین لاکھون بار آزمایا ہیضے کا اکسیر علاج ہے سنہ ۱۸۹۹ع مین جب احاطہ بمبئی مین قحط اور ہیضہ پھیلا تھا تب اسی عرق کافور سے ہزارون اشخاص کی جان بچی تھی۔ اور تین مہینے مین ایک لاکھ شیشیان فروخت ہوئی تھین۔ سینکڑون نہین بلکہ ہزارون سارٹیفکٹ اس کے موجود ہین منگا کر دل بھر لیجئے نقلی عرق سے ہشیار۔ قیمت فی شیشی ۱۲ ار ڈاک محصول ایک سے چھ شیشی تک

امتحاناً بلا قیمت دیا جاتا ہے

ضرور آزمایئے اگر آپ بلا قیمت اس عرق کافور کو آزمانا چاہین تو صرف محصول ڈاک کے لئے دو پیسہ کا ٹکٹ پیڈ لفافہ مین بھیجئے۔ اور اسی خط مین دس خواندہ اور رئیسون کے نام و پتہ صاف طور پر لکھدیجئے۔ پتہ لکھنے مین مقام ڈاکخانہ ضلع لکھئے گا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۲ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان بی۔اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — حیدرآباد دکن — جلد سوم

قسم اوّل

نمبر ۳ — ۱۹۰۹ء — جنوری

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول عہ قسم دوم عہ سکہ انگریزی

رائیڈل صاحب کی بنائی ہوئی نہایت مجرب دوا

مرگال

انتہائی درجہ تک کے فساد خون کے مریضوں کے لئے اکسیر مصدقہ ڈاکٹران و معالجان امراض اسقال ۴۰ گولیوں کی شیشی قیمت دو روپے (عا)

گونوزان

مشہور تکلیف دہ جانگداز مرض ریزش پر سوزشانے کی حکمی علاج مشہور اور خاص ڈاکٹران کا مصدقہ قیمت ۴۰ گولیوں کی شیشی کی دو روپے ۔ عا

دبورنیوال

طاقت ور بنانے اور درد اعصاب دور کرنے کی دوا ہیسٹریا کی مریض عورتوں کے واسطے نہایت مفید ۔ کم ہمتی ۔ بدخوابی ضعف ۔ ل کو دماغ کو نافع ۴۰ گولیونکی قیمت عہ ۶ر

یوہمبین

کمزوری ۔ نامردی ۔ اور ہر قسم کے ضعف کے لئے قطعی اور بلا ضرر علاج مصدقہ محققان امراض تولید ۔ کبھی خطا نہیں کرتی ۔ ۱۲ قرص کی قیمت عہ ۶ر

مندرجہ بالا ادویہ کے مفصل حالات مین ایک رسالہ بنام آب و آتش ۔ حال مین چھاپ کر مفت تقسیم کیا جاتا ہے ۔ اسے برکت اینڈ کمپنی دہلی سے طلب کرو محصول پیڈ ارسال کیا جائے گا ۔ اور متذکرہ بالا اعلےٰ ادویہ اپنے شہر کے انگریزی دواخروشون سے طلب کرو ۔ اگر وقت ہو تو

اسے برکت اینڈ کمپنی دہلی سے طلب کرو

دکن ریویو

فہرست مضامین

جلد ۳ | جنوری سنہ ۱۹۰۹ء | نمبر ۳

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
حقیقت شعر	مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن	۱
بادل	مولوی سید کاظم حسین صاحب شیفتہ۔ حیدرآباد دکن	۱۷
مرہٹہ شعرا کے حالات	عین الاسلطنت نواب اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر کے سی۔ آئی۔ ای	۱۹
مولانا بحر العلوم اور انکا زمانہ	مولوی محمد عبد الجبار مدرس مدرسہ باقیات الصالحات ویلور	۲۱
فنون لطیفہ (۱)	مولوی محمد مشتاق حسین خان صاحب بی۔ اے۔ الہ آباد	۲۵
غزل	مولوی مرزا محمد ہادی صاحب عزیز۔ لکھنؤ	۴۲
مہارانی محبتی شہنشاہ بیگم پیین آنجہانی (۲)	مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے۔ حیدرآباد دکن	۴۳
غزل	نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز۔ ناظم عطیات صرف خاص حیدرآباد دکن	۵۲



ہارڈی اینڈ کمپنی

ہر قسم فن بصارت و عینک ساز پاس شدہ لنڈن و دکان واقع جیس اسٹریٹ سکندرآباد زیر مشورہ سرجن حکیم چشم و ڈاکٹر کے یہاں اوقات مقررہ صبح کے آٹھ بجے سے گیارہ تک و شام کے چار بجے سے آٹھ تک کل امراض چشم مثلاً موتیا، سوزش، ورم قرحہ، پانی بہنا، چکا چوندی وغیرہ کی تشخیص و علاج کیا جاتا ہے۔ ہم حیدرآباد و دکن کے لوگوں کو ۱۹۰۵ء کے اس مسودہ پارلیمنٹ سے جو آنکھ کی نظر کے متعلق ہے آگاہ کر دیتے ہیں۔ جو ان سے عینک فروش یا کوئی گھڑی ساز و مصنوعی حکیموں کیلئے مفید قانون ہوا ہے جو نا راستی و بے قاعدگی سے اپنی دوکانوں کو عینک ساز مشہور کرتے ہیں حالانکہ انکا فن بصارت کو متعلق ادنیٰ گنج کے جھکا بنے والوں سے زیادہ نہیں ہے۔

(۱) اگر آپ کسی ایسے عینک خریدو گے اور وہ تمہاری آنکھوں کا امتحان نہیں کرتا ہے تو تمکو ضرر ہوگا کہ ایک عینک خود دیکھ کر چن لو اس صورت میں اتفاقاً اگر تمہاری بصارت جاتی رہی تو ہارکر تمکو از روے قانون فوجداری و دیوانی ملزم نہیں ٹھہر سکتا ہے کیونکہ تم نے خود بازاری اشیا کی مثل جانچ شکر کے عینک خرید کیا ہے یہ خود کردہ را علاج نیست۔

(۲) اگر تم کسی ایسے مصنوعی عینک ساز جو اپنے کو متعلق عینک ساز کہتا ہے دانستہ اس کا نام فن بصارت کے متعلق تمہاری باور چی سے زیادہ نہیں رہتا ہے۔ عینک خریدو گے اور اسیطرح برسوں کے سروک چہارم درجہ کے پیل جنکے مرکز دن کی امتحان کرنے سے تمہاری بصارت کو نقصان پہونچے تو مذکور مصنوعی عینک ساز جو حیدرآباد و دکن میں بہرے پڑے ہیں) بصارت کو خراب کرنے کے جرم میں سزاوار و سزا کو لایق ہے اور سزا دہی قانون فوجداری مجرم یہی ہے۔ کیونکہ مسودہ قانون آزمایش نظر کی رو سے اسکو جرمانہ و قید کی سزا مقرر کرکے لوگوں کی آنکھوں کا امتحان کرنا اور قبل از وقت ان کو اندھے بنا دینا سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

(۳) ہاسپٹل کے غریب مریضوں کے لئے ہم اسپیشل مسٹر وپ کی عینک دو روپیہ سکہ حالی کو دیسکتے ہیں۔ یہ عینک ان پتھری چشموں سے ہزار درجہ بہتر ہے جنکو گھڑیساز و مصنوعی حکیم بیچتے ہیں۔ اور ہم اسبات کی بھی ذمہ دار ہیں اور گارینٹی دیتے ہیں کہ ایسی عینک سے آنکھوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا ہے اور ہم بغیر کسی قسم کی اجرت کے آنکھوں کا امتحان کرتے ہیں۔ اور مصنوعی عینک سازوں کے چشمے لگائے ہوئے لوگوں کو موجودہ فن بصارت کے مطابق ہدایت بھی دیتے ہیں اور پردہ نشین مستورات کے لئے ہمارے یہاں ایک لیڈی بھی موجود ہے۔



دکن ریویو

حقیقت شعر

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

یہ رد میں ہے مشرکین عرب کے جو کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ شاعر ہیں۔

قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن شریف کلام موزون نہیں ہے جس پر شعر کا احتمال ہو سکے۔ مشرکین کا اوسکو شعر کہنا اس بنا پر تھا کہ مضامین قرآن کو وہ قضایاے شعریہ سمجھتے تھے اور قضایاے شعریہ کو جس طرح اہل منطق مفید یقین نہیں سمجھتے عرب کے جہلاے مشرکین بھی اس بات سے واقف تھے اون کا یہ قول رد کیا گیا کہ اس وحی آسمانی کو قضایاے شعریہ نہ سمجھیں کہ ہم نے پیغمبر کو شاعر نہیں بنایا اور شعر اس کی شان کے سزاوار نہیں۔

کیونکر شعر شان نبوت کے سزاوار ہو سکتا ہے جب کہ شعر کی بنا قضایاے شعریہ پر ہے اور قضایاے شعریہ مضامین خیالی کا نام ہے اور خیال اور

وحی مین زمین آسمان کا فرق ہے۔

شعر کا تخییل پر مبنی ہونا ارسطو کا قول ہے جس کو یورپ کے محققین بھی استاذ الکل فی الکل کا خطاب دیتے ہین اور دنیا کے دقیقہ سنجون مین اسے متفرد سمجھتے ہین۔ اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ شعر ایسی چیز نہین ہے کہ مواعظ و عقاید و معارف مین بکار آمد ہو کیونکہ ان مسائل کے ثبوت کے لیے مبادی یقینیہ چاہیئے اور شعر مضامین خیالی کا نام ہے۔

نظامی کا مبلغ شعر ایسا نہین ہے جس مین کسی کو گفتگو کی گنجایش ہو مگر گو اون کے کلام مین اغراق و مبالغہ بھرا ہوا ہے لیکن مضامین عالیہ سے خالی نہین وہ شعر کے متعلق اپنی راے اس طرح ظاہر کرتے ہین ؎

در شعر مپیچ و در فن او ۔۔۔ زان اکذب اوست احسن او

لفظ اکذب سے وہی مضمون خیالی مراد ہے اور قضایاے شعریہ پر کذب کا اطلاق کیا ہے۔

اسی طرح بعض علما بھی شعر سے بیزار ہو کر کہتے ہین ؎

ولولا الشعر بالعلماء یزری ۔۔۔ لکنت الیوم اشعر من لبید

لیکن کسی عالم کا یہ سمجھنا کہ شعر ہماری شان کے خلاف ہے غلط خیال ہے کیونکہ جو شاعر نہین ہے وہ عالم ہو نہین سکتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ علوم عقلیہ کے اکتساب مین شعر کی طرف متوجہ نہو۔

علاوہ تخییل کے کس زبان کی شاعری ایسی ہے جس مین پرستان کا اور پریون کا ذکر نہو۔ زمانہ قدیم کے بت پرستون کے افسانے نہون اون کے خوارق عادت کے تلمیحات نہون۔ اگر فارسی مین رستم و افراسیاب و فریدون و جم وغیرہ کا ذکر شعرا کے زیر مشق ہے تو یورپ کے شعرا ڈانٹا و ملٹا مین جو قا

وغیرہ کے ذکر کو ضروریات بلاغت سے سمجھتے ہین - وہ قدیم داستانین پرانی کہانیان جو ہر زبان مین مشہور ہوتی ہین کیسے ہی بے سر و پا خلاف عقل واہیات افسانے ہون شاعر کے ادائے مطلب کا بڑا آلہ بن جاتے ہین - کاکوری کے ایک شاعر محسن مرحوم اس نکتہ کو کیسا سمجھے - اونہون نے رام لچھمن کہنیا اور گوالون کا ذکر نعتیہ قصایہ مین داخل کیا اور کیا بھلا معلوم ہوتا ہے -

اس کے علاوہ مضامین عاشقانہ شعر کا جزو اعظم ہین لیکن عشق کو عقلا نے جنون کے اقسام مین شمار کیا ہے اور حقیقت عشق کی محض خیال و وہم ہے جو سراسر عقل و ہوش کے خلاف ہے اس سے ظاہر ہے کہ شعر مین اثر برسبیل استدلال ہرگز نہین ہے بلکہ برسبیل مجانست ہے - شاعر مثلاً کسی چیز سے متاثر ہو کر لذت یا حسرت ظاہر کرتا ہے سننے والے مجانست فطری کے سبب سے اوس شے کی طرف راغب ہو جاتے ہین - استدلال کے اثر مین اور شعر کی تاثیر مین فرق ہے - براہین و استدلال جن کی بنا مقدمات یقینیہ پر ہے اونہین لوگون پر اثر کرتے ہین جو اونہین سمجھ سکین اور یہ قابلیت ہر دماغ مین نہین ہوتی اور شعر سب پر اثر ڈالتا ہے اور بقول عارف روم اہل استدلال پر زبان تشنیع دراز کرتا ہے کہ ع

پاے استدلالیان چوبین بود

قضایاے شعریہ شعر کا ہیولی اور وزن و قافیہ اوس کی صورت ہے ان قضایا کی تخییل مین تاثیر ہونا شرط ہے اور وہ اس ہیولی و صورت کی جان ہے اور جان ڈالنا خدا کا کام ہے - جس چیز مین جان پڑ جاتی ہے وہ متحرک ہوتی ہے اسی طرح جس شعر مین اثر ہوتا ہے اوس شعر مین برجستگی ضرور ہوتی ہے اثر شعر کا اگر نشاط و اہتزاز ہے تو وہ تخییل کا فعل ہے اور اگر استعجاب و استغراب ہے

تو تشبیہ و استعارہ وغیرہ کا فعل ہے مگر استعجاب مین تبادر شرط ہے اگر شاعر کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ اس شعر مین فلان صنعت بھی ہے اوس کے بعد استعجاب پیدا بھی ہو تو قابل التفات نہین اور تنقید صنائع کی یہ معیار ایسی ہے جسے کبھی بھولنا نہ چاہیئے۔

پھر قضیہ شعریہ کے موثر ہونے کے لیے محض تخییل کافی نہین بلکہ وہ مضمون خیالی شاعرانہ زبان مین ادا ہونا چاہیئے۔ شاعر کو ایک خداداد ملکہ ہوتا ہے لفظ و ترکیب کے انتخاب و اختیار کا اور اس سبب سے اُس کا طرز بیان غیر شاعر کے طرز بیان سے ممتاز ہوتا ہے اوسکے نظم کر دینے سے لفظ کے معنی کھلتے ہین اور محل استعمال معلوم ہوتا ہے۔ شاعر لفظ کی خوبصورتی و بدصورتی کو اسی طرح پہچانتا ہے جسطرح اپنے ابنائے جنس کی صورتون کے حسن و قبیح مین امتیاز رکھتا ہے اوسے الفاظ مین شان و شکوہ و رکاکت و وہن اوسی طرح دکھائی دیتی ہے جس طرح کسی شخص کا محتشم یا کم رو ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کسی لفظ مین لے سے روشنی دکھائی دیتی ہے اور کوئی لفظ اوداس معلوم ہوتا ہے۔ کسی لفظ مین کھنک سنائی دیتی ہے اور کوئی لفظ کھنکہنا معلوم ہوتا ہے۔ غرضکہ حسن لفظی یہی نہین ہے کہ دو لفظون کے تقابل و تضاد و تشابہ و تناسب سے پیدا ہو بلکہ ہر ہر لفظ مین فی نفسہ بھی حسن و قبیح موجود ہے۔ جسکو شاعر جانتا ہے اور اسی سبب سے شاعر کی زبان کا متبع کرنا ہر قوم مین جاری ہے اور جب تک کسی زبان مین کوئی شاعر پیدا نہین ہوتا اُس وقت تک وہ زبان نامکمل سمجھی جاتی ہے قوم زبان وضع کرتی ہے اور شاعر اس مین اصلاح کرتا ہے، اور اسی سبب سے یورپ کے لوگ تو اُن الفاظ کو گنا کرتے ہین جو شاعر کی قلم سے نکلین۔ اور جب تک زبان کا قوام درست نہین ہوتا اُس زمانے تک الفاظ و محاورات

مین شعرا اضافات و متروکات کرتے رہتے ہین یہان تک کہ بعد امتداد زمان و تکمیل زبان ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ غیر قومون کے خلط سے زبان بگڑنا شروع ہوتی ہے۔ اس زمانہ مین وہ تمام متروکات پھر مستعمل ہو جاتے ہین اور شیرین معلوم ہوتے ہین۔ رودکی و فردوسی و خاقانی و نظامی کے الفاظ و محاورات سعدی و حافظ کے زمانہ مین متروک رہے لیکن قاجاریون کے تسلط سے ایران کی زبان بگڑ گئی ترکی الفاظ اُس مین بہت سے شامل ہو گئے اور فارسی کے اکثر الفاظ کی صورت بدل گئی۔ شعرا کو اس بات کا حس ہوا کہ ہماری زبان کچھ اور ہو گئی اور اس زمانہ مین جو شاعر پیدا ہوے اونہون نے پھر اُسی قدیم فارسی کو زندہ کیا۔ قاآنی اور خاقانی کے نام ہی مین فقط مشابہت نہین ہے بلکہ زبان مین بھی ہے۔ اب سعدی کی زبان اور طرز بیان ایران سے مفقود ہے اور سب قدیم فارسی کو پسند کرتے ہین۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ محاورۂ حال کو زبان شعر سے بیگانہ سمجھتے ہین۔

جس شہر مین کوئی ایسا شاعر پیدا ہو جاتا ہے جس کا کلام شہرہ آفاق ہو جاے اُس شہر کی زبان مطبوع و مانوس ہو جاتی ہے۔ ظہیر فاریاب سے نکلا اور نظامی گنجہ سے دونون شہرون مین بعد مشرفین ہے۔ اسی طرح عرفی شیراز سے اور صائب تبریز سے۔ نظیری نیشاپور سے اور شوکت بخارا سے غرضکہ تمام ملک ایران و توران کی فارسی انہین شعرا کی سخنوری کے طفیل سے مستند ہو گئی۔ زبان اردو کی عمر ابھی کم ہے۔ ہان ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اگر اردو بولنے والے جب تک تباہ نہ ہو گئے تو جہان جہان اردو بولی جاتی ہے مستند ہو جائے گی اور لکھنؤ و دہلی کی تخصیص نہ رہے گی۔ لیکن ابھی ویسے شاعر نہین پیدا ہوے۔ زبان کو شعر مین اس قدر دخل ہے کہ اُس کی ہر خلاف

عقل وعلم وقیاس کچھہ نہین چل سکتا۔ اگلے وقتون کی باتین جیسے عناصر اربعہ گردش فلکی۔ ابر کا سمندر سے پانی پی کر آنا یورپ اور ایشیا کے شاعر آج تک باندھے جاتے ہین۔ کوئی علمی مسئلہ ہو جب تک زبان پر چڑھہ نہ جاے شاعر اوسکو نہین صرف کرسکتا۔ گو عناصر کا انحصار چار مین ہونا غلط ثابت ہو چکا حرکت زمین مشاہدہ و یقین کے درجہ کو طے کر چکی مگر شعر مین ابھی تک اس تحقیق نے دخل نہین پایا۔ ایران کے گبر یزدان و اہرمن کو خالق کائنات سمجھتے تھے اور اسی سبب سے افعال قدرت اون کے محاورہ مین بصیغہ جمع جاری تھے مثلاً خلق می کنند و رزق می دہند۔ ایران مین توحید پھیلنے کے بعد بھی جمع کے صیغے آج تک محاورہ سے نہ چھوٹے۔ امیر خسرو دہلوی بہار کے ذکر مین فرماتے ہین۔ ع

سنبلہ گل چون درم شہ زدند

تحقیق کی نظر سے دیکھیے تو چاند سا منہ کہنا کس قدر غلط تشبیہ ہے چاند ہزارون کوس کا ایک کرہ ہے جس مین اونچے اونچے پہاڑ اور گہرے گہرے غار پڑے ہوے ہین۔ غرضکہ اہل تحقیق و اہل مدرسہ شعر کو سمجھہ نہین سکتے۔

تشبیہ و استعارہ و مجاز وغیرہ مین زبان کو اس قدر دخل ہے کہ ایک زبان کی تشبیہین دوسری زبان مین بے لطف معلوم ہوتی ہین مثلاً بھاکھا والے آنکھہ کو بھونرے سے تشبیہ دیتے ہین اردو اور بھاکا مین کچھہ زیادہ فرق نہین ہے مگر اردو مین کوئی اس تشبیہ کو کہہ کر دیکھے۔ یہی سبب ہے کہ نئی تشبیہ پیدا کرنا امر اہم ہے اس کے واسطے زبان پر عبور ہونا چاہیے۔ یورپ کے فلاسفہ شاعری و مصوری و موسیقی کو ایک ہی شے کہتے ہین جسکا ماخذ غالباً شیخ الرئیس کا قول ہے۔ شیخ نے بھی شعر کو تصویر سے مثال دی ہے اور یہ

ایسی مثالین ہین جو تعریف سے بڑھ کر حقیقت شعر کو واضح کرتی ہین یعنی ایک ہی طرح کی تخییل ہے جسے شاعر زبان سے اور مصور قلم سے ادا کرتا ہے اور مثل موسیقی کے مصوری و شاعری بھی ایک طرح کا کھیل ہے یعنی شعر اگر خیر ہے تو صدق و کذب کے درمیان اور اگر انشا ہے تو جد و ہزل کے بیچ مین واقع ہے۔ جہان وسط سے شاعر نے تجاوز کیا تو پھر شعر کو شعر نہین کہہ سکتے اگر راستی کی طرف مائل ہوا تو ؎

اللیل لیل و النہار نہار والارض فیہا الماء والاشجار

دندان تو جملہ در دہانند چشمان تو زیر ابرو انند

اسی قبیل کا کلام ہوگیا اور اگر ہزل کی طرف جھک پڑا تو خاصہ مسخرا ہے۔

اس کے علاوہ یورپ کے علما ر فن بلاغت ان باتون کو بھی صنایع و بدایع شعر مین شمار کرتے ہین کہ شاعر در و دیوار سے باتین کرے آسمان و زمین سے خطاب کرے جو شخص سامنے موجود نہین ہے اس سے مخاطب ہو جائے ہر زمانے کو زمانہ حال بنالے۔ پھر مبالغہ جو صریح جھوٹ ہے اس کو بھی ان لوگون نے بدایع شعریہ مین لکھا ہے۔ یہ تکلف اور تصنع نہین تو اور کیا ہے۔

اسکے علاوہ فسانہ لکھنا بلکہ فسانہ نبا ناشعر کا بڑا میدان ہے اور شاعر کے بہت سے کمالات ایسے ہین کہ اگر فسانہ گوئی سے اُس نے احتیاط کی تو وہ ظاہر نہین ہونے پاتے اس سبب سے کہ فسانہ مین ایک دوسری قسم کی بھی تخییل شاعر کو کرنا پڑتی ہے یعنی جس شخص کا ذکر کر رہا ہو اوس کی نسبت وہ باتین بیان کرے جو مقتضاے حال سے مطابق ہو جائین یعنی سچ معلوم دین غرضکہ فسانہ کو اگر جھوٹا نہ کہیے تو سچا بھی نہین کہہ سکتے۔

غزل مین فسانہ کی گنجایش تو کجا لیکن جس شعر مین کوئی معاملہ بندہ جاتا ہے وہ شعر اصل مین ایک چھوٹا سا فسانہ ہوتا ہے لیکن ایسے شعر بھی کم نکلتے ہین اور غزل گو کو مجبور ہوکر یہ میدان چھوڑنا پڑتا ہے اور فسانہ کو چھوڑ کر جس کوچہ مین اب وہ جاتا ہے وہ نہایت تنگ ہے جس مین مضمون کی طرف جانے کا کوئی رستہ نہین ملتا تنگ آکر لطیفہ گوئی و بدیع گوئی کرنے لگتا ہے اور اسی سبب سے غزل کے اکثر اشعار تخییل سے خالی ہوتے ہین اور غزل گو مشاعر متکلف معلوم ہوتا ہے۔

حقیقت شعر کے متعلق یہان تک جو کچھ قلم فرسائی ہوئی اس مین کسی کے لیے اختلاف کی گنجایش نہین۔ یہ سب وہی امور بیان ہوے ہین جو مسلمات سے ہین اس تمہید کے بعد انگلینڈ کے ایک فیلسوف جادوگار مسٹر اڈیسن کا بنایا ہوا ضابطہ مزید بصیرت کے لیے یہان لکھنا مقصود ہے۔

رعایت لفظ و صنایع لفظی کے باب مین اون کی تحقیق یہ ہے کہ "اس صنعت کا مادہ ہر شخص کی طبیعت مین ہر زمانہ مین موجود تھا اور موجود ہے۔ اور جتنی کتابین فن بلاغت مین لکھی گئین سب مین رعایت لفظی اور صنایع بولنے کو زیور کلام لکھا ہے۔ ارسطو نے کتاب بلاغت کے گیارھوین باب مین کئی صنعتین جو صنایع جگت کی قسمین ہین محاسن کلام مین شمار کی ہین اور یونان کے مشاہیر اہل ادب کے کلام سے اون کی نظیرین دی ہین۔ سیسرو بڑا فصیح و بلیغ مقرر و خطیب گزرا ہے اوس نے تقریر و خطابت کی جو جو خوبیان اپنی کتاب مین بیان کی ہین غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی نری رعایت لفظی اور صنایع وغیرہ ہے۔ انگلینڈ مین صنایع بولنا ہنسی دل لگی کی تحریرون مین پہلے جاری تھا لیکن ایک زمانہ ایسا آیا کہ بڑے بڑے لوگ بہت ہی بے محل

اسے صرف کرنے لگے یہان تک کہ تیسیں اندریوز کے مواعظ اور شکسپیر کے
غم انگیز فسانے انہین باتون سے بھرے ہوے ہین لیکن اس کے ساتھ
ہی حیرت کا مقام یہ ہے کہ ایسے ایسے مشاہیر وفضاے دہر کے کلام
مین ان صنعتون نے دخل پایا اور اس زمانہ مین (۱۰ سے ۱۷۱۱ء) انگلینڈ کی
شاعری سے وہ تمام صنایع مفقود ہو گئے مگر کوئی ضابطہ اس بات کے سمجھنے
کے لیے کہ آیا کلام مین دراصل خوبی ہے یا لفظون کا بنایا ہوا طلسم ہے
کسی نے آج تک نہ بنایا مین اس کے متعلق ایک ضابطہ مقرر کیے دیتا ہون
کہ جس کلام سے کچھہ اہتزاز یا استعجاب حاصل ہو اوسکو کسی دوسری زبان مین
ترجمہ کرکے دیکھو اگر اب بھی وہی مزہ آتا ہو تو سمجھو کہ دراصل خوبی ہے اور اگر
دیکھو کہ ترجمہ مین وہ لطف باقی نہ رہا تو سمجھو کہ کچھہ لفظون کا کھیل تھا اور محض
جھوٹی نمایش تھی،،

اس ضابطہ کی رو سے وزن کہ جزو اعظم شعر کا ہے گیا گزرا کہ ترجمہ مین وزن
کا لطف نہین باقی رہتا۔ قافیہ جو فصول شعر مین سے ہے وہ بھی ترجمہ مین نہین
باقی رہتا۔ جزالت الفاظ و سبک عبارت کا یہی ترجمہ مین خون ہو جاتا ہے۔ وہ
تلمیحات و تشبیہات جو جو ہر زبان کے ساتھ خاص ہین ترجمہ مین اون کا لطف
بھی جاتا رہتا ہے اس کے علاوہ انگلینڈ کے مشاہیر شعرا جو اڈیسن کے معاصر
تھے یا بعد ہوے ہین اون کا کلام بھی اس معیار پر پورا نہین اترتا بہت لوگ
ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے ہین مگر ناکامیاب رہتے ہین اون کے تلمیحات
اردو مین بے مزہ اور اُن کے تشبیہات بے لطف معلوم ہوتے ہین۔
زیادہ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ خود مسٹر اڈیسن کی یہی تحریر جو معرض بحث
مین ہے اس معیار پر پوری نہین اوترتی اسی تحریر کے ابتدائی فقرون مین

استعارات موجود ہین فطرت انسانی کو زہین اور بدیع گوئی کو کبھی حتائش اور کبھی
تخم سے تعبیر کرتے ہین یہ ظاہر ہے کہ استعارہ کی بنا تشبیہ پر ہے اور تشبیہ
ایک زبان کی دوسری زبان مین اکثر بے مزہ ہو جاتی ہے زلف کو ناگن کہنا
اردو مین بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن انگریزی مین اس کا ترجمہ کہان ہو سکتا ہے
مگر اس مین بھی شک نہین کہ وزن و قافیہ و جزالت لفظ و سبک عبارت و تلمیح
و تشبیہ و استعارہ وغیرہ سب ظاہری نمایش ہے معانی کی خوبی ان سب باتون کے
علاوہ ایک چیز ہے - گو ابن خلدون و ابن رشیق وغیرہ خوبی معنی کا قطعًا
انکار کرتے ہین اور یورپ کے فلاسفہ نے بھی اس نکتہ کو ثابت کر دیا ہے کہ
خود لفظ کا معانی کے ساتھ جو علاقہ کہ ہم سمجھے ہوئے ہین وہ جھوٹا تعلق ہے
مگر بغیر اس تعلق کے معانی مجردہ تک رسائی ہی نہین کیونکہ معانی بے لفظ کے
ادا ہی نہین ہو سکتے اور لفظون کی جزالت و رکاکت کو معنی کے حسین و قبیح
کر دینے مین بڑا دخل ہے - اڈیسن نے یورپ کے بعض فلاسفہ کا قول
نقل کیا ہے کہ اونہون نے خوبی معانی کو ایک حسین عورت سے مثال دی ہے
کہ لباس پہنے ہوئے ہو جبھی خوبصورت ہے ابن خلدون وغیرہ اس
مثال کو صحیح نہین سمجھ سکتے اس سبب سے کہ معانی تو کبھی اپنے لباس سے
عریان ہو ہی نہین سکتے ترجمہ کر کے یہ سمجھنا کہ معانی لباس لفظ سے عریان ہو گیے
غلط ہے بلکہ یہ سمجھو کہ پہلے اصلی لباس مین تھے اب جامہ عاریت پہنے ہوئے
ہین یہان تک کہ جو معانی ظرف ذہن مین ہین وہ بھی کلام نفسی کا لباس
پہنے ہوئے ہین مجرد ہونا کجا لیکن پھر بھی معانی ایک بے تعلق اور علیحدہ
چیز ہے اور جو شعر کہ بے تصنع ہوتا ہے اور اوس کے معنی مین ذاتی خوبی
ہوتی ہے وہ عجیب دلکش کلام ہوتا ہے بشرطیکہ شاعر کے جذبات سے

اوسے تہذیب کی حد سے خارج نہ کر دیا ہو اور سادگی کے اختیار کرنے مین اکثر کھلے کھلے جذبات شاعر کے قلم سے نکل آتے ہین جو معشوق ہین مگر بے حجاب خوش چشم ہین مگر بے شرم نہ استعارہ کا پردہ نہ کنایہ کی نقاب اور سادگی مین زیادہ تر یہ امر ہی پیش آتا ہے کہ شاعر کے بیان مین اور عامیانہ کلام مین کچھ زیادہ فرق نہین باقی رہتا مگر باوجود اسکے کہ فارسی و اردو کی شاعری اکثر رنگین و مرصع ہے پھر بھی سادہ اشعار سے خالی نہین خواجہ حیدر علی آتش کے دو چار شعر مجھے یاد ہین ؎

نہ تو بھوکے ہوئے تھی ہم نہ تو پیاسی پیدا
ہو گئے روگ یہ دنیا کی ہوا سے پیدا

سینہ صافی سے ہو آئینہ کا رتبہ حاصل
جیسا ہووے کوئی ویسا نظر آتا ہو نہین

تعلق روح سے مجکو جسد کا ناگوار اسہے
زمانہ مین چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

جگر خون ہو گیا بدگو کا اپنے چپکے رہنے سے
خموشی مین بھی مظلومون کی نالہ کا اثر دیکھا

اس طرز کے اشعار کہنے کے لیے شاعر کا علم اخلاق و علم حقایق سے باخبر ہونا ضرور ہے کہ مضامین عالیہ پیدا کر سکے مبصرون نے یہ نکتہ کیا خوب کہا ہے کہ جسکو مضمون ہاتھ نہین آتا اسکو شاعرون مین داخل ہونا چاہتا ہے وہ صنایع بدایع بولنے لگتا ہے اور صنایع و بدایع کہنے لگتا ہے - ایک مشابہت شاعر کے ساتھ پیدا کر لیتا ہے اور اپنی دانست مین بہ تکلف و تصنع اوس الہامی دوہی دولت مین شریک ہو جاتا ہے صنایع معنوی و لفظی سے نفرت دلانے والے یہی لوگ ہین جس کلام مین کچھ جان ہی نہ ہو اور صنایع و بدایع بھرے ہوے ہون وہ ایک کٹ پتلی ہے جسے زیور سے لاد دیا کہ اسکے سبب سے وہ زیور بھی ذلیل ہوا - ہان اگر کسی حسین نے کوئی زیور پہن لیا تو وہ سب کو اچھا معلوم دے گا اتنا زیور اسے بھی نہ پہننا چاہیئے جسے اسکی نزاکت برداشت نہ کر سکے پھٹ پڑے وہ سونا جس سے لوٹین کان - غرض کہ جس کلام مین خوبی معانی کے ساتھ

بے تکلف کوئی صنعت پیدا ہوگئی ہو وہ بلا شبہ حسن رکھتی ہے اور جس کلام مین یہ معلوم ہو کہ صنعت ہی بالذات مقصود ہے وہ صنعت مکروہ و قبیح ہے جناب مرحوم کا یہ شعر

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا — تجھپہ کھل جاوے کہ اسکو حسرت دیدار ہے

اس مین کھل جانے کا لفظ جو آنکھ کے اور سرنامہ کے ضلع کا لفظ ہے اس بے تکلفی سے آگیا ہے کہ حسن دیتا ہے اور اونکا یہ شعر

خط عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد — یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

اس مین صاف معلوم ہوتا ہے کہ ضلع اور ایہام مقصود بالذات ہے اور یہ شعر

بسکہ روکا مین نے اور سینہ مین اوبھرا ہین پے بہ پے
میری آہین بخیہ چاک گریبان ہوگئین

اس مین صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک نئی تشبیہ تراشنا اصل مقصود ہے اور بخیہ اور سینہ کا ضلع ضمناً آگیا ہے یعنی تشبیہ بتکلف آئی ہے اور ضلع بے تکلف آگیا ہے۔

تمام صنعتون مین رعایت لفظی اور ضلع بولنا زیادہ تر ذلیل و مبتذل ہے میرے خیال مین اس کے ابتذال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ صنعت مبتذل لوگون کی زبان پر چڑہی ہوئی ہے اور اہل قلم کا طرز بیان عامیانہ زبان سے ممتاز ہونا چاہیے خصوصاً جہان کوئی بھرتی کا لفظ رکھنے کی شاعر کو ضرورت ہوئی اور اُس نے کچھ رعایت لفظی کرکے اس عیب کو چھپایا ہو اوس مقام پر رعایت اور بھی زہر معلوم ہوتی ہے مثلاً یہ شعر

دی سادگی سے جان پڑون کوہکن کے پانو
ہیہات کیون نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

اس کے دوسرے مصرع مین پہلے رکن کی جگہ افسوس صد حیف ہیہات
مین لفظ بے تکلف موجود تھے شاعر نے ان تینون مین رعایت لفظی کے
خیال سے ہیہات کو اختیار کیا برخلاف اسکے انگلینڈ کے شعرا اس صنعت سے
ایسے بیزار ہوے ہین کہ جہان بے تکلف بھی کوئی رعایت اون کے کلام مین
آجاتی ہے جس کے نکالنے مین ضرور تکلف کرنا پڑتا ہوگا۔ وہ بھی گوارا کر لیتے
ہین مگر اس صنعت کو نہین گوارا کرتے مگر ساتھ ہی اس کے یونانی و لاطینی
کا انگریزی کی شاعری پر اتنا اثر ہے کہ جس طرح عرب کے شعرا مین ٹوٹے ہوئے
مکانون پر رونا ہمیشہ سے بندھا ہوا میدان ہے۔ اسی طرح انگریزی شاعری
مین بت، پرستون کے افسانون کی تلمیحات معرکہ شعرا ہے اور یہ فقط یونانی و
لاطینی کی تقلید ہے اکثر لوگون نے بہت چاہا کہ عروض بھی انہین دونون زبانون
کا اختیار کر لین مگر بہت جلد اس نکتہ کو سمجھ گئے کہ ہر زبان کا عروض اوس زبان
کے اوزان کلمات کا تابع ہوتا ہے اور وہی عروض اوس زبان کا طبعی
عروض ہے اگر انگریزی مین یونانی یا لاطینی عروض کو جاری کرین گے تو شعر
مین صدہا قسم کے تکلفات پیدا ہو جائین گے۔ غرضکہ وہ لوگ تو اس غلطی
سے باز رہے مگر ہمارے شعر مین عرب کے اوزان و میزان کو دخل ہو گیا وزن
خود ایک طرح کا تکلف ہے اور جب غیر زبان کا وزن اختیار کیا تو تکلف در تکلف
ہو گیا اور وزن مین تکلف و تصنع کرتے کرتے فارسی و اردو گو شعرا کو ہر چیز مین
تکلف کی عادت ہو گئی۔ اساس الاقتباس مین محقق طوسی کا قول دلالت کرتا
ہے کہ وزن کو تخییل مین دخل ہے میرے خیال مین اگر کوئی غلطی ان دونون
زبانون کی شعر مین ہے تو بس یہی ہے کہ عروض غیر طبعی کو اختیار کیا ہے اور
اس بے راہ روی پر کسی کو تنبیہ بھی ابھی تک نہین ہے۔ رہا یہ کہ صنایع و

بدایع کے استعمال مین حد اعتدال سے بڑھ جانا اس سے کوئی نہین بچا ہے
شیکسپیر جس مرتبہ کا شاعر گزرا ہے اور زبانون مین ایسے شاعر کم پیدا ہوئے
ہین۔ کارلائل نے اُسے پیغمبر سخن کا خطاب دیا ہے اور اُس کے کلام کو سلطنت
ہند سے بڑھ کر گران قدر شمار کیا ہے اُس کی نسبت اڈیسن کا قول ہے کہ
شیکسپیر مین یہ عیب ہے کہ مضمون واقعی کو استعارون مین الجھا کر خراب
کر دیتا ہے اور فسانہ کنگ لیر مین شاعری کر کے اُس کی آدمی خوبی اُس نے
برباد کر دی۔

قول فیصل یہ ہے کہ تمام صنایع و بدایع لفظی و معنوی کے زیور کلام ہونے
مین شک نہین اگر بے محل نہ ہو اور حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔ یہان تک
کہ ضلع اور جگت بہت ہی مبتذل صنعت ہے اگر مزاح و تمسخر و ہجو کے محل
مین صرف ہو تو وہ بھی حسن سے خالی نہین۔ البتہ صنعت کے بے محل استعمال
ہونے سے یا افراط صنایع سے یا کہی ہوئی صنعت کے بار بار کہنے سے سامعین
کو تنفر پیدا ہوتا ہے وہ جانتے ہین کہ صنعت بڑی چیز ہے اور اصل امر یہ ہے
کہ اس مقام پر منشاء تنفر نفس صنعت نہین ہے بلکہ شاعر کی بے سلیقگی منشاء
نفرت ہے جو لوگ اِن دونون باتون مین امتیاز نہین کرتے وہ نفس صنعت
کو برا کہنے لگتے ہین۔ صنایع و بدایع کو اگر لفظون کا کھیل سمجھ کر ترک کیا جائے
تو وزن و قافیہ سے بھی دست بردار ہونا چاہیے کہ وہ بھی تو لفظون ہی کا کھیل
ہے الفاظ کے اُلٹ پلٹ کرنے سے کلام موزون پیدا ہوتا ہے بلکہ وزن کی
لیے ترتیب الفاظ مین تکلف و تصنع کو عمداً اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اگر صنایع کے
ساتھ وزن و قافیہ کو بھی خیرباد کہین تو البتہ لفظی تکلفات سے بالکل چھٹکارا
ہو جائے گا اور ہماری زبان کی شاعری محض قضایائے شعریہ پر منحصر ہو جائے گی

لیکن اب بھی مین کہون گا کہ قضایائے شعریہ تخییل سے خالی نہین ہو سکتے اور تخییل خود ایک تکلف و تصنع ہے لفظی نہین معنوی سہی۔ جس کو محض سادگی ہی پسند ہے وہ اس تصنع معنوی کو بھی کیون گوارا کرے۔ اس تصنع کے علاوہ جن لوگون نے حقیقت تخییل پر فلسفیانہ نظر کی ہے اُنھون نے بڑی قباحت اس مین پائی ہے۔ مسٹر لوک کی رائے ہے کہ جن لوگون مین تخییل کی قوت زیادہ ہوتی ہے اُن مین تحقیق و تدقیق کی صفت اکثر نہین ہوتی اس وجہ سے کہ تخییل کا تو کام یہ ہے کہ اُس کے سامنے جو خیالات کا انبار لگا ہوا ہے اُن مین تشبیہ و تمثیل ڈھونڈھ کر ایک دل کش مرقع تیار کرے اور باغ سبز لگائے برخلاف اس کے تحقیق کا یہ کام ہے کہ تمام خیالات مین تمیز و تدقیق کرے کہ ایک دوسرے سے مشابہ ہو کر دھوکے مین نہ ڈالین یہی سبب ہے کہ صاحب تخییل کو اکثر امور مین التباس و اشتباہ رہتا ہے وہ متمائز باتون مین ذرا سی مشابہت دیکھ کر دونون کو ایک سمجھتا ہے وہ متغائر مضمونون مین ذرا سا میل دیکھ کر دونون کو خلط کر دیتا ہے اس کے علاوہ امام غزالی کا مین نے ایک قول دیکھا ہے جس سے تخییل کی اور بھی مٹی خراب ہو گئی حاصل اُس کا یہ ہے کہ جو تخییل کا دل دادہ ہوتا ہے وہ فیضانِ معارف سے دور رہتا ہے وہ فرماتے ہین کہ اسی سبب سے شاعر کے قلب مین انعکاس انوار معرفت کی بہت کم قابلیت ہوتی ہے گویا کہ تخییل آئینہ ذہن کے لئے زنگ ہے۔

غرض کہ زاہد خشک بن کر شعر کو دیکھیے تو شعر ایک دل لگی اور کھیل اور شاعر ایک جنونی و سودائی معلوم ہوتا ہے استعارہ و تشبیہ معانی کے کرتب اور مراعات و ترصیع لفظون کا کھیل اور ایہام و استخدام ان دونون کا ایک

شعبدہ ہے تخییل شعر ایک طلسم آب و رنگ ہے جو حقیقت مین کچھ بھی نہین لیکن شاعر کی نظر مین یہ حضرات مرفوع القلم ہین جب ان کی نگاہ مین آئینہ خانۂ قدرت ایک نمائش سراب اور نگارستان خطرت محض نقش بر آب ہے تو پھر شعر کی کیا حقیقت رہی۔ یہ سچ ہے کہ شاعر نبی یا ولی تو نہین ہوسکتا لیکن اُس کی زبان بھی خزانہ تحت العرش کی مفتاح ہے یہ کوئی نہین کہہ سکتا کہ تخییل شعر نے ملٹن کے محقق ہونے مین اور حکیم سنائی و مولوی روم کے عارف ہونے مین کچھ شبہ ڈال دیا ہو۔ بات یہ ہے کہ تخییل کے اقسام مین ایک تخییل ہے رنداعہ جسمین شاعر مذہب طیبین رکھتا ہے اور یہ تخییل البتہ معرفت سے دور ہے۔ ایک تخییل ہے عارفانہ جس مین شاعر مذہب الہیین رکھتا ہے اور یہ تخییل عین عرفان ہے۔ شاعر جب نازک خیال کرتا ہے تو اُس کی فکر انتہا کی دقیقہ شناس ہوتی ہے اور جب اشعار مثالی کہتا ہے تو اُس کی فکر غلط و التباس سے کام نکالتی ہے۔

غرض کہ شعر ایک فطری و طبعی فن ہے اس پر اہل مدرسہ و اہل فلسفہ کے جتنے اعتراض ہین سب ناقابل قبول ہین جس نے اِن کے اعتراضات سے دھوکا کھایا اُس نے اپنی شاعری کو خراب کیا۔ سید علی حیدر نظم

ابوالعلا معری جس کی نکتہ آفرینی عربی شاعری کے حسن کے لیے مایۂ زینت ہے خاقانی کا استاد تھا اور اس کا فارسی کلام بھی بڑے پایہ کا تھا ایک دفعہ استاد اور شاگرد مین جھڑپ ہوگئی۔ فارسی شاعری اُن فواحش کے لحاظ سے جو اسی کی امانی کا حصہ ہین اپنی مثال آپ ہے۔ استاد شاگرد مین جو جھگڑا بازی ہوئی حالانکہ آتی ہے کہ اُسے سپرد قلم کیا جائے۔ البتہ ابوالعلا کے ان دو شعرون مین زیادہ چلنسات پائی جاتی ہے۔

خاقانیا اگرچہ سخن نمک دانیا — یک نکتہ گویمت۔ بشنو رانگا نیا

ہمچو کسے کمن کہ ز تو مہ بود بسن — باشد کہ او پدر بود تو نہ دانیا

بادل

بجلی چمکی گرجا بادل
برسات آئی چھایا بادل

جل تھل آج بھرے گا بادل
پانی پی کر آیا بادل

وہ پورب سے چمکی بجلی
وہ اُتر سے اُٹھا بادل

کجلی بن کا رہنے والا
شاید ہے یہ کالا بادل

آمد ہے پھر فصل گل کی
صحن چمن پر چھایا بادل

میکش کہتے ہیں خوش ہو کر
اٹھا بادل اٹھا بادل

گلشن میں پھر لہرائی
بن جائے گا ہالا بادل

کوکے ہیں دادر چمن میں
دیکھتے ہیں جب کالا بادل

گوری گوری گوری بجلی
کالا کالا کالا بادل

میری آنکھوں کے نیچے ہے
نظروں میں ہوا اونچا بادل

کوئل ہے گریاں گاہے نالاں
بجلی پر ہے شیدا بادل

دیکھو تو ستانے چالیں
کچھ تو ہے متوالا بادل

دردا تھی ہے اور یہ صیغم
کالا بادل بھورا بادل

اس کی طینت میں ہے پستی
کہنے کو ہے بالا بادل

بجلی جب بڑھتی ہے آگے
رانوں کو ہے چلتا بادل

قیس کو ہجر میں کالی بلا ہے
موروں کو ہے لیلیٰ بادل

دردوں میں اب ایک کمی ہے
دونوں گنگا جمنا بادل

کیا پیارے ہین ٹکڑے اسکے — تختہ حسن کا ہے یا بادل
شاہد گل پہ للچاتا ہے — ڈال رہا ہے ڈورا بادل
بجلی چمکی اب تو بدلے — اپنا رونا چھورا بادل
دوڑ رہا ہے چارون جانب — ہے متجسس کس کا بادل
قطرے گرتے موتی بن کر — کچھ فیاض جو ہوتا بادل
گرگٹ کی خاصیت سیکھی — رنگ نیا ہے بدلتا بادل
رنگا رنگ ہین ٹکڑے اسکے — دلق صوفی ہے یا بادل
دیکھ کے رند بنے دیوانے — پریون کا ہے سایا بادل
جھوم کے اٹھی کالی گھٹائین — جھوم کے برسا کالا بادل
پانی مین ہے نشہ صہبا — گرتا پڑتا آیا بادل
پیر فلک کی بند ہین آنکھین — آنکھون پہ ہے پردا بادل
بجلی سے کیا چمکاتا ہے — اپنا کالا چھورا بادل
کالے کالے ڈورے اپنے — بجلی پر ڈالے گا بادل
زندہ کیا دم بھر مین زمین کو — ہے اعجاز مسیحا بادل
چلتا ہے کس ناز و ادا سے — آہستہ آہستہ بادل
رنگین صورت قوس قزح کی — بارش مین ہے دکھاتا بادل
قدرت کی رنگینی دیکھو — سرخ شفق ہے کالا بادل

شیفتہ سب ہین نسا کی شکلین
کوئی ہو بجلی یا بادل

سید کاظم حسین شیفتہ کنتوری

دیباچہ مثنوی راسخ

(از عین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای)

اللہ اللہ سخن راجہ دلربائی دادہ اند کہ بدیں جمال او دل از دست میرود و تاثیرے عجیب پیدا می شود نمی دانم کہ سحر است یا اعجاز الامی دانم کہ سحر و اعجاز ہمان می کنند آنچہ سخن میکند خصوصاً سخنے موزون کہ از زبان صاحب دلے برآید ناوکے باشد کہ بدل در آید۔ راقم السطور کہ از بدو شعور مخمور صہبائے معانی است فی الحال مثنوی راسخ چنان کلامے دلاویز دیدہ کہ از ذوقش بے خود گردیدہ و یقین است کہ ہر کہ بیند و الہ و شیدا گردد ؎

راسخ است این و بدلہا راسخست　　نسخہ اش دیوانہا را نا سخست

بندہ را این مثنوی از دست مولوی سید نور الضیاء الدین ضیا ہدیہ رسیدہ است و بلاشبہ ہدیہ گران قدر است کہ مرا بہ سپاس گزاری ایشان مجبور گرداند۔ توصیف چنین کلام بدیع چندان کہ نگاشتہ آید کافی نیست ہر مصرع مصرع او مصرع یگانہ مردان سخن دان است۔ و ہر اشارۂ او نشتر زن رگ جان سخن استعارات لطیف و تشبیہات نادر طریف باین پایہ در ہیچ سخن بنظر نیامدہ۔ قال ست حال است کہ روح الوجد و فلغلہ آرد۔ و دل را بنشاط و لولہ اندازد۔ ذوق را ہر کہ بخشد حلاوتے تازہ بخشد۔ چونکہ این مثنوی مطبوع طباع غیر مطبوع انطباع بود خواستم کہ دیگر مشتاقان سخن نیز ازین خوان سخن کہ راسخ گستردہ است بہرہ یاب شوند۔ طبع کردن ایسا کردم بحمد اللہ کہ مطبوع گردید۔ و نام راسخ را کہ بگوشۂ خمول افتادہ بود بہ اوج شہرت رسانید۔ واضح باد کہ مولد و منشاء راسخ سرہند شریف

است - اسم گرامی او میر محمد زمان سید دالا تبار او بود - در تذکره دیدم که آسیخ از عمده ملازمان شهزاده محمد اعظم بود و منصب - هفت صدی سرفراز می داشت و فاتش در ۱۱۱۵ ه واقع شد - آسیخ پیرو ثانی تاریخ رحلت اوست - ناصر علی سرهندی و آسیخ سرهندی همعصر بودند و هر دو صوفی باشرع و صاحب حال داشتند و هر دو مثنوی در تصوف گفتند - الا بران با بصیرت پوشیده نیست که کلام راسیخ در نزاکت و لطافت عالمے دیگر دارد - باشد که دیوان آسیخ مطبوع شده باشد لیکن از نگاه من نگذشته - مشتاق و متلاشی ام - چند بیتے از دیوان او بتذکره یافتم در اینجا نقل می کنم ؎

یاد از شام غم بزم خموشان کردیم — مشتے از سرمه گرفتیم و پریشان کردیم
جامهٔ صبر به بالاے جنون تنگ آمد — آنچه از دست بر آمد گریبان کردیم

گله شگفت که من جام باده نازم — دمے طپید که من نیم بسمل رازم
دمے بجلوه در آ که عالمیست سوزم — شکست شیشه که قربان شوخی نازم
فروش ریخته بر دل که نغمه شوقم — ببینه تا خته ناخن که زخمه سازم
زپا فتاد تمنا کز آستان دوبم — طپید دست تاسف که بال پروازم

کدامی نالهٔ شد افسانه خواب پا بطفت را — چو شبنم سوخت چشم انتظار این نامه بر مے
زبوے مریم کافور داغم رنگ می بازد — چرا غم ناز پرور دسته اے باد سحر مے

واقع کلام این سید سید الکلام است - و از قرائن بحالش اولے قرین انسجام هر بیتش رابیت متیقن و بر است و دیوانش را هزار و فقر شاد رخوراست - اگرچه تجدیدش از مایش ازین شایان - لیکن آن جا که عیان است چه حاجت به بیان است -

شاد عفی عنه

مولانا بحر العلوم کی نسبت "سب ایڈیٹر صاحب الندوۃ" کے اعتراضات اور اُن پر ایک نظر

(۶)

مولانا بحر العلوم کی اُن عربی تحریرات مین جس پر مولوی سید سلیمان صاحب نے نکتہ چینی کی ہے میرے نزدیک کوئی ایسی سستی نہین پائی جاتی جس سے اُن کے اوپر ہرسلیقہ پر کوئی حرف آسکے۔

مولانا کی تصنیفین اس وجہ کہ مضامین دقیقہ پر مشتمل ہین عموماً داخل نصاب مدارس نہین کی گئین۔ اور اس عدم تداول مین المتعلمین کی وجہ سے جن اہل مطابع نے مولانا کی بعض مصنفات کو چھاپا ہے تصحیح و مقابلہ کا بہت کم اہتمام کیا ہے۔ علاوہ برین قلمی نسخے بھی جو کمیاب ہین اکثر بوجہ عدم تداول اصل نسخہ سے مقابلہ شدہ نہین ہین بنابرین مولانا کی عربی عبارات کے متعلق صحیح تنقید اُسی وقت ہوسکتی ہے کہ بلا نسخ و مسخ مولانا کی اصلی عبارات دستیاب ہون مگر یہ امر دشوار ہے۔

اب مین اُن ادبی نغزشون کو جو بحر العلوم کی عبارات مین مولوی سید سلیمان صاحب نے دکھائی ہین انھین کے الفاظ مین نقل کرکے اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتا ہون

نام کتاب	نقل عبارت	فاضل ایڈیٹر کے اعتراضات
دیباچہ میر زاہد جلالی	یعربہ عما فی الضمیر	تعریب کے معنی کسی سے حمایتاً بولنے کو کہتے ہین جو یہان مناسب نہین۔ بلکہ اعراب ہونا چاہیئے تھا جس کے معنی اظہار مطلب کے ہین۔ اگر اعراب ہی ہو اُس کو مشتق تسلیم کرلیا جاوے تو یعربہ کی ضمیر منصوب کا مرجع کیا ہی؟

فاضل ایڈیٹر نے اس لفظ کو جو بہ زعم خود "یعربہ" سمجھا ہے بالکل غلط ہے بلکہ یہ فقرہ یعبر عما فی الضمیر بالتعبیر سے ملحق ہے نہ کہ تعریب و اعراب سے اور اس ضمیر کو

منصوب لکھا ہے حالانکہ وہ منصوب نہیں بلکہ مجرور ہے۔ اور لفظ یعبر بہ بصلہ عن کثیر الاستعمال ہے۔ میں نے یہ فقرہ اُس قلمی نسخہ میں جو شیخی و مرشدی کے پاس موجود ہے اور آپ کی نظر انور سے گذرا ہے صاف طور پر یعبر بہ عما فی الضمیر لکھا ہوا دیکھا ہے بلکہ نسخہ مطبوعہ ہاشمی میں بھی ایسا ہی چھپا ہے۔ پس یعبر بہ عما فی الضمیر کے صحیح اور ناقابل اعتراض ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

دیباچہ حاشیہ میرزاہد	نشکرہ بما خصصنا	شکر کا صلہ نہیں آتا ہے علی آتا ہے دوسرے نشکرہ سے نشکرہ زیادہ فصیح ہے۔

کتب ادب کے اس قول سے کہ شکر کا صلہ علی آتا ہے یہ مراد ہے کہ شکر مشکور علیہ کی طرف علی کے ذریعہ سے متعدی ہوتا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ لفظ شکر کے بعد دوسرا کوئی حرف نہ لایا جائے۔ جب مشکور بہ کا ذکر کرنا چاہیں تو شکر کے بعد ضرور لگانا ہوگا جس طرح حمد میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ حامد۔ محمود۔ محمود علیہ محمود بہ اسی طرح شکر میں بھی شاکر مشکور مشکور علیہ مشکور بہ چار ہوتے ہیں۔ اور جب مشکور بہ کو بولنا چاہیں تو ضرور اُس کو ب کے ساتھ ہی استعمال کریں گے اور یہاں مولانا نے جو شکر کے بعد بما خصصنا فرمایا ہے وہ مشکور بہ ہے نہ کہ مشکور علیہ ایسے مقام میں شکر کے بعد ب کا لانا جائز ہے نیز اس ب کو باء سببیت بھی کہہ سکتے ہیں اور مشکور علیہ محذوف ہے۔

افصح الکلام کلام اللہ میں شکر جس طرح باللام مستعمل ہے بغیر اللام بھی مستعمل ہوا ہے۔ سورۂ نحل ع ۱۴ واشکروا نعمۃ اللہ الخ

افصح العرب والعجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (جن کی یہ شان ہو کہ انا افصح العرب بید انی من قریش) متعدد احادیث میں لفظ شکر بے لام مستعمل ہوا ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ واذا اشبعت حمدتک وشکرتک۔ (رواہ احمد و الترمذی)

دعا رتنوت مین ہے نشکرک ولا نکفرک۔ کسی اہل زبان کا شعر ہے ؎ اساشکر
عمدًا ان تراخت منیتی۔ ایادی لم تمنن وان ھی جلت۔ بنابرین شکر کا بے لام
استعمال کرنا کسی طرح باعتبار علم ادب قابل گرفت نہین ہوسکتا بلکہ صاحب صراح کا
یا نام کو بے لام ہے افصح کہنا مذکورہ بالا کی مدنظر رکھنے کے بعد بے اصل معلوم ہوتا ہے

دیباچہ حاشیہ ۳ | الشبہ ..... نحمد | ایک ہی عطفی جملہ مین ایک جگہ واحد متکلم دوسری جگہ جمع متکلم۔

جو نسخہ کہ ہمارے پاس موجود ہے اُس مین نحمد سے پہلے کوئی حرف عطف نہین ہے مگر ونشکرہ لکھا ہوا ہے جس کو نحمدہ ونشکرہ جمع متکلم یا بحمدہ وبشکرہ جار ومجرور متعلق فعل محذوف سے پڑھ سکتے ہین۔ پس اس صورت مین کہ نسخون کی صحت پر اعتماد ہم کو چاہیے کہ صورت ثانی اختیار کرین جس پر کسی قسم کی غلطی کا احتمال نہین ہوسکتا

حاشیہ ۴ | لاتقیم حقیقتہا | فعل متعدی کے یہان کوئی مناسب معنی نہین ہوتے بلکہ لاتقوم چاہیے۔

یہان مولانا یہ افلک لاتھدی الخ مین لفظ لاتھدی کے (جس مین کہ بحث ہورہی ہے) مرادی معنی بیان کرتے ہین۔ یعنی لاتھدی سے مراد لاتقیم حقیقتہا الاباذاۃ المعجزات۔ یعنی اے نبی حقیقت ہدایت کو تم بجز ارایت معجزہ کے قائم نہین کرسکتے ہو اور معجزات تو میری جانب سے ہین پس ہدایت میری ہی جانب سے ہے نہ کہ تمھاری قدرت سے۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ لفظ تقیم برمحل استعمال کیا گیا ہے اور اُس کی جگہ مین تقوم کہنا بے محل ہے۔

دیباچہ ۵ | رسالہ ارکان جعلہ مظہرا لعجائب | مولفہ کی یہان کوئی معنی ہین اور نہ ترکیب صحیح ہے

فاضل ایڈیٹر نے یہان لفظ مظہر کو العجائب کی طرف مضاف سمجھ لیا ہے مگر دراصل ایسا نہین ہے لفظ مظہر کے بعد جو الف ہے وہ علامت نصب ہے جیسا کہ ضربت زیدًا

مین زید کے بعد لکھا جاتا ہے لہذا جائب جار و مجرور ہے مولانا عجائب کی صفت ہے یعنی جناب باری نے نبی کریم کو تناسب عجائب کا مظہر بنایا یہ اراد تناسب سے متناسب فی الکمال ہے پہلے فقرہ مین مختلفہ اور دوسرے مین متوافقہ صفت طباق کی بنا پر لایا گیا ہے۔

سید ولد آدم	ولد کی جگہ اولاد چاہیے۔

حدیث مین ہے انا سید ولد آدم ولا فخر الخ۔ مولانا نے اس حدیث سے دیباچہ مین اقتباس کیا ہے جب حدیث مین لفظ ولد مستعمل ہے تو اس مین مولانا کا کیا قصور ہے علاوہ برین صراح و قاموس وغیرہ سے ظاہر ہے کہ لفظ ولد مفرد و جمع دونون مین مستعمل ہوتا ہے الولد بحرکۃ بالضم والکسر والفتحۃ واحد وجمع و قد یجمع علی اولاد۔

والی العمل	دلالت کا صلہ علی آتا ہے۔

والی الخ مولانا کی عبارت نہین ہے بلکہ یہ حدیث نبوی ہے جس کو مولانا نے نقل کیا ہے۔ حدیث مین علی عمل ہے پس الی کی جگہ علی لکھ دینا چاہیے اس کو مولانا کے ادب سے کچھ تعلق نہین۔ ارکان کے پاس قلمی نسخہ مین جو شیخی و مرشدی کے پاس ہے علی عمل لکھا ہوا ہے یہ نہین کہ الی کو پھیل کر علی بنایا گیا ہو۔ بلکہ سرے سے ہی علی لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس نسخہ مین الی لکھا ہوا ہے غلط نسخہ ہے فقط

محمد عبد الجبار

مدرس مدرسۂ باقیات الصالحات

ویلور

فنونِ لطیفہ

(۱)

فنِ تعمیر

سائنس (علم) اور آرٹ (فن) بہنین بہنین ہین - یا یون کہو کہ بہائی بہن ہین آرٹ کا کام بعض باتون کے لحاظ سے عورت کے کام سے مشابہ ہے - اُسکا فرض یہ نہین ہے کہ دنیا کے دنگل مین ہاتھ پاؤن مارے - بلکہ یہ ہی کہ اپنی گرد وپیش کی اشیا مین جلوۂ حسن پیدا کرے - اُنھین اپنے صنعت کے سانچے مین ڈھال کر سرمایۂ لذت وسرور بناوے -

(البک)

ایک زمانہ تھا کہ انسان ننگا پھرتا اور ساگ پات پھل پھلاری اور گوشت کھاکر پیٹ پالتا تھا - اس حد سے جب اس نے قدم آگے بڑہایا تو تمدن نے جانور پالنے اور کھیتی کرنے کی تعلیم دی - اب آفتاب صنعت نے افق اکتشاف سے سر نکالا - بنی آدم مین اپنی ضرورت کی چیزین تیار کرنے کا سلیقہ پیدا ہو چلا اور اُنھون نے پتھر اور پھر لوہے وغیرہ کی چیزین بنائین - اسی طرح ایک ضرورت کے بعد دوسری ضرورت پیدا ہوئی اور مصنوعات انسانی مین اضافے پر اضافہ ہونا شروع ہوا -

پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ انسان کچھ چیزین اپنے شوق سے تفریح طبع کے طور پر بنانے لگا اور ضروریات عالم سے اتنا فارغ ہوگیا کہ بہت سی چیزین جو مرغوب طبع ہوئین اس نے الگ کرلین اب گویا اشیاء نفیسہ کا احساس اُس کے ذہن مین ہونے لگا اور طبیعت مین اچھی چیزون کو دیکھ کر ایک قسم کی گدگدی سی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ اس حالت نے اور ترقی کی اور ایسی چیزون کی ایجادین شروع ہوئین جن کی انسان کو اپنے لوازمات زندگی کے لئے حاجت نہ تھی بلکہ محض اس لئے بنائی گئین کہ وہ اُسے اچھی معلوم ہوتی تھین۔

یہی چیزین جو اُس نے اپنی رغبت طبع اور ذوق حسن کی خاطر بنائین اختلاف نوعیت کے لحاظ سے مختلف فنون مین تقسیم ہوگئین۔ جنھین بعد مین فنون لطیفہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ فنون لطیفہ انسانی افعال کے ایسے نتائج کا نام ہے جو محض حسن جمال کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی ہین۔ نہ کہ ضروریات دنیا کی وجہ سے۔ اس لئے جو شے اُن سے پیدا ہوتی ہے اُس سے کوئی دنیاوی نفع نہین ہے بلکہ وہ اس ظاہری نفع اور آمدنی کے خیال سے منزہ اور اس قسم کی تمام کدورتون سے پاک ہے۔ سڈنی کاون۔ انسکلوپیڈیا برطانیکا مین فنون لطیفہ کی اس طرح تعریف کرتا ہے۔ "بہت سی مختلف چیزین جو انسان اس لئے کرتا ہے کہ وہ اُسے پسند ہین۔ فنون لطیفہ ان مین ایسے ہین جن کے نتائج سے بہت سی مستقل اور بے لاگ خوشیان حاصل ہوتی ہین۔ اور جن کے بقائے دوام کے لئے ایسے ہنر (ملکہ) کی ضرورت ہے جو غور و فکر کا نتیجہ ہو۔ یہ بقا ایک حد تک ضابطہ اور قواعد کے حدود مین آسکتی ہے۔ لیکن اس سے آگے وہ قواعد کی رسائی سے باہر ہے اور کسی قاعدہ سے محیط نہین ہوسکتی"

اسی مصنف نے فنون لطیفہ کو تین مدارج مین تقسیم کیا ہے۔

الف { (۱) صورت گری اور
(۲) حکم

پہلے زمرہ مین اُس نے فنِ تعمیر۔ فنِ سنگ تراشی اور فنِ مصوری کو داخل کیا ہے اور دوسرے مین فنِ موسیقی۔ اور فنِ شاعری کو۔

ب { (۱) وہ فنون جن مین کسی شے کی نقل کی جاتی ہے اور
(۲) وہ جن مین کسی شے کی نقل نہین کی جاتی

اول الذکر سے وہ فنون مراد ہین جو کسی شے کو بیان کرتے ہین اور آخر الذکر وہ جو کسی شے کو بیان نہین کرتے۔ اول الذکر مین مصنف مذکور نے فنِ سنگ تراشی۔ فنِ مصوری اور فنِ شاعری کو داخل کیا ہے اور آخر الذکر مین فنِ موسیقی اور فنِ تعمیر کو۔ کیونکہ ان کے سننے یا دیکھنے سے کسی خاص شے یا واقعہ کی تصویر ہمارے آنکھون کے سامنے نہین پھر جاتی۔ گانا ہم سنتے ہین تو آوازین جو نکلنے کے ساتھ ہی فنا ہوتی جاتی ہین۔ اُن کا ایک سلسلہ ہمارے کانون مین ایک قسم کی سریلی اور دلربا جھنکار پیدا کرتا ہے اور ہمین ایک ایسا نغمہ سنائی دیتا ہے جو کسی پہلے سے موجود شے کی نہ تو نقل ہے اور نہ کوئی واقعہ اُس سے ہماری نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ بلکہ ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اپنے انداز مین بالکل نرالی ہے۔ اسی طرح عمارات ہمارے تواے ظاہری و باطنی پر اپنے حسن و دلربایانہ سے جو بخلاف موسیقی کے ان مین وہ اتنا باقی رہتا ہے ایک دلفریب اثر پیدا کرتی ہین اور ایک ایسی شکل سامنے لاکھڑا کرتی ہین جو نہ تو کسی واقعہ یا شے کی تصویر ہے اور نہ کسی اور شے کی۔ بلکہ اپنی جگہ پر بالکل ایک نئی چیز ہے۔

ج { (۱) وہ فن جو کارآمد ہین اور
(۲) وہ جو کارآمد نہین ہین

اول الذکر مین صرف فن تعمیر ہے۔ اور باقی چار فن قسم آخر الذکر مین شمار کیے جاتے ہین۔ لفظ "کار آمد" سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس فن سے جس کی یہ تعریف ہے ہمارا کوئی کام نکلتا ہوگا اور جب ہمارا کام نکلا یعنی ہماری احتیاج دنیاوی مین سے کوئی حاجت پوری ہوئی تو کیا فنون لطیفہ کی تعریف کے لحاظ سے جو اوپر بیان کی جا چکی ہے کوئی نقیض تو واقع نہین ہوتی؟ فنون لطیفہ جب انسانی افعال کے ایسے نتائج ہین جو دنیاوی ضرورتون کی وجہ سے منتج نہین ہوتے تو پھر اُن کی زمرہ مین فن تعمیر کو کیون داخل کیا گیا؟ کیونکہ اس سے بے شک ہماری ضرورتین رفع ہوتی ہین اور ہم مکانون مین رہتے اور اُن سے نفع حاصل کرتے ہین۔

اس اعتراض کے جواب مین یہ کہا گیا ہے کہ فن تعمیر سے دو نون باتین حاصل ہوتی ہین۔ اس سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے وہ نہ کسی مالی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور نہ کسی غرض پر مبنی ہوتی ہے بلکہ محض ذوق حسن و جمال اس کا باعث ہے کسی عمارت کو دیکھ کر طبیعت خوش اس وجہ سے نہین ہوتی کہ وہ اتنی بڑی قیمتی ہے بلکہ اس لئے کہ وہ کس قدر خوبصورت ہے۔ احساس حسن کی یہ گدگدی اُسی طرح کی ہے جیسی کسی عمدہ تصویر یا کسی خوبصورت پتھر کی مورت کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فن تعمیر کا شمار باوجود ایک کار آمد فن ہونے کے فنون لطیفہ مین کیا جاتا ہے

فنون لطیفہ کی تحصیل کے لئے تندہی شرط ہے مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر شخص محض تندہی سے ماہر فن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مذاق سلیم اور میلان طبع وہ ایسی چیزین ہین جو ہر شخص کو حاصل نہین ہوتین بلکہ انہین انسان اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے تعلیم و تربیت سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ یہ کچی معدن سے نئی نکلی ہوئی دھات آلودگی سے پاک ہو جاتی ہے اور صیقل ہو کر چمکنے لگتی ہے اور آگ کی یہ چنگاری جو فن کے کسی کونے مین بوبی موجود ہوتی ہے تعلیم و تربیت کی ہوا سے بھڑک اُٹھتی ہے۔ علاوہ اس کے

فنونِ لطیفہ مین کمال اس طرح حاصل نہین ہوتا کہ اشیاء قدرت مین کوئی تغیر تبدل یا ترقی کی جاسکے بلکہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ تمام کائنات مین اس بات کی تلاش کی جاسے کہ کون کون سی چیزین نہایت پیاری۔ ستھری اور عیوب ظاہری سے پاک ہین۔ ان سے محبت کرنا۔ صانع کا اپنی مقدور بھر شے مصنوعہ مین ایسی ہی دلآویزی پیدا کرنا جیسی کہ اشیاء قدرت مین موجود ہے اور شے مصنوعہ مین ایک خاص ادا پیدا کرکے دوسرون کے خیالات کو متوجہ کرنا۔ حصول کمال کے لازمات مین سے ہے۔ صنعت اُس وقت تک کامل نہین سمجھی جاتی جب تک مصنوع کی تکمیل مین صناع اپنی محبت حسن کا ایک اندازۂ مناسب کے ساتھ اظہار نہین کرتا۔ مگر اس مین بھی یہ ٹھہرا ہے کہ جب جمال سے مغلوب ہوکر اُس نے اپنی غرض کے پورا کرنے مین حقیقت کا کوئی جزو نہ زائل کر دیا ہو۔[1]

ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ فنون لطیفہ سے مراد فی زمانا یہ پانچ فن ہین (۱) فن تعمیر (۲) فن بت تراشی (۳) فن نقاشی (۴) فن موسیقی اور (۵) فن شاعری۔ ذیل مین ان مین سے ہر ایک پر مختصر سی بحث کی جاتی ہے۔

فن تعمیر انسان نے جس وقت معاشرت مین ترقی شروع کی تو یہ ضروری معلوم ہوا کہ رہنے سہنے کے لئے مکانات بنائے جائین اس پر جھونپڑون کی ایجاد شروع ہوئی پھر جھونپڑون سے لکڑی اور مٹی کے مکانات اس کے بعد پتھر کے مکانات بننے لگی رفع ضرورت کے بعد مکان کو خوبصورت بنانے کا خیال پیدا ہوا اور ایک خاص قوت نے جو انسان کو دیگر حیوانات پر ترجیح بخشتی ہے اندر ہی اندر ابھارا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فن تعمیر نے فنون لطیفہ کے میدان مین قدم رکھا اور ایسے مدارج اعلیٰ پر فائز ہوا کہ انسان کی بنائی ہوئی عمارات کو باغ عدن سے تشبیہ دینے لگے۔ ماہرین فنون لطیفہ

[1] یسکن

لئے بعض اوقات مصنوعات کو اشیائے قدرت پر بھی ترجیح دی ہے۔ یہ ترجیح کسی دوسرے فن کے لحاظ سے اس قدر مناسب نہین معلوم ہوتی جس قدر کہ فن تعمیر کے لحاظ سے عمارات کسی قدرتی شے کی نقل نہین ہوتین بلکہ بڑے بڑے کاریگرون کے نازک خیالات کا نتیجہ ہوتی ہین۔ آگرہ کے تاج محل کو ایک کم سن یورپین لڑکی پہلی نظر مین دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھی تھی کہ "یہ ایک گلاب کا پھول ہے جو خود بخود اُگ آیا ہے"۔ "کتاب اورسی اینٹال" کا مصنف الحمرا کو دیکھ کر کہنے لگا تھا کہ "یہ عالم بیداری نہین عالم خواب ہے۔ یہ سب طلسماتی کرشمہ ہے جسے جنّات نے بنایا ہوگا"۔ سر جان لوبک کہتے ہین کہ "فن تعمیر سے نہ صرف ایک قسم کی انتہائی خوشی حاصل ہوتی ہے بلکہ قلب پر ایک ایسی شے کا اثر محسوس ہوتا ہے جسے بجائے زمین کے آسمانی کہا جائے اور بجائے انسان کے کام کے انسان سے بزرگ تر مخلوقات کا کام کہا جائے تو مناسب ہے"۔ مادام ڈی اسٹیل نے اسے "فروزن میوزک" یعنی موسیقی منجمدہ کہا ہے۔ گربے کے ایک شاندار عمارت کو دیکھ کر وہ کہتی ہے کہ "یہ ہمارے خیالات ہین جو پتھر کی صورت مین ظاہر ہین"۔

فن تعمیر کی تعریف مسٹر ٹی۔ ہیٹر۔ لیوس (پروفیسر فن عمارت۔ یونیورسٹی کالج لندن) انسائکلوپیڈیا برطانیکا مین اس طرح کی ہے "یہ عمارت بنانے کا ایک فن ہے جس کے اصول محض اُن اغراض پر وضع نہین کئے گئے ہین جو عمارت سے متبع ہوتی ہین بلکہ ان مین حسن و موزونیت کا بھی بہت زیادہ خیال کیا گیا ہے"۔ یہی پروفیسر آگے چل کر کہتا ہے کہ "اس فن کی تعریف مین یہ نہین کہا جا سکتا کہ تعمیر مکان یا مکان کو اچھا بنانا صرف اس کی غایت الغایات ہے بلکہ علاوہ ضروریات مکانی کے یہ بھی ایک امر لازم ہے کہ عمارت بناتے اور اُس کے نقشہ مین اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اس کے دیکھنے سے ایک لطف پیدا ہو۔ عمارت مین چاہئے کہ حسن موجود ہو۔ شان

شکوہ ہو۔ ہر حصہ مین موزونیت اور تناسب پایا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمارت بنانے مین جہان سنگ تراشی کی ضرورت ہے وہان اس کی بھی ضرورت ہے کہ قوت متخیلہ بہت زبردست ہو۔

فن تعمیر کی مختصر تاریخ اگر بیان کی جائے تو زمانہ ماقبل تاریخ مین سوائے چند معمولی آثار کے جن سے اس زمانہ کی تہذیب کا پتہ ملتا ہے اور کچھ موجود نہین ہے۔ مثلاً برطانیہ مین پتھر کے سیدھے ستون واقع کارنک اور "کرامالیک" یعنی پتھر کی بڑی بڑی سلیں سوئیزرلینڈ اور اٹلی کے مکانات چوبین جو جھیلون مین غرق ہو گئے تھے اور دیگر اسی طرح کے مختلف آثار جو جبل سینا اور عدن مین پائے جاتے ہین۔

اس فن کی تاریخ سب سے پہلے مصر سے شروع ہوتی ہے۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ مصریون نے اس فن کو ہندیون سے سیکھا تھا مگر وہان کی عمارات کے دیکھنے کے بعد یہ دعوی محض غلط معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ فن تعمیر کے سب سے قدیم نمونے مصر ہی مین پائے جاتے ہین۔ ہیروڈوٹس کے بیان کے مطابق مصری عمارات کے قدیم ترین نمونے۔ دریائے نیل کا بند تعمیر کردہ۔ مینز بنیاد شہر ممفس اور دلکن کا مندر ہین۔ یوسی بس یسنیس تھو بیان کرتا ہے کہ شاہان مصر کے پہلے خاندان کے چوتھے بادشاہ ویتی فیس نے کوکامن مین بعض اہرام تعمیر کئے تھے۔ اس کے بعد کئی خاندان گذرے اور بادشاہ سیاپس نامی مصر کا حکمران ہوا۔ یہ نہایت ظالم تھا اور رعایا سے تمام مذہبی عبادات چھڑا کر اپنا ذاتی کام لیا کرتا تھا۔ سو جو وہ اہرام مین سب سے پہلا اور سب سے بڑا مینار اس نے اپنے لئے بنوایا تھا تاکہ اس مین دفن کیا جائے۔ یہ مینار قاہرہ کے نواح مین اب تک باقی ہے اور نہ معلوم کب تک باقی رہے گا۔ اس کی تعمیر مین سخت ترین سنگ ساق استعمال کیا گیا ہے جو کوہستان عرب سے دریائے نیل کے راستہ لایا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس مینار

کو ایک لاکھ آدمیون نے لگاتار بیس برس کی مدت مین تعمیر کیا تھا۔ دوسرا مینار جو اُس کے قریب ہی واقع ہے سیاسیس کے جانشین نے بنایا تھا جس کا نام ہیروڈوٹس کے بیان کے مطابق شفرین اور ایک کتبہ کی رو سے شفرا معلوم ہوتا ہے اس کے چالیس برس بعد تیسرا مینار منشریز نے بنوایا اور علے ہذا القیاس یکے بعد دیگرے چھوٹے بڑے تمام اہرام تعمیر ہوئے جن کی تعداد بقول لپسیس کے سو سے کم نہ ہوگی۔ مصری اپنے مُردون کی بہت عزت کرتے تھے۔ اس خیال سے اُنھون نے بہت سی قبرین بنائی تھین۔ ان مین سے بعض زیر زمین اور بعض بالائے زمین بنائی گئی ہین مگر ان کی بھی شکلین اہرامی ہین اور غالباً اہرامون کے بعد بنی ہون گی۔ اکثر قبرون مین سے لاشین نکال کر قاہرہ کے عجائب خانہ مین رکھی گئی ہین اور فیز دوسرے ممالک کو بھیجدی گئی ہین۔ ان کے علاوہ قدیم مصری مندر ہین جو حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل قیصران روم کے زمانہ تک برابر تعمیر ہوتے رہے ہین۔ ان مین سب سے زیادہ مہتم بالشان وہ مندر ہے جو نوبیا مین چودہ سو برس قبل حضرت عیسٰی ٹھوس سخت چٹان کو کاٹکر بنایا گیا تھا۔ ایک مندر نوبہ مین ہے جو جلا شدہ سنگ سماق سے بنایا گیا ہے۔ اس مین سے شفرین کی لاش نکلی تھی۔ اسی طرح ادفو اور کارنک وغیرہ کے بھی مندر اور دکہ کے قلعون کے آثار ہین جن سے مصری معماروں کے کمال کا پتہ لگتا ہے۔

یہودیون نے اس فن مین کچھ ترقی نہین کی بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ اینٹون کے بنانے سے واقف ہون تو ہون مگر فن عمارت مین کبھی دستگاہ کامل نہین رکھتے تھے۔ علاوہ چند بادشاہون کی قبرون کے بیت المقدس کی عمارت ان کی خاص یادگار کہی جاتی ہے۔ مگر اس کے متعلق بھی بعض کا بیان ہے کہ حضرت سلیمانؑ

نے ٹائیر کے بادشاہ حائرام سے چند ماہرین فن طلب کیے تھے جنھوں نے اس عمارت کو بنایا ہے۔

بخلاف ان کے ہندیون کا پایہ فن تعمیر کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ اُن کی عمارتین تین قسمون مین منقسم ہین۔ (۱) شمالی ہند کے آریہ اقوام کی عمارتین۔ (۲) جنوبی ہند کے تامل اقوام کی عمارتین۔ (۳) پنجاب و کشمیر کی عمارتین۔ اول الذکر اور آخر الذکر کا ہمین بہت کم علم ہے مگر جنوبی اقوام کی عمارتون کی تاریخ بہت اچھی طرح معلوم ہے۔ رام راج ایک دکھنی مصنف نے ان کا بہت کچھ حال لکھا ہے جس کا حوالہ پروفیسر ولسن نے اپنے مضمون مین بھی دیا ہے۔ جنوبی ہند کے ہندی عمارتون کی یادگار مین ایجنٹا۔ اورنگ آباد اور الورا کے غار اب تک قائم ہین۔ موسیو یادرمی لارا ایک فرانسیسی مصنف الورا کے غارون کو دیکھ کر جن مین کیلاس کا مکرہ بہت نفیس ہے کہتا ہے کہ "الورا کے مندرون کی عالیشان آثار کے سامنے تمام شہر ہین بیکار ہین دیگر آثار باقیہ کے مقابلہ مین یہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہین جنھین دیکھ کر قوت متخیلہ مبہوت رہ جاتی ہے"۔ ان کی قدامت کے متعلق پہلے بہت مبالغہ کیا جاتا تھا مگر اب یورپ کے محققین نے جو ہر بات کا پتہ پتال تک لگاتے ہین یہ دریافت کیا ہے کہ ان کی تعمیر تیسری صدی قبل حضرت مسیح علیہ السلام مین ہوئی ہوگی۔ سنہ ۲۵۰ قبل مسیح مین اشوک ہندوستان کا راجہ تھا اور بدھ مذہب رکھتا تھا۔ اس کی زمانہ کی یادگار مین اب تک لاٹین باقی ہین جن پر اس کے فرامین کندہ ہین۔ اکثر جگہ مثلاً سانچی (بھوپال کے مضافات سے ہے) وغیرہ مین ٹوپ بھی ہین جو ابتداءً کسی واقعہ یا مقدس مقام کی یادگار مین بنائے گئے تھے۔ اس کے بعد بدھ مذہب کے بزرگون کی نشانیان مثلاً دانت یا جسم کی کوئی ہڈی ایک بکس مین رکھ کر دفن

کر دیتے اور اس پر ایک ٹوپ بنا دیتے تھے۔

بدھ مت والون کے بعد جین مذہب والون کی عمارتین ہین جو دسوین صدی عیسوی مین بنی تھین۔ سومنات کا مشہور مندر ان کے کمال کی اب تک یادگار باقی ہے۔ جینون کی عمارت مین ستون بکثرت ہوتے ہین جو مربعون کی شکل مین استادہ کئے جاتے تھے۔ ان کی عمارتون مین گنبد بھی پائے جاتے ہین۔

ہندوستان کو چھوڑ کر آؤ اب قدیم شاہی عمارتون کی سیر کرین یہان ۱۸۴۵ء مین موصل کے گرد و نواح مین کچھ پرانے آثار پائے گئے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ مین بابل کالدیہ نینوہ مین مکانات کی کرسی بہت اونچی رکھی جاتی تھی اور اکثر اینٹین لگائی جاتی تھین۔ خورساباد (نواح موصل) مین نمرود کے محلات اپنی گئی گذری شان اور قدیم تمدن کی عظمت آج تک ظاہر کر رہے ہین کالدیہ مین سب سے عالیشان مندر برس نمرود ہے جو کرہ ہائے سبع کے نام پر بنایا گیا تھا اور بخت نصر نے دوبارہ اسے تعمیر کیا تھا۔

ایران قدامت اور تمدن کے لحاظ سے روما سے کچھ کم نہ تھا۔ اس کی حدود ساسانیون کے زمانہ مین تمام بالائی ایشیا۔ ایشیای کوچک۔ فنیشیا۔ مصر تھریس اور مقدونیہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ مگر چونکہ اُس کی قدیم تاریخ اچھی طرح معلوم نہین اس لئے سوائے چند پرانے آثار مثلاً مرغاب مین کیخسرو کی قبر۔ اکباتانا کے پرانے کھنڈر اور پرسی پولس اور سوسا کی قدیم عمارتون کے ویران اور بوسیدہ کھنڈر انگلیون پر گنائے جا سکتے ہین۔

بخلاف ان کے یونانیون کی تاریخین بکثرت ہمارے پاس موجود ہین۔ ان لوگون مین دیوتاؤن کے ناپم مندر بنانے کی رسم بہت جاری تھی۔ یونان مین قدیم ترین عمارت کے نمونے دو ٹکڑے ہین جو ماسی سینا مین واقع ہین۔ قدیم یونانی

طرز عمارت کی تین قسمین بیان کی جاتی ہین ۔ (۱) ڈوری (۲) آیونی اور (۳) کارنتھی
اول الذکر کی ابتدا وٹرویس اس طرح بیان کرتا ہے کہ آشائیا اور پے لوپانی سس
کا ایک بادشاہ ڈوروس نام تھا۔ اس نے قدیم شہر آرگوس مین جونو کا ایک مندر
بنوایا تھا جس وضع مین یہ عمارت تیار ہوئی وہ ڈوری وضع کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔
ثانی الذکر وضع جزائر آیونین کے آبادکنندگان اولی نے اختراع کی جس مین دو قسم
کے ستون تھے ایک مین مردانہ سادگی تھی اور دوسری مین زنانہ زیبائش اور
آراستگی۔ تیسری وضع کے متعلق وٹرویس کہتا ہے کہ بنانے والون کو وضع
منظور یہ تھا کہ "ایک جوان خوبصورت لڑکی کی نزاکت ظاہر کی جائے جس کی عمر
اُس کی صورت کو اور زیادہ دلآویز بنا دیا ہے اور اس قابل کر دیا ہے کہ زیورات
سے اُس کے حسن خداداد مین چار چاند لگ جائین"

مگر درحقیقت یہ سب کہانیان ہین۔ تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ستونون کا
اندازہ یونانیون نے ابتداءً قدیم شامیون سے لیا تھا مگر بعد مین خود بہت کچھ
ترقی کر لی۔ اس مین شک نہین کہ حسن جو موجودہ وضع مین پایا جاتا ہے وہ خود
یونانیون کا ایجاد کردہ ہے۔ اس وضع کی بہترین مثالین ایتھنس کی عمارتہائے
تھیسیم۔ پارتھینان۔ پراپیلیا اور ایرکتھیم مین پائی جاتی ہین جو پانچوین صدی قبل
حضرت مسیح علیہ السلام تعمیر ہوئی تھین۔ "پڈیمنٹ" (مثلثی یا کروی رد کار) بھی یونانیون
کی ایجاد ہے جس کا پتہ مصریون کی عمارتون مین کہین نہین پایا جاتا۔

یونانیون کے بعد تہذیب و تمدن کا ماہتاب جب رومیون پر طلوع ہوا تو
اُنھون نے یونانی وضعون مین اپنی ایجادین شامل کین۔ محراب کا استعمال
اِن کے زمانہ مین بہت کیا گیا ہے۔ یونانی طرز ڈوری کی سادگی انہین پسند
نہ آئی۔ اس مین اُنھون نے اپنی جانب سے بہت کچھ اضافے کیے جنکی مثال

تھیٹر مارسی کس واقع رومتہ الکبریٰ کے سب سے نیچے کی منزل ہے رومی آیونی وضع کا صرف ایک مندر "فارجونا ویلس" اب تک باقی ہے مگر یہ وضع رومیون کو کچھ زیادہ پسند نہ تھی۔ سب سے زیادہ انھین کارنتھی وضع پسند تھی۔ خود اپنے گھرون مین اور نیز جہان کہین باہر فتوحات کین وہان اسی طرز کی عمارتین انھون نے بنائین۔ آئی بیریا گال (یعنی فرانس) آسٹریا۔ یونان اور شام مین جہان جہان اُن کی بنائی ہوئی عمارتین باقی ہین (باستثنا مصر کے) یہی طرز ہویدا ہے۔ رومی کارنتھی وضع عمارت مین بھی یونانیون کی وضع کی طرح تین بڑے اہم حصے تھے (۱) "اسٹائیلوبیٹ" (حصہ زیرین ستون) (۲) ستون اور (۳) "انٹیبلیچر" (حصہ بالائی ستون) اول الذکر حصہ رومی بمقابلہ یونانیون کے ذرا زیادہ بڑا بناتے تھے۔ مندرون کے بعد رومی عمارات کے سب سے زیادہ مہتم بالشان نمونے پامپای اور ہرکولینیم کے تھیٹرون کے آثار قدیمہ مین پائے جاتے ہین۔ ان مین بھی یونانیون ہی کی تقلید پائی جاتی ہے۔ آرائشون مین بے شک کسی قدر اُن سے تجاوز کیا گیا ہے۔ امفی تھیٹر بالکل رومیون کی اپنی ایجاد ہے جن کا موجد جولیس قیصر تھا۔

رومیون کے فن تعمیر کی ابتدا آغاز سنہ عیسوی سے ہوئی ہے مگر جس سرعت کے ساتھ اس نے تمام مقبوضات روما پر اپنا اثر پھیلا دیا وہ بہت حیرت انگیز ہے۔ تمام رومی ملکون نے قومی وضع چھوڑ کر اپنے فاتحون کی وضع اختیار کر لی مگر جب مسیحیت کا غلبہ زیادہ ہوا اور مذہبی عمارات بہت بننے لگین تو قدیم رومی حمامون۔ تھیٹرون۔ گرجاؤن اور مکانات کی وضع ساقط ہوتی گئی اور بائی زنتین (یعنی قسطنطنیہ) کی وضع نے اُس کی جگہ لے لی۔ مگر اس کے بعد غوراً گاتھک وضع نے رواج پایا۔ اس وضع کی ابتدا اُس وقت ہوئی تھی جبکہ قوم گاتھ نے اٹلی پر حملہ کیا تھا۔ بعد مین ترقی کرتے کرتے تمام یورپ مین اس کا

رواج ہوگیا اور ہر قوم نے اپنے تمدنی و قومی خصوصیات کو مرعی رکھ کر اس وضع کو اختیار کر لیا۔ انگلستان مین اس وضع کی سب سے مشہور عمارات وسٹ منسٹر ایبی اور لنکن کیتھیڈرل ہین۔

زمانہ وسطی کی تاریخ فن تعمیر پر جس قدر زیادہ مسلمانون کے تمدن نے اثر ڈالا اتنا کسی دوسری قوم نے نہین ڈالا۔ ان کی تہذیب اور ان کا تمدن تسلیم قرآن پاک پر مبنی تھا۔ ان کے فن تعمیر نے زیادہ تر مساجد و مقابر کی تعمیر مین اپنا جلوہ دکھایا ہے۔ ان کے علاوہ مسلمانون کے اکثر محلات جیسے غرناطہ کا الحمرا اشبیلیہ کا القصر اور دہلی کے شاہی قصور اپنے بانیون کی یاد اس وقت تک تازہ کر رہے ہین۔ موسیو لی بان نے مسلمانون کے طرز تعمیر کو تین حصون مین تقسیم کیا ہے۔ (۱) شرقی عربی طرز (۲) خالص عربی طرز اور (۳) ملا جلا ہوا عربی طرز۔ اول الذکر نے شام افریقہ۔ صقلیہ اور کسی قدر اندلس و مصر مین رواج پایا۔ جس کے نمونہ کے طور پر ہم شام کے عمارات مین حضرت عمرؓ کی مسجد مسجد اقصی اور جامع دمشق مصر کے عمارات مین مسجد عمرؓ و بن العاصؓ اور جامع لحمون آفریقہ کے عمارات مین مسجد قیروان اور مسجد الجزائر۔ صقلیہ مین صفیرہ اور تورمینا کے قصر۔ اور اندلس مین مسجد قرطبہ اور طلیطلہ کی عربی یادگارین پیش کر سکتے ہین۔ ثانی الذکر طرز نے بھی ایک حد تک مصر و اندلس مین رواج پایا تھا جس کی مثال کے طور پر مصر کی مسجد قائت بی اور اشبیلیہ و غرناطہ کی عمارتین اب تک موجود ہین۔ ثالث الذکر کے متعلق یہ کہنا چاہیئے کہ عربی وضع مین قدیم اندلس کی وضع یہودیون۔ ایرانیون۔ ہندیون اور مغلون کی وضع نے بہت کچھ اپنا اثر دکھایا ہے۔ مثلاً فتح اندلس کے ابتدائی زمانہ مین جو عمارتین طلیطلہ مین تعمیر ہوئی تھین اُن سے صاف مفتوح قومون کا اثر پایا جاتا ہے۔ یہودی طرز اُنہین عمارات

سے ظاہر ہے جو پہلے یہودیون کی تھین اور بعد فتح مسلمانون کی ہوگئین مثلاً طایطلہ کی عمارت سینٹا ماریا لا انکا۔ ایرانی اثر اُن تمام عمارتون سے ظاہر ہے جو اشاعت اسلام کے بعد ہی ایران مین تعمیر ہوئین مثلاً مساجد اصفہان۔ ہندی میل جول کی مثال دہلی مین قطب صاحب کی لاٹ۔ اور علاء الدین خلجی کے مشہور دروازہ سے معلوم ہوتی ہے۔ انھین دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کمال کے ساتھ عرب ہر چیز کو اپنی کر لیتی تھی۔ رہا مغلی اثر وہ سلاطین مغلیہ کے اُن عمارات سے ٹپکا پڑتا ہے جو اُنھون نے اپنے زمانہ مین ہندوستان مین بنائین مثلاً تاج بی بی کا روضہ وغیرہ۔

افسوس ہے کہ مسلمانون کے فن تعمیر کی کتابین بہت کم ہمین مل سکین اور جو کچھ کہ ملین بھی وہ اکثر غیر مذہب والون کی ہین۔ موسیو لی بان جس کی کتاب تمدن عرب سے ہم نے بہت کچھ اس مضمون مین اخذ کیا ہے اُس نے کسی قدر ضرور لکھا ہے مگر وہ اتنا ہے جتنا کہ کھانے مین نمک۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "یہ کام آسان نہین ہے کیونکہ ہم اُس میدان مین قدم رکھ رہے ہین جہان پہلے کسی کا گذر نہ ہوا تھا اور وہ مختصر جگہ جو ہمین اپنی کتاب مین اس بیان کے لئے ملی ہے اُس نے ہمین مجبور کر دیا ہے کہ ہم صرف جل مطالب سے بحث کرین"

اس مین شک نہین کہ مسلمانون نے فن تعمیر مین ابتدا زبہت کچھ ایرانیون اور مشرقیون سے لیا تھا مگر وہ بہت جلد تقلید کے بند سے آزاد ہو گئے۔ اور اپنے واسطے ایک جدید وضع اختیار کر لی۔ انھون نے اپنی عمارات مین پتھرون کا بھی استعمال کیا اور اینٹون اور ایک خاص قسم کے مسالہ کا بھی۔ یہ مسالہ جو چونے۔ ریت۔ مٹی اور سنگریزون سے بنتا تھا مضبوطی مین سنگ مرمر سے کم نہین ہوتا تھا اور ناظرین کو حیرت ہوگی کہ الحمرا مین بجائے پتھر کے ایک قسم کا چونا استعمال کیا گیا ہے جسے سلفیٹ آف

لائم کہتے ہین۔ عربون نے مفتوحہ ممالک کے ستون اور راس العمود کو دیکھکر اپنی عمارتون مین بھی انھین داخل کیا مگر بعد مین اُنھون نے خود ستونون کا ایک طرز ایجاد کیا جو الحمرا کے بیت الاسود کے ستون سے ظاہر ہوتا ہے اور موسیو برانڈی کے قول کے موافق کسی پرانی طرز کے تابع نہین ہین بلکہ خاص مسلمانون کی ایجاد ہے۔ نکیلی اور پھیلی ہوئی محرابین تعمیر عرب کے خصوصیات سے ہین اور مینار مسلمانون کی خاص ایجاد ہین۔ یہ ہر ملک مین ایک خاص وضع کے پائے جاتے ہین۔ موسیو لی بان تمدن عرب مین لکھتے ہین کہ "کسی چیز سے عربون کی ذکاوت اور صناعی اس قدر نہین معلوم ہوتی جیسی ان مختلف رنگ ڈھنگ کے میناروں سے جو دہلی کی جامع مسجد کے مینار جو مغلون نے بنائے ہین اور جونپور کی مسجدون کے مینار جو ہندوستان کے پٹھان بادشاہون نے بنائی ہین اس اختلاف کی خاصی مثالین ہین۔ گنبد مسلمانون کی ایجاد نہین ہین بلکہ شرقی عمارات مین پہلے سے موجود ہین۔ عربون کی اس مین اپنی ایجاد اوپر سے پتلا اور نیچے سے دبا ہونا ہے۔ عرب اپنی عمارات کی دیوارون مین یونانیون کی سادگی کو ناپسند کرتے تھے اور زیبائش کے لئے طاق بناتے تھے جن کی صورت مثلث کروی کی سی ہوتی تھی۔ اندلس کے عربون نے اُن کروی طاقون کی صورت بدل کر اُنھین منشوری بنایا اور اُن کے اضلاع مقعر کئے۔ طاقون کے علاوہ دیوارون پر خط نسخ مین گلکاری کرتے تھے جو ایسے خوبصورت معلوم ہوتے تھے کہ بعد مین عیسائیون نے بھی عربی حروف کی گلکاری اپنے ہان شروع کی اور کلیسای سینٹ پیٹر کے اُس دروازے پر جہان پوپ یوجین چہارم کی مورت ہے حضرت عیسیٰ کے سر کے گرد عربی حرفون کا ہالہ ہے اور سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے کپڑون پر بھی ایک ایک سطر عربی لکھی ہوئی ہے۔ اس قسم کی زیبائشون کے علاوہ مسلمان اپنی عمارتون مین رنگین آئینے بھی کیا کرتے تھے

چنانچہ الحمرا کی کل دیوارین پہلے زمانہ مین رنگین تھین اور مساجد کی بیرونی دیوارون پر بھی اکثراوقات رنگ ہوا کرتا تھا۔

ہندوستان مین جب مسلمان آئے تو یہان ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے تمدن کی بنیاد مستحکم پائی جس کے اثر نے رفتہ رفتہ اُن پر بھی غلبہ پانا شروع کیا جس کی ایک نظیر دروازہ علاؤالدین ہے۔ اس کے بعد ایرانی اثر نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ اکبر کا مقبرہ۔ تاج بی بی کا روضہ اور دہلی کے شاہی قصر ان تینون عربی ہندی اور ایرانی طرزون کی آمیزش کی اچھی مثالین ہین اس میل سے درحقیقت ایک نئی وضع پیدا ہو گئی جسے ہم مغلی طرز کہہ سکتے ہین۔

اس موقعہ پر ہم بخوف طوالت مسلمانون کے فن تعمیر پر خصوصیت کے ساتھ بحث نہین کر سکتے۔ اس مین شک نہین کہ مسلمانون کے فن تعمیر پر بہت کم کتابین لکھی گئی ہین مگر یہ ہمارا ہی تصور ہے۔ رہا موجودہ زمانہ کے مسلمانون کا میلان اس فن کی طرف اُس کے متعلق ہم نہایت افسوس کے ساتھ پروفیسر لیوس کے یہ الفاظ دُہرانے پر مجبور ہین "عربون کے موجودہ جانشینون نے اس فن مین دعوای خصوصیت کو بالکل ہاتھ سے کھو دیا۔ مرقع جات قلمی جن مین یحیی کاری یا لکڑی یا ہاتھی دانت مین کھودی ہوی کام کو دکھایا گیا ہی جس سے پرانی کامون مین بے انتہا زیبائش پیدا ہوتی تھی۔ آج کل کے مسلمان اُنکی صحیح صحیح نقل یا تقلید تک نہین کر سکتے۔ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ اپنی یورپین ٹرکیون کی صرف نقل اور وہ بھی بہت بھدی نقل کر لیا کرتے ہین"

موجودہ زمانہ کی فن تعمیر پر سب سے زیادہ اطالیہ والون کا اثر پڑا ہی۔ انھون نے گاتھک وضع کو بدلکر پھر یونانی وضع کو پھر اختیار کرنا چاہا فن تعمیر کے اس انقلاب مین سب سے پہلا قدم فلی پو برونلسچی فلارنس کے ایک معمار نے ڈالا۔ اس نے پرانے انداز کے مشارکت سے ایک ایسی عمارت بنائی کہ لوگ چونک اُٹھے اور پرانی وضع کا خیال بھی پیدا ہوا مگر بجائے اس کے کہ آثار قدیمہ سے کچھ مدد

مدولین اور اُن کی تقلید کرین ایک شخص وٹروویس کی کتاب پر چلے جس نے دعویٰ
تو کیا ہے کہ مین قدیم یونانی اور رومی وضع کا ذکر کرتا ہون مگر درحقیقت اُس سے
بون بعید ہے۔ قدیم تین وضعون یعنی ڈوری۔ آیونی اور کارنتھی وضع مین پندرھوین
صدی عیسوی کے معمارون نے دو وضعین یعنی طرز تسکنی اور وضع مرکب اور اضافہ
کین (ملاحظہ ہون ان تینون وضعون کی تصویرین مندرجہ انسکلوپیڈیا برطانیکا صفحہ ۴۴)
تسکنی وضع کے ستون سادہ ہین اور ڈوری وضع کے مخطط۔ آیونی وضع کے ستون مخطط ہوتے
ہین مگر ان کے اوپر گنڈلیان پڑی رہتی ہین۔ کارنتھی وضع اور وضع مرکب کے
ستون بھی مخطط ہوتے ہین مگر اوپر کے حصہ مین کسی قدر فرق ہوتا ہے۔ اول الذکر
مین تاج کی شکل کے پھول بنے ہوتے ہین اور آخر الذکر مین اس تاج پر ایک
بیل بنی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان سب کے روکارون مین بھی فرق ہوتا ہے
اور بتدریج سادگی سے زیبائش کی طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے۔

اٹلی کی اس طرز کی تقلید تمام یورپ مین کی جاتی ہے۔ انگلستان مین کاتھک
وضع کا خاتمہ مہری ہشتم کے زمانہ مین ہوا سولھوین صدی عیسوی مین اٹلی کے
اثر سے متاثر ہو کر یہان بھی ایک وضع پیدا ہو گئی ہے جس مین پرانی کاتھک
وضع کے بھی چند خصوصیات پائے جاتے ہین جس قدر زمانہ ترقی کرتا گیا اور لوگون کا
مذاق بدلتا گیا ان طرزون مین بھی تغیرات ہوتے گئے۔ موجودہ زمانہ مین تجارت
کی ترقی اور روپیہ کی زیادتی نے انجینیرون اور معمارون کے ہاتھون بہت کم رفاہ عام
کے کام سپرد کئے ہین۔ ممالک متحدہ امریکہ کا قدم اس مین سب سے
آگے تھا جس کے دار السلطنت واشنگٹن کو دیکھ کر موجودہ زمانہ کی ترقی کا کافی
اندازہ ہو سکتا ہے۔ انگلستان کی اکثر عمارتین اور یورپ کے دیگر ممالک کی جدید
عمارتون کو مذکورہ بالا طرزون کا مجموعہ کہنا چاہیے۔

محمد معشوق حسین خان

غزل

بہنگامِ نزعِ وصل کی حسرت ہی کیون نہو
کھینچا رگون کا جذبِ محبت ہی کیون نہو

کس واسطے مین ہون درِ کعبہ پہ جبہ سا
یہ ہے تو آستانِ محبت ہی کیون نہو

ساری حرارتون کا ہی مرکز یہ داغِ دل
گرمیِ آفتابِ قیامت ہی کیون نہو

نورِ نظر کو خواہشِ ہم جنس حسن ہے
پیشِ نگاہ پھر تری صورت ہی کیون نہو

بیدرد کو سناؤن مین کیون سرگذشتِ دل
مانا بطرزِ حرف و حکایت ہی کیون نہو

اخفائے رازِ عشق مین ناسور چاہیے
دل مین بھی کوئی گوشۂ خلوت ہی کیون نہو

جب دہر مین ذات ہی اسے قابلِ شہود
ظاہر مین پھر بتون کی عبادت ہی کیون نہو

سو طرح کے خیال ہین انشائے راز مین
رونا ہی ہے تو گوشۂ خلوت ہی کیون نہو

تاثیرِ جذبِ عشق کو بدنام کیون کرون
سمجھون محبت اُن کو عداوت ہی کیون نہو

مجبور ہون مین گریۂ طوفان خروش سے
گو آنسوؤن مین دل کی حقیقت ہی کیون نہو

تھا اصل مین اشارۂ ابروئے ماہ مصر
گو اب ترنج و تیغ کی شہرت ہی کیون نہو

وادیِ عشق مین مجھے سو طرح کے ہین وہم
ہمراہ میرے پیرِ طریقت ہی کیون نہو

دیکھون گا مین بھی حوصلۂ طاقتِ نظر
موسیٰ کی طرح مجھ کو نجالت ہی کیون نہو

الزام بے قراریِ دل بھی ہے اک ستم
مانا کہ وہ بہ رسمِ شکایت ہی کیون نہو

ہے وسعتِ خیال مجنون سے وہ دشت تنگ
ہر ذرہ ذرہ عالمِ وحشت ہی کیون نہو

مرتا ہون پھر ہون سرخوشِ بیہودہ نگاہ
گو وہ شرابخانۂ عبرت ہی کیون نہو

کیون آہ و لگدار کا ہمراز ہو کوئی
مانا کہ شمعِ گوشۂ خلوت ہی کیون نہو

ویرانہ ڈھونڈھتے ہو جو رونے کے واسطے
اے کشتگانِ غم مری تربت ہی کیون نہو

کہہ دو دبی زبان سے اک دن تو حالِ دل
اندیشۂ ملالِ شکایت ہی کیون نہو

زمانے ہے مین دیکھ کے حالِ مریضِ عشق
یہ دوسرون کے واسطے عبرت ہی کیون نہو

ہے بندگانِ عشق کا مشرب یہی عزیز
آزادگی بہانۂ وحشت ہی کیون نہو

ہر امپیریل مجسٹی شی شہنشاہ بیگم چین

(۲)

اس کے دشمن اسے یہ الزام دیتے ہین کہ وہ جوے کی بہت شوقین ہو اور روپیہ سے بے انتہا محبت رکھتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا مخالف جس نے اس پر بڑے بڑے الزام لگائے ہین کینگ یوزی ایک ریفارمر (مصلح) تھا۔ جسے شہنشاہ بیگم نے اندا دہند آزادانہ خیالات کی وجہ سے نکال دیا تھا۔ اس نے اپنے آخری خط مین جو وزرائے دول خارجہ کے نام ہے شہنشاہ بیگم شی کو بہت کچھ برا بھلا کہا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو غلامی کی حالت مین رکھا اور تمام اختیارات شاہی پر خود قابض رہی۔ اس نے شہنشاہ کو جان بوجھ کر خراب کیا۔ اور اپنی سوکن مشرقی بیگم نیز اپنی بہو یعنی ٹنگ چی کی بیوی کو زہر دے کر مروا ڈالا۔ وہ بڑی غاصب ہے کہ اس نے ایک ہونہار اور لائق شہنشاہ کو تخت سے اتار دیا اور خود مالک بن بیٹھی اور اپنے خاوند ہین فون کو اپنے حرکات سے ستا ستا کر ہلاک کر ڈالا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک دشمن کا بیان ہے جس مین اکثر سچ کم اور جھوٹ زیادہ ہوتا ہے۔

جب شہنشاہ کوانگ سو ۱۸۸۹ء مین تخت نشین ہوا تو اس نے چین کو پیشتر کی نسبت نہایت عمدہ حالت مین پایا۔ شی کی نسبت خواہ کوئی کچھ کہے لیکن اس مین کسی کو کلام نہین ہو سکتا کہ اس کے زمانہ مین چین کی مرفہ الحالی اور وقعت پھر قائم ہو گئی۔ اس کا شہزادہ کوانگ سے جو کچھ بھی تنازع ہوا ہو لیکن اس مین شک نہین کہ انھون نے بیس سال تک برابر مل کر کام کیا۔ اور جب

آخر کار شی نے اُسے موقوف کر دیا تو اس کے بعد لی ہنگ چنگ جیسے قابل اور ہوشیار شخص کو منتخب کیا۔ اور ۱۸۶۱ء سے ۱۸۸۹ء تک اس نے عملی طور سے مملکت چین پر حکومت کی اور جب وہ وقت آیا کہ تمام اختیارات اور قوتیں تو جوان شہنشاہ کوٹنگ سو کے حوالہ کر دے تو اس شان و عظمت کے جاتے رہنے سے جس کا لطف اُس نے زمانۂ دراز تک اُٹھایا تھا باقتضائے بشریت اس کا دل کڑھا۔ شہنشاہ بیگم کو جو شبہات کوٹنگ سو کی طرف سے تھے وہ بلا وجہ نہ تھے۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو شی نے اسے ترغیب دے کر ایک باقاعدہ اقرار نامہ لکھوا لیا جس میں کوئی پچیس دفعات تھے جنکی رو سے شی کے بہت سے شاہی اختیارات قائم رہے لیکن جونہی وہ تخت پر بیٹھا اُس نے ایک ایک کر کے اُن تمام اختیارات کو کم کرنا شروع کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دس سال تک شہنشاہ بیگم شی اور نوجوان بادشاہ میں کش مکش اور پرخاش رہی۔ اُس کی پہلی کامیابی یہ تھی کہ اس نے لی ہنگ چنگ کی اس تجویز کو کہ کہ ٹینٹ سین سے پیکن تک ریل بنائی جائے اور جس کی تائید شی نے بڑے زور سے کی تھی نامنظور کیا۔ زمانہ میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ شہنشاہ بہت ہی تنگ خیال اور کوتاہ نظر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس امر کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ میں خود مختار ہوں شی کا غلام نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نے اظہار آزادی کا ڈھنگ بہت برا اختیار کیا۔

تخت نشین ہونے سے پہلے اس نے شاہی محل میں ریل کی سڑک تیار کرائی تھی جس پر آٹھ شاندار ریل کی گاڑیاں چلتی تھیں۔ یہ گاڑیاں فرانسیسیوں نے دی تھیں اُن پر مختلف رنگوں کی بیش قیمت اطلس کے غلاف چڑھے ہوئے تھے اور اُن میں ایک گاڑی خاص شہنشاہ کی تھی جو بہت آراستہ اور زرد رنگ

کی تھی جو چین کا شاہی رنگ ہے۔ فرانسیسیون نے یہ گاڑیان رسوخ حاصل کرنے کے لئے شہنشاہ کے نذر کرنی چاہین لیکن شہنشاہ نے بلا قیمت لینا منظور نہ کیا اور دو ہزار پونڈ بطور قیمت کے دئے۔ لیکن درحقیقت اِن کی قیمت بیس ہزار پونڈ سے کم نہ تھی۔

شہنشاہ بچپن مین کلون اور انجنون کے دیکھنے کا بہت شوقین تھا اور تعلیم کی طرف اس قدر توجہ نہین کرتا تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو ہر روز صبح کے دو بجے اُٹھتا اور اڑھائی بجے کے قریب ناشتہ کرتا اور تین بجے کام کے لئے تیار ہو جاتا اور چار یا پانچ چھ بجے تک اپنے وزرا سے ملاقات کرتا اور اُس کے بعد اپنے مقدس فرائض کے ادا کرنے کے لئے چلا جاتا۔ دن کا کھانا گیارہ بجے کھاتا اور پھر شام کا کھانا مغرب کے بعد کھاتا اور سو رہتا سو جاتا۔

اُس وقت جن لوگون نے اُسے دیکھا تھا وہ بیان کرتے ہین کہ شہنشاہ ایک دُبلا پتلا زرد رنگ کا نوجوان ہے اس کی آنکھین بادام کی سی اور چوٹی سیاہ ہے۔ مسٹر کارنیٹر لکھتے ہین کہ "مین نے سنا ہے کہ اس مین معمولی بچون کی سی تمام باتین ہین اور کھیل کود کا ایسا ہی شوقین ہے جیسے اس کی رعایا کے دوسرے بچے۔ چند روز ہوئے وہ ایک چھوٹی دخانی کشتی دیکھنے گیا اور فوراً انجن کے کمرے مین گھس گیا۔ یہ دیکھ کر اس کے خواجہ سراؤن پر ایک خوف طاری ہو گیا۔ انجن کے کمرے مین اس نے ایک قلی کو دیکھا کہ ایک میلا رومال سر سے باندھے کل کو تیل دے رہا ہے۔ شہنشاہ نے اُس سے پوچھا کہ تم کس قوم کے آدمی ہو اُس نے جواب دیا کہ مین چینی ہون۔ یہ جواب سُن کر شہنشاہ نہایت خوش ہوا۔"

نوجوان شہنشاہ کی نسبت عموماً یہ بیان کیا گیا تھا کہ اس کے چہرے سے

اداسی اور غمگینی نمایان ہے اور وہ اس عمر کی تمام خوشیون سے محروم ہے اور وہ کسی چیز مین دلچسپی نہین لیتا۔ اور اس سے کسی قسم کی قابلیت یا اپنے فرائض کے ادا کرنے کی لیاقت ظاہر نہین ہوتی۔ لیکن اس کے دل مین یکایک ایسا جوش پیدا ہوا جس سے اس کے تمام درباریون کو اندیشہ ہوا اور اس نے ایسے خیالات ظاہر کئے کہ لوگون کو سخت حیرت ہوئی۔ منجملہ ان کے اس نے ایک کام یہ کیا کہ ۱۸۹۴ء مین جبکہ ممتحنون نے امتحانات کا نتیجہ شایع کیا تو اس نے اُس نتیجہ کو نامنظور کیا۔ اور خود امتحان کے پرچے دیکھنے شروع کئے۔ امیدوارون کی تعداد ۲۰۸ تھی اور اُن کے مضامین دیکھنے مین بادشاہ کے پورے تین روز صرف ہوئے اگرچہ یہ کام دشوار تھا لیکن اس نے نہایت احتیاط اور توجہ کے ساتھ انجام دیا۔ ممتحنون کے فہرست کی بالکل کایا پلٹ ہوگئی اور اُن کے اور بادشاہ کے نتایج مین بہت اختلاف رہا۔ جو لوگ اول اور دوسرے درجہ مین پاس ہوئے اُنھین ترقی دی گئی۔ مگر دو سرون کا تنزل ہوا یا جرمانہ کیا گیا۔

اس امر کے متعلق بہت اختلاف ہے کہ جنگ جاپان مین شہنشاہ اور ملکہ شمی نے کہان تک حصہ لیا۔ لیکن اس مین کچھ شبہ نہین کہ شہنشاہ لی ہنگ چنگ کا سخت مخالف تھا اور جنگ جاپان کی ناکامیابی پر لی ہنگ چنگ کو قتل کر دیتا اگر پرنس کونگ اور شہنشاہ بیگم شمی اس کی سفارش اور حمایت نہ کرتین۔ اب شہنشاہ اور شمی مین بڑے زور سے مخالفت شروع ہوئی۔ جس مین فتح شمی کو ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ شمی کو پہلا سا اقتدار حاصل نہ ہوا مگر اس نے شہنشاہ کو اُس معاہدہ کی تعمیل پر مجبور کیا جس مین شمی کے اختیارات کے متعلق پچیس دفعات تحریر تھین۔

یہ حالات ۱۸۹۶ء تک بدستور رہے لیکن اس سال ایک عجیب و غریب

انقلاب پیدا ہوا کہ ایک شخص کینگ یوومی نے شہنشاہ کو ملک مین نہایت پرزور اصلاحین کرنے پر متوجہ کیا۔ اس شخص کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ اور کینٹن مین بحیثیت ایک معلم کے اُس نے بہت کچھ شہرت اور عزت حاصل کی تھی۔ اُس کے دل مین پیٹر اعظم کے حالات پڑھ کر ایک جوش پیدا ہوا اور اُس نے خیال کیا کہ چین مین اصلاحین کرنی چاہئین۔ اُس نے ایک یادداشت لکھی جسے پڑھ کر شہنشاہ کی توجہ اُس طرف مبذول ہوئی۔ اس واقعہ کا بیان اُس نے مضمونہ ذیل الفاظ مین کیا ہے۔

"مین نے شہنشاہ سے کہا کہ تمام قدیم رسوم کو بالائے طاق رکھ دینا چاہئے۔ ان کی پابندی ملک کے لئے کسی طرح مفید نہین ہوسکتی۔ مین نے شہنشاہ کو یہ صلاح دی کہ جاپان یا روس کے بادشاہ پیٹر اعظم کے قدم بہ قدم چلنا چاہئے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ دیا کہ سب سے اول یہ کرنا چاہئے کہ سلطنت کے تمام وزرا اور اعلی حکام کو حکم دیا جائے کہ وہ اُن مقامات مین حاضر ہون جہان وہ اپنے دیوتاؤن اور بزرگون کی پرستش کرتے ہین اور اس امر کی تحریری قسم کھائین کہ وہ اصلاحون کے جاری کرنے پر پوری طرح مستعد ہین۔

"مین نے دوسری بات شہنشاہ کو یہ سمجھائی کہ تمام قوانین وضوابط پر نظر ثانی کی جائے۔ تیسرا امر یہ تھا کہ ایک ایسا دفتر کھولا جائے جس کے ذریعہ سے ہر شخص شہنشاہ کے سامنے اپنی درخواست پیش کرسکے۔ مین نے شہنشاہ سے کہا کہ آپ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہین ہے جس سے آپ کو لوگون کے خیالات اور دلی خواہشات پر اطلاع ہوسکے اور مین نے یہ بھی کہا کہ انتظام کی حالت ٹھیک طور پر نہین ہے۔ شہنشاہ کو نوجوان اور ذہین لوگ اور نیز ایسے شخص انتخاب کرنے چاہئین جن کے دل مغربی خیالات سے معمور ہون تاکہ وہ سلطنت کی

ترقی وعروج مین مدد دین۔ اور اس معاملہ مین اس بات کا مطلق خیال نہین کرنا چاہیئے کہ وہ اعلیٰ خاندان کے ہین یا ادنیٰ خاندان کے۔

مین نے یہ بھی صلاح دی کہ بارہ جدید محکمے مغربی طرز پر قائم کرنے چاہئین جن مین غیر ملکیون کو مشورہ اور امداد کے لئے ملازم رکھا جائے۔

مین نے خزانہ کے اُس بیجا صرف اور نقصان کو بھی جتایا جو ہر سال ہوتا تھا۔

مین نے اس امر پر زور دیا کہ تمام طرز سلطنت کو بدل دیا جائے اور ملک کی مال گزاری کا روپیہ مثل ہندوستان کے شاہی خزانہ مین داخل ہو۔

مین نے شہنشاہ سے کہا کہ معمولی ٹکسون کے ذریعہ سے چالیس کروڑ ٹیل[1] جمع ہوسکتے ہین اگر دیسی چنگی موقوف کردی جائے اور تجارتی اسباب کے مرخون کی جانچ پرتال کی جائے۔ اسٹامپ جاری ہو اور دوسری مالی اصلاحین عمل مین آئین تو کم سے کم تیس کروڑ ٹیل کی اور آمدنی ہوسکتی ہے۔ اور اس سے آسانی کے ساتھ سواحل کی حفاظت کے لئے بڑی فوج رکھ سکتے ہین۔ افسرون کی تعلیم کے لئے کالج قائم کرسکتے ہین اور ریلین بنا سکتے ہین۔

چینی اعیان و امرا نے جن سے اس یادداشت مین خطاب کیا گیا تھا نہایت سختی کے ساتھ جواب دیا کہ "ہم کیون اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کو بدلین"، لیکن کونگ سو کے خیالات ان سے بالکل مختلف تھے۔

اس نے کینگ یووی کو ان اصلاحون کے عمل مین لانے کا موقع دیا۔ مسٹر کرٹس نے شہنشاہ کی ان اندھا دھند اصلاحون کا ذکر مختصر طور پر اس طرح کیا ہے۔

"اس نے اپنے بچپن کے استاد ینگ ننگ ہو کو اس لئے جلاوطن کردیا کہ اس نے اعتدال کی تعلیم کیون دی تھی۔ اس نے اپنی رائے سے

---

[1] ایک ٹیل قریباً سات شلنگ یعنی صیہ انگریزی روپئے کے برابر ہوتا ہے۔

مخالفت کرنے پر بڑے بڑے نامور اور معزز شاہزادون کو دربار سے نکال دیا۔ کوئی پانسو آدمی پنسل کی ایک کشش مین نکال باہر کئے۔ ان مین بہت سے ایسے تھے جنھین یہ اعزاز اسلاً بعد نسل حاصل ہوا تھا اور بعض ایسے تھے جو کارنمایان اور خدمات لائقہ کے صلہ مین مختلف عہدون پر سرفراز ہوئے تھے۔

سب سے جرات انگیز اور سخت حملہ جو اُس نے ملکی رسوم پر کیا وہ یہ تھا کہ اس نے حکم دیا کہ آئندہ والسراؤن گورنرون فوجی افسرون اور مجسٹریٹون کو بذریعۂ تار کے فرمان بھیجے جایا کرین۔

کوینگ سوئے عام طور پر بالکل ایک معمولی آدمی کی طرح تن سن جانے کی تجویز کی جس سے تمام لوگون کو نہ صرف بے انتہا استعجاب بلکہ سخت صدمہ ہوا یہی وجہ تھی کہ ملک مین ایک بار یہ افواہ اُڑ گئی کہ شہنشاہ کا ارادہ ہے کہ حکماً سب کی چوٹیان کٹوا دے اور یورپین لباس پہنائے۔

لیکن آخری امر جس سے تمام وزرا و امرا کی کمر ٹوٹ گئی یہ تھا کہ ایک عہدہ دار وینگ سن نامی نے اصلاحون کے متعلق شہنشاہ کے حضور مین ایک عرضداشت پیش کی جو اُس کے بالادستون کو سخت ناگوار گزری انھون نے اُس کی جرات اور انقلاب انگیز خیالات کی نہایت سخت مذمت کی اور شہنشاہ سے التجا کی کہ وہ اس شخص کو ایسا سبق دین کہ دوسرون کو عبرت ہو۔ لیکن انہین کس قدر حیرت اور استعجاب ہوا جب یہ معلوم ہوا کہ شہنشاہ نے ایک فرمان جاری کیا ہے جس مین وینگ سن کے استقلال اور مردانگی کی تعریف کی ہے کہ "باوجود تمام اعیان دولت اور وزرا کی دھمکیون کے وہ اپنی بات سے نہین پھرا" اور اس کے صلے مین شہنشاہ نے اُسے ایک اعلیٰ عہدہ پر ترقی دی کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے کئی مشکل مشکل امتحانات اور کم سے کم

پندرہ سال کا عرصہ درکار ہوتا۔ اسی کے ساتھ شہنشاہ نے دس بارہ شہزادون کو سختی کے ساتھ برا بھلا کہا اور ملازمت سے موقوف کر دیا اور نیرونگ سن کے دفتر کے دو پریسیڈنٹون دو وائس پریسیڈنٹون اور چند اعلیٰ عہدہ دارون کو بھی علیحدہ کر دیا۔ جرم یہ تھا کہ انھون نے رعایا کے حقوق مین مداخلت کی اور ہمارے اصلاح ملک کی خواہش کی مخالفت کرنے مین کیون جرأت کی"

اس مین شک نہین کہ شہنشاہ کی نیت بہت اچھی تھی اور بے شک جو اصلاحین وہ کرنا چاہتا تھا اعلیٰ درجہ کی تھین۔ اگر امراء اعیان دولت مین وزا دور اندیشی ہوتی اور وہ بادشاہ کا ساتھ دیتے تو اس وقت چین جاپان سے کہین آگے ہوتا۔ اور ملک کی حالت بالکل دگرگون ہوتی۔ لیکن افسوس کہ پرانے رسوم کے پھندے ایسے پیچ در پیچ ہین کہ ان کا بال بال جکڑا ہوا ہے۔ شہنشاہ کے ان انقلاب انگیز خیالات سے تمام عہدہ دارون اہلکارون اور اعیان دولت مین ایک تہلکہ پڑ گیا اور سب نے شہنشاہ بیگم شمی کی خدمت مین التجا کی کہ ملک کو اب آپ سنبھالیے۔ شہنشاہ نے بیگم کو ایک جزیرہ مین قید رکھنے کا حکم جاری فرمایا اور ایک دوسرے فرمان کے ذریعہ سے سپہ سالار فوج کو فوراً قتل کر دینے کا حکم دیا۔ شہنشاہ بیگم نے معتبر سپاہیون کا ایک دستہ شاہی محل کے گرد جمع کیا اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی گرفتاری اور قید ہونے کی منتظر رہتی۔ ایسی چال چلی کہ خود شہنشاہ کو لینے کے دینے پڑ گئے اور ۲۱ ستمبر ۱۸۹۸ء کو وہ اپنی خلوت سے باہر نکلی اور دوسرے روز شہنشاہ کے نام سے اس مضمون کا فرمان جاری کیا کہ مین سلطنت کرنے کے بالکل ناقابل ہون اور اس لئے شہنشاہ بیگم شمی سے التجا کرتا ہون کہ وہ عنان سلطنت اپنے ہاتھ مین لے لین۔

سب اہلکار مصلحان ملک سب تتر بتر ہو گئے جنھین پہلے سے اطلاع ہو گئی

تھی وہ تو فرار ہو گئے اور باقی بدنصیب پکڑے گئے اور اُن میں سے جو بغیر کسی قسم کی باز پرس کے فوراً قتل کر دیے گئے۔

شمی اب پھر ایک بار خود مختار شہنشاہ اور سیاہ و سفید کی مالک ہو گئی اور شہنشاہ کو نیگ سو اپنے ہی محل میں قید تھا لیکن اُس سے مثل ایک کٹھ پتلی کے کام لیا جاتا تھا۔ تمام احکام اور فرامین اُسی کے نام سے جاری ہوتے تھے چنانچہ اسی کی منظوری سے کوچو۔ پورٹ آرتھر۔ وہی ہے وہی غیر سلطنتوں کے حوالہ کیے گئے۔ جس سے بڑی شورش بپا ہوئی جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

شروع ۱۹۰۰ء میں شہنشاہ کی طرف سے یہ فرمان شایع ہوا کہ مجھ میں قوت رجولیت نہیں ہے اور اس لئے شہنشاہ بیگم شمی سے التجا ہے کہ وہ کسی مستحق اور مناسب شخص کو تخت کا وارث منتخب کریں چنانچہ اس نے پوچون فرزند سے ای شہزادہ تون کو شہنشاہ مرحوم ٹنگ چی کا وارث قرار دیا گیا۔

ریفارمرون کے ساتھ جو یہ بُرا اور سختی کا سلوک کیا گیا تو چین سے باہر غیر ممالک میں اس پر بہت کچھ جوش پھیلا اور سنگاپور اور دیگر مقامات سے میموریل بھیجے گئے۔ شہنشاہ بیگم اس پر بہت جھلائیں اور تمام گورنرون اور وائسراؤن کے نام نہایت غضبناک الفاظ میں صاف صاف یہ فرمان جاری کیا کہ جو کوئی شخص خواہ کسی ذات اور کسی رتبہ کا ہو کینگ یووی اور لیانگ چی چو کو گرفتار کر کے گورنمنٹ کے حوالہ کر دے گا تو گورنمنٹ اُسے اس کے صلہ میں ایک لاکھ ٹیل یعنی پندرہ ہزار پونڈ انعام دینے کا وعدہ کرتی ہے اور اگر یہ لوگ زندہ نہ آسکیں اور مارے جائیں تو ان کے لاشون کی شناخت کے بعد اسی قدر انعام جس کا وعدہ کیا گیا ہے دیا جائے۔

اگرچہ یہ کارروائی ظالمانہ ہے لیکن بحیثیت مجموعی شہنشاہ بیگم شمی نیک دل

عورت تھی اُسے خانگی تھیٹروں اور آلات موسیقی کا بہت شوق تھا۔ پہلے یہ پہلے جنجون نے شمی کو اپنی آنکھوں دیکھا وہ رومس کا شہزادہ ہنری اور اس کے مصاحب تھے۔ اس لئے ان کی بہت خاطر مدارت کی۔ اس کے منہ پر برقع وغیرہ کچھ نہ تھا اور نہ اس نے اپنے چہرہ پر غازہ مل رکھا تھا اور نہ اُسے ایک غیر ملکی شاہزادے کی اس ملاقات سے کسی قسم کی جھجک اور حیرت ہوئی بلکہ اس نے لی ہنگ چنگ کی طرح متواتر سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔

۸ مارچ ۱۹۰۱ء کو اس نے ممالک غیر کے سفراء کی بیویوں سے ملاقات کی اور بہت کچھ تواضع کی اور سب کو تحفے دیئے جس وقت کہ شہنشاہ بیگم کوئی بات کہتی تو اس کے چینی ترجمان فوراً زمین پر گر پڑتے یعنی تعظیماً سجدہ کرتے۔ عبدالحق

غزل

ظلم کس کس پہ ترا اے آسمان ہوتا نہیں
کونسی وہ سرزمیں ہے تو جہان ہوتا نہیں

یہ دلِ شیدا تمہارا پاسبان ہوتا نہیں
تم جہاں ہوتی ہو شب کو وہ مکان ہوتا نہیں

تو نے اک عالم سے بیگانہ کیا اے بیخودی
ہم جہاں ہوتے ہیں کوئی بھی وہاں ہوتا نہیں

وہ چمن ہے یہ چمن جس کا محبت نام ہے
عمر بھر مٹتا نہیں وقفِ خزاں ہوتا نہیں

شرم حایل خوف مانع کیا کہیں کیونکر کہیں
ایک حرف مدعا وہ بھی بیاں ہوتا نہیں

محتسب کو روک دے میخانے میں آنے دے
تجھ سے کیا اتنا بھی اے پیر مغاں ہوتا نہیں

چھیڑ اچھی نکالی اُس نے بزم غیر میں
کان میں بھر کر کہا کیوں بدگماں ہوتا نہیں

اے اجل وہ تو نہ آئیں گے کہاں تک انتظار
کیوں روانہ تو سن عمر رواں ہوتا نہیں

آپ کی تعریف میں کیوں غیر کا میں نام لوں
یہ وہ ٹکڑا ہے کہ جو ورد زباں ہوتا نہیں

بدگمانی چاہیے عشق و محبت میں ضرور
لطف کچھ ملتا نہیں ایسا جہاں ہوتا نہیں

عزیز یار جنگ

مولانا شبلی کی تصانیف

الفاروق۔ قیمت سے
الفاروق۔ حصہ اول (طبع
دوم) حصہ دوم عہ
موازنہ انیس و دبیر۔ سے
الکلام حصہ دوم چھپ کر نامی ہوا ہے

مولوی ظفر علیخاں صاحب کی تصانیف

خیابان فارس۔ سفرنامہ لارڈ
کرزن کا ترجمہ قیمت قسم اول
جلد ۱ قسم دوم جلد
جنگ روس و جاپان۔ دو روپیہ۔
جاپان کی لڑائی ابتدا سے جنگ
تمام اس وقت تک کی واقعات
راء کی مکمل تصویر لکھی گئی ہے
قسم اول جلد ہے دوم
عہ ۸۰۔

ریاض ظفر۔ المعروف بشور محشر
نظم حیدرآباد کے ایک عظیم الشان
جلسہ میں جو مصیبت زدوں کی امداد
کے لئے باغ عامہ کے دربار ہال
میں کیا تھا پڑھی گئی ضخامت
۳۲ صفحے خورد قیمت ۴ اسکی
بہت فنڈ میں جمع کیجاتی ہے۔

مولوی مفتی امیر احمد صاحب علائی کی تصانیف

منتہائے حق۔ یہ عاشقانہ دیوان
شریف سے مستغنی ہے قیمت
جلد عا ۹

صلح جنگ۔ تلازم الفاظ کیساتھ
فقرات و عبارات بچشم لکھے گئے
ہیں۔ قیمت۔ عہ

دربار اکبری۔ محمد حسین آزاد۔ قیمت سے عہ

گلشن ہند۔ شعرائے اردو کا
مشہور تذکرہ مرزا علی لطف نے
سنہ ۱۸۰۱ء میں جان گل کرسٹ کی
فرمائش سے اردو زبان میں تصنیف
کیا تھا۔ (صفحہ ۲۳۵) قیمت عہ

الاصنادید۔ سرسید کی مشہور
تصنیف جو پہلی کانپور میں چھپی ہے قیمت عہ
سنہ ۱۸۰۰ء صفحہ قیمت عہ

تاریخ اکبری۔ اردو ترجمہ انسٹیٹیوٹ
آف انڈیا۔ قیمت عہ

حیات جاوید۔ مولانا حالی کی مشہور
کتاب چھاپہ مطبع نامی کانپور قیمت عہ

مخزن القوانی۔ یہ کتاب مشہور کلیات
نظامیہ مخزن القوانی الصنعتی پانچ
اس میں اسج ہیں قیمت عہ

مثنوی مولانا روم۔ قیمت عہ

مثنوی راسخ سرہندی۔ فارسی
کی نایاب مثنوی ہے جو عنقا تھی
فی الحال طبع ہوئی ہے۔ قیمت ۸

زرتشت نامہ۔ پارسی کے
مشہور پیغمبر زرتشت کی
سوانح عمری اور اُنکا فلسفہ
مذہب۔ صفحہ (۲۰۰) قیمت
عہ

تاریخ دکن۔ یہ مشہور تاریخ
سید علی صاحب بلگرامی کی
ہدایت سے تصنیف ہوئی
ہے ضخامت سو جز طبع
معتمد عام آگرہ میں چھپا ہے
قیمت معہ

نقشہ طغیانی

ہمارے مطبع سے ملسکتا
ہے۔ قیمت ار

قیامت صغریٰ

جس میں ابتدائے طغیانی
کے حالات مفصلاً درج
ہیں۔ ضخامت ۳۶ صفحہ
قیمت ۲

خاتم النبیین۔ حضرت مولانا نانوتوی
نقشبندی دیوبند مقبول دیوبند شریف
سے جو تلمین غیر مطبوعہ میں وہ
شریک کر دی گئی قیمت عہ
سفرنامہ امیری۔ یہ آخری تصنیف
ہے اور قصیدے جناب باقر
و جناب قیس کی تصنیف ہے ہر
قیمت عہ

نانک اسرار۔ یہ بابا نانک
کی تالیف ہے نہایت کی روح ہے
قیمت عہ

زاد المسیر۔ ہر قسم اور ہر طرز
کے کارڈ و دعوتی ایڈریس
صحیح ہے امیر مینائی مرحوم کے
جو چھپ کر جمع ہوئے ہیں قیمت ۸
تذکیر و تانیث۔ جناب فصیح جانشین
امیر مینائی کی تالیف جو لکھنؤ
اور دہلی کی زبان کا جامع نہایت
ہے اس میں ۷ ہزار الفاظ کی
تذکیر و تانیث مستعمل کیساتھ
بتائی گئی ہے۔ اور کتاب (۳۸۰)
صفحہ پر تمام ہوئی ہے قیمت
عا علاوہ محصول

امیر اللغات۔ جس میں تمام عربی
ترکی اور فارسی لغات مفصلاً درج
ہیں۔ قیمت عا

چنچل نار۔ یہ ناول ہے جو
دکن سے زبان کے سانچے میں
ڈھلکر اعلیٰ قیمت مجلد عہ

تمام درخواستیں سید وقار علی منیجر مطبع اختر دکن
کنٹہ گوشہ محل حیدرآباد دکن کے نام آنی چاہئیں

(اس اشتہار سے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات براہ مہربانی
(خط وکتابت ہندی وانگریزی زبان میں کریں)

مرض دور ہو۔ ناامیدی معذور ہو۔ اور نسلاً بعد نسل فتح)

اشٹنگ نگرہ گولیاں

مردمی کے قوتوں کے غیر موقع استعمال کے باعث مباشرت کی کثرت کے سبب جو مخفی امراض پیدا ہوتے ہیں ان کو اچھا کرنے کے لئے یہ اشٹنگ نگرہ گولیاں تمام دیگر علاجوں کی بہ نسبت بے خوف اور اعلیٰ قسم کی دوائی ہے۔ عارضہ کثرت احتلام۔ اور پیشاب کرنے کے وقت اور رمدی وودی کی بیماری ان گولیوں سے بالکل موقوف ہوجاتی ہے۔

جسم وجان کی قوتوں کو تازہ اور طاقتور بنانے اور تولید منی کرنے کے باب میں ان اشٹنگ نگرہ گولیوں کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح کمزوری اور نامردی کے بارہ میں یہ گولیاں جادوئی اثر رکھتی ہیں۔

اشٹنگ نگرہ گولیاں زائل شدہ قوت ہاضمہ کو پھیر لاتی ہیں اور اچھی طرح سے اشتہا پیدا کرتی ہیں۔ اصلاح خون کرتی ہیں اور وزن شباب حاصل ہوتا ہے۔ پیچش۔ جریان اور بول الدم کے عارضوں کے لئے صحت بخش ہے اور زندگی کی طاقتوں کو کامل طور سے معاون ہیں۔

۳۲ گولیوں کی ڈبیہ کی قیمت ایک روپیہ

دو مرتبہ غذا کھانے کے بعد دودھ کے ہمراہ ایک گولی کھاؤ اگر دودھ بہم نہ پہونچ سکے یا دودھ کھانے سے بے رغبتی ہو تو پانی کے ہمراہ کھا سکتے ہیں۔

وید شاستری منی شنکر گوبندجی اشٹنگ نگرہ ارشد ہالیہ

(دواخانہ) جامنگر (کاٹھیاواڑ)

فریڈک اسٹرنس اینڈ کمپنی (دواسازان) ڈیرائٹ ملک امریکہ مشہور عالم ادویہ

اسٹرنس کارڈیل آف کاڈلورائل اکسٹراکٹ

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر معہ کشتۂ فولاد۔ پاکیزہ۔ بلا بو۔ اور بلا مالش۔ مرکب کھانسی اور کمزوری کا بہتر علاج عہ ۱۲ر و ۱۲ر

اسٹرنس ہیڈیک کیور

ہر قسم کے درد سر کے واسطے بلا ضرر۔ زود اثر۔ اور یقینی فائدہ رسان دوا۔ نقلی مت خریدو۔ صرف اسٹرنس کی اصلی ہے ۱۲ قرص ۱۲ر

اسٹرنس میٹھیلا ایٹس

کیسی ہی مثانے کی بیماری ہو اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہے بہترین دوا ہمیشہ کامیاب۔ ۴۰ گولیون کی شیشی (عہ)

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب۔ دافع سستی و کاہلی۔ ونکان۔ صرف تازہ اور بغیر خشک کی ہوی گری سے تیار کیا جاتا ہے۔ خوشبودار خوشگوارہ خوراک (عہ)

اسٹرنس پیرامس

غذا ہضم کرنے کے لیے بہترین دوا نہایت سستی زود اثر۔ اور کامل طور سے آلات ہضم کو درست کرتی ہے۔ عہ فی شیشی

رسالہ رفیق رمضان جسمین ان اور دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈک اسٹرنس اینڈ کمپنی ڈیرائٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہین ناٹلس ایڈورٹائزنگ ایجنسی کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو۔

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیا کے دوکاندار فروخت کرتے ہین

عرق ماء اللحم انگوری و آتشہ

روحانی جلاء

صاحبو! تعالے حکیم مطلق نے اس عالم رنگ و بو میں عالم انسان کی تخلیق فرما کر اس کے ارد گرد اس اور ہزارہا اقسام کے حیوانات و نباتات کی تادیب و تنبیہ کے واسطے قائم و مسلط کئے ہوئے ہیں جو اس کے ساتھ ہی ایسے ایسے پیارے سے شفا بھی بیدا کر چھوڑے ہیں جن کا وجود حضرت انسان رحمت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ البتہ شرط عالم کی ہے کہ کوئی شخص محض اپنی جہالت کی وجہ سے غافل و بے خبر رہے۔ تو خود اپنی نادانی جہالت اور بیوقوفی ہوگی ورنہ رحمت الٰہی تو اپنی عام فیاضی کے حق میں ہرگز بخیل نہیں۔ ہر درد کی ایسے ایسے بیشمار آیات بینات کا مرہم رکھے ہیں۔ پھر کیا کیجئے خود منہ موڑ بیٹھے ہیں۔ اور بجائے دوا کے بیماری کی تعریف و عزت کئے جاتے ہیں۔ اور بجائے دوا کے بیماری کی تعریف و عزت کے ساتھ حاصل ہوسکتے ہیں۔ پھر کیا کیجئے ہماری ہی غفلت ہے کہ ہم ان پر کچھ دھیان اور توجہ نہیں کرتے۔ بس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہم آئے دن خود بخود نہایت ہی خوفناک خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہوتے اٹھتے ہیں۔ افسوس انہیں چند دنوں میں بہت سی ایسی ہی دلدوز واقعات ناگہانی وفاتوں کے گوش زد ہوئے ہیں ؎

نہ قاصد نے صبا نے نہ مرغ نامہ بر نے
کہ نزدیار رساند زسوے ما خبرے

آہ کیسا کیسا آزاد دل، تمنا مند اور حسرتیں ہو گئی جو کہ یک بیک زبان بند ہو جانے کی وجہ سے بوقت مرگ عاجز تر کرتے اور بھی حسرت و حسرت کے ساتھ۔ الوقت ان کو کشاں کشاں لے جہنم رسید کیا گیا۔ ایسی موت سے بچنے کے لئے یہ ایک سرمجرب و آزمودہ ہم بتلاتے ہیں :-

دوران خون

واقع ہوکر دوران خون اگر ایک منٹ بھی بند ہو تو فوراً قلب کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اور اسی کا نام موت ہے۔ پس جہاں تک ہوسکے اور جس طرح ہوسکے۔ دوران خون اور حرکت قلب کا انتظام ہر وقت مدنظر رکھنا چاہئے اور وہ اس طرح سے ہوسکتا ہے کہ آپ ہمیشہ ایسی اشیاء کا قاعدہ استعمال جاری رکھیں جن سے بالخصوص دوران خون و حرکت قلب کا انتظام ہر وقت درست طور پر جاری رہے۔ اس مدعا کے واسطے خاکسار ہمارے شفاخانہ کا تیار کردہ

عرق ماء اللحم انگوری و آتشہ حکیم اکسیر

اور تاثیر بے نظیر رکھتا ہے کیونکہ ہر حالت اور ہر موقعہ پر یہ عرق اعضائے رئیسہ کے افعال کو باقاعدہ رکھنے میں اعجاز کا کام دیتا ہے۔ تمام امراض کے جسم میں داخل ہونے کا رستہ بند کر دیتا ہے۔ اول درجہ کا مقوی و مصفی خون ہے۔ ہر قسم کے خون کے بگاڑ کو نکال کر تازہ و صاف خون پیدا کرکے بجائے اس کے تازہ و صاف خون پیدا کر دیتا ہے اور ردی خون کو مطلق صاف و پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ شراب کا بدل و اعلیٰ النعم البدل ہے۔ ہر قسم وغیرہ جملہ عوارضات کو یہ عرق

یا ان تک پہنچتے نہیں دیتا۔ اور سوجات کی ایک یہ بات ہے ہر

دوران خون اور حرکت قلبی کو

ہمیشہ اور ہر وقت بالکل باقاعدہ رکھتا ہے۔ اور اس کے ہوتے کوئی خواہ کیسی ہی مرگ ناگہانی یا مرگ مفاجات کا سامنا نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ عرق حاق سے پہلے اثر کرتا ہے فوراً خون بنا لیتا ہے۔ وہ خون جس کو اطباء روح کہتے ہیں۔ یعنی کہ ان کے نزدیک مفارقت روح خلو رطوبت کوئی چیز ہی نہیں۔ بلکہ وہ محض خون ہی کو روح کہتے ہیں اور اسکی تسہیل پیدا کرتے ہیں کہ جان نکلتی ہی سارے بدن میں خون ہی خون تک باقی نہیں رہتی۔ بہرحال اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ :-

یہ ماء اللحم دوران خون اور خون صالح

پیدا کرنے میں نہایت ہی ضروری اور بہت ہی مفید چیز ہے۔ چونکہ جسم میں سوا سرخ خون ہی خون پیدا کرتا ہے جو چیز خون پیدا کرنے والی ہو وہی ہمارا جزو بدن بنتی ہے اور یوں تو ہر روز ردی بھی نکلا کریں۔ اور وہ جزو بدن نہ ہو تو کیا فائدہ۔ علماء فرماتے ہیں اس امر پر متفق ہیں کہ ایسی دوا یا غذا جزو بدن نہ ہو۔ بلکہ صرف اعضائے تین صرف ایک سرخ کی تحریک پیدا کرکے رہ جاوے وہ انتشاری ہے کہ آناً فاناً میں اس کا اثر زائل ہوکر پھر کچھ باقی نہیں رہتا + جیسا کہ شراب۔ اور فاسفورس۔ اسٹرکنیا وغیرہ +

پس جو حاجت مند ہیں وہ نفع الضعفاء اور الاحمانگوری و آتشہ کو بنظر حفظ ماتقدم طلب فرما کر استعمال کریں اور پھر روحانی حالات بچشم خود ملاحظہ فرمادیں +

قیمت

فی بوتل دو روپے (۲ع)۔ تین بوتل (۵ے) چھ بوتل (۱۰ع)۔ درجن بوتل (۱۸ع)

نوٹ :- بیرنگ نہیں یہ ماء اللحم تین بوتل سے کم روانہ نہ ہوگا۔ ہر جز ترکیب استعمال ہمراہ روانہ ہوگا۔ بذریعہ ریل منگانے میں محصول کم لگتا ہے۔ صحت یافتہ حضرات کے ہزاروں سرٹیفکیٹ دیکھنا چاہو تو کتاب منگواؤ +

علاوہ ازیں

اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب دوا میں موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعضاء (اضافہ مروی اللعہ)۔ (۲) طلاء اعضاء تیست (للعہ)۔ (۳) دوائی سوزاک نمبر ۱ (۲ع) نمبر ۲ (۴) حب والعہ آتشک اللعہ (۵) حب دافع بواسیر ۲ع (۶) حب دافع جریان واحتلام ایک روپیہ (۷) سرمہ مسلا کرامانی فیتول (۲ع)۔ (۸) جوہر غربہ صنفی خون شیشی کلاں تین روپے خورد (۱ع)۔ (۹) سنون مستحکم دندان (۱ع)

پتہ :- مینجر شفاخانہ حاج الحرمین حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکما لاہور

لاکھ روپیہ کی جان کیواسطے

صرف چار آنے خرچ بات ہی کیا ہے

دیکھو گرمی کا ایام آیا اور ساتھ ہی جگہ بہ جگہ ہیضہ ہونا ممکن ہے اس لیئے وقت پڑے کیون نہین ایک شیشی عرق کافور گھر مین ڈال رکھئے یہ ڈاکٹری

اصلی عرق کافور

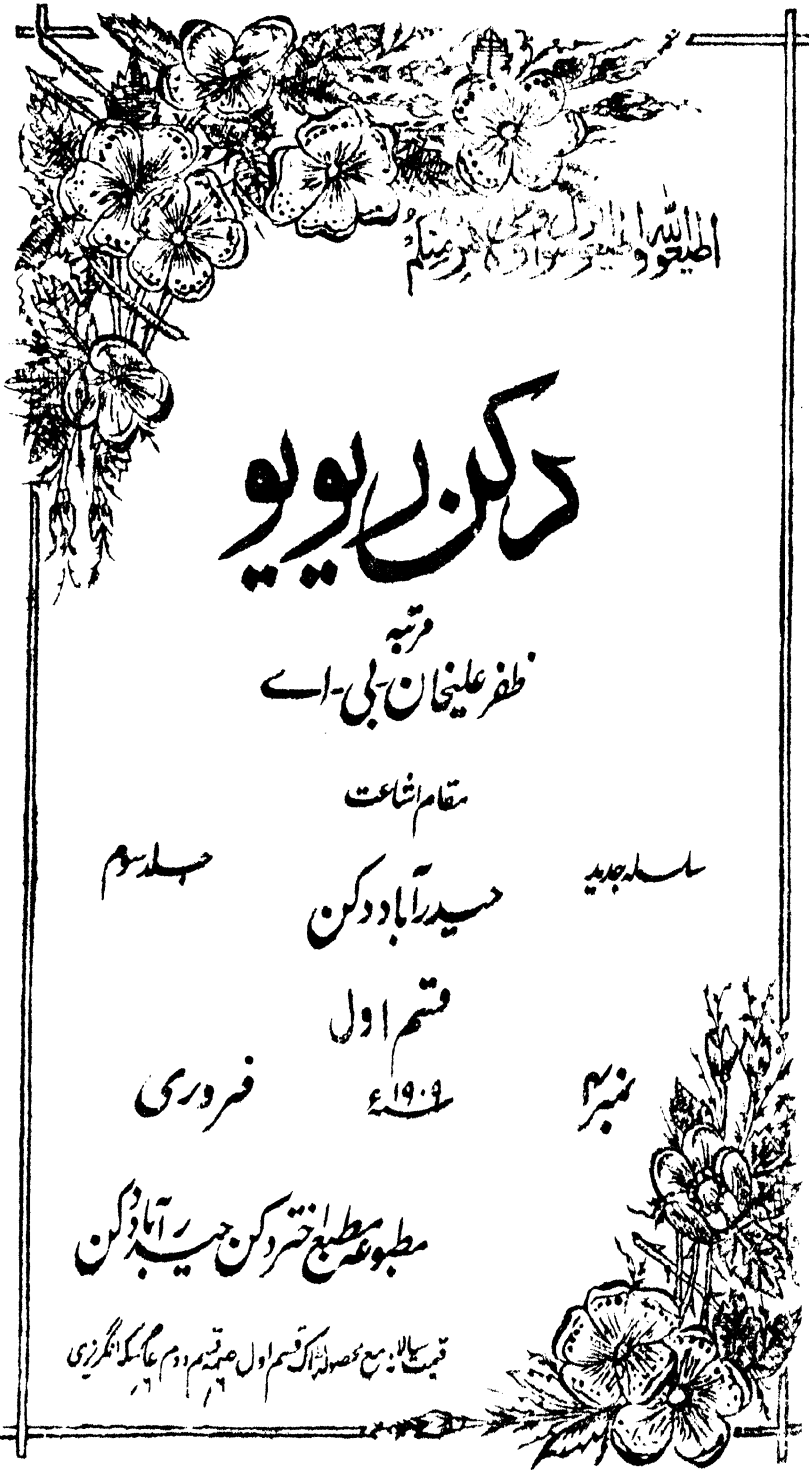
۲۳ برس سے ہندوستان مین لاکھون بار آزمایا ہیضے کا اکسیر علاج ہے سنہ ۱۸۶۹ع مین جب احاطہ بمبئی مین قحط اور ہیضہ پھیلا تھا تب اسی عرق کافور سے ہزارون اشخاص کی جان بچی تھی۔ اور تین مہینے مین ایک لاکھ شیشیان فروخت ہوئی تھین۔ سینکڑون نہین بلکہ ہزارون سارٹیفکٹ اس کے موجود ہین منگا کر دل بھر لیجئے۔ نقلی عرق سے ہشیار۔ قیمت فی شیشی ۱۴ ڈاک محصول ایک سو شیشی تک ۸

امتحاناً بلا قیمت دیا جاتا ہے

ضرور آزمایئے اگر آپ بلا قیمت اس عرق کافور کو آزمانا چاہین تو صرف محصول ڈاک کے لیئے دو پیسہ کا ٹکٹ پیڈ لفافہ مین بھیجئے۔ اور اسی خط مین دس خواندہ اور رئیسون کے نام و پتہ صاف طور پر لکھ دیجئے۔ پتہ لکھنے مین مقام ڈاکخانہ ضلع لکھئے گا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۹ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ



اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان بی۔اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — حیدرآباد دکن — جلد سوم

قسم اول

نمبر ۲ — سنہ ۱۹۰۹ء — فروری

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصولہ ڈاک قسم اول عہ قسم دوم عا سکہ انگریزی

رائیڈل صاحب کی بنائی ہوئی نہایت مجرب دوا

مرگال

انتہائی درجہ تک کے فسادخون کے مریضوں کے لیے اکسیر مصدقہ ڈاکٹران و معالجان امراض اسفال۔ ۴۰ گولیوں کی شیشی قیمت دو روپے (عا)

گونوزان

مشہور تکلیف دہ جانگداز مرض ریزش پرسوزش نالے کا حکمی علاج مشہور اور خاص ڈاکٹران کا مصدقہ قیمت ۴۰ گولیوں کی شیشی کی دو روپے۔ عا

دبورنیوال

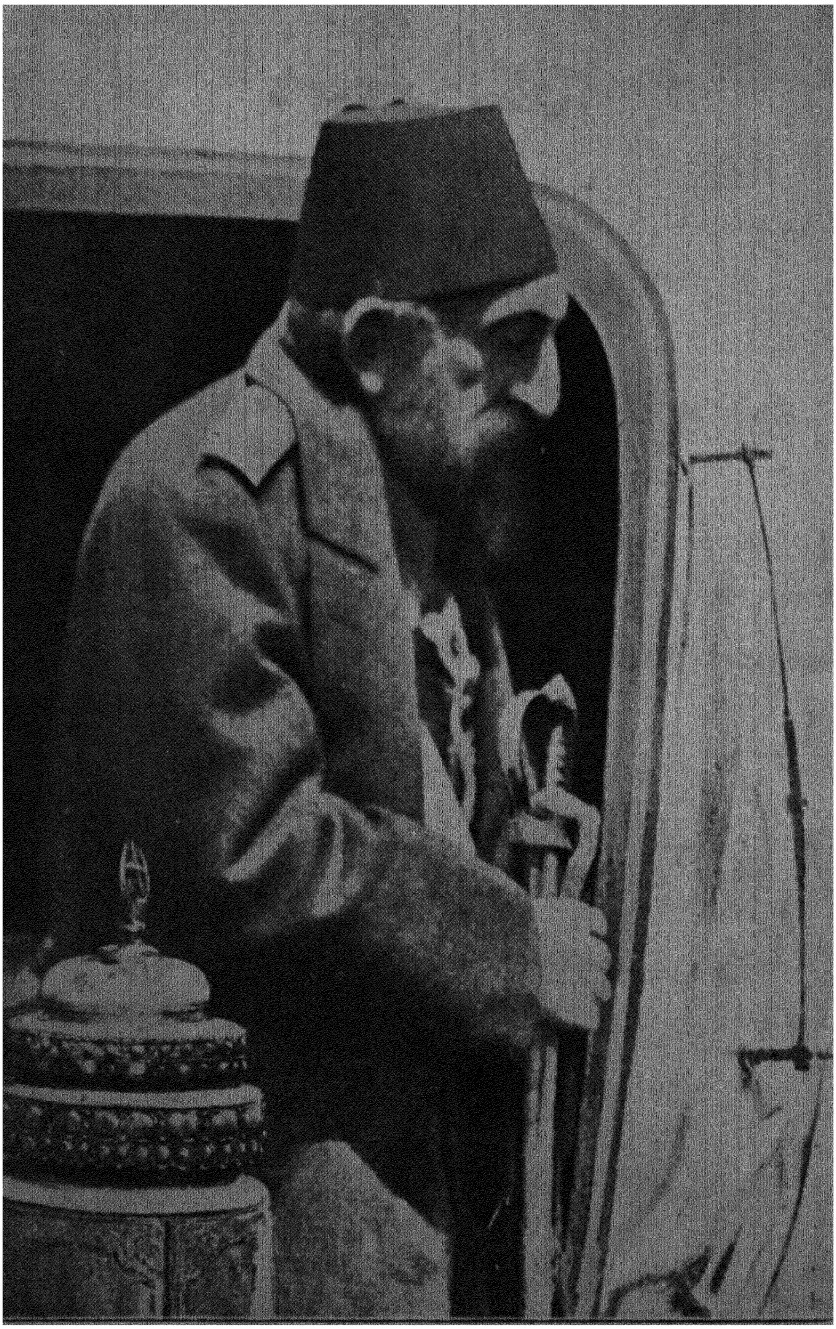
طاقت ور بنانے اور درد اعصاب دور کرنے کی دوا ہسٹریا کی مریض عورتوں کے واسطے نہایت مفید۔ کم ہمتی۔ بدحوالی ضعف دل کو دماغ کو نافع ۴۰ گولیوں کی قیمت عہ/ ۶

یوہمبین

کمزوری۔ نامردی۔ اور ہر قسم کے ضعف کے لیے قطعی اور بلاضرر علاج مصدقہ محققان امراض تولید۔ کبھی خطا نہیں کرتی۔ ۱۲ قرص کی قیمت عہ/ ۶

مندرجہ بالا ادویہ کے مفصل حالات میں ایک رسالہ بنام آب و آتش۔ حال میں چھاپ کر بہت تقسیم کیا جاتا ہے۔ سے برکت اینڈ کمپنی دہلی سے طلب کرو محصول پتہ ارسال کیا جائے گا۔ اور متذکرہ بالا اعلےٰ ادویہ اپنے شہر کے انگریزی دواخروشوں سے طلب کرو۔ اگر وقت ہو۔ تو

سے برکت اینڈ کمپنی دہلی سے طلب کرو



ہز امپیرئل میجسٹی عبدالحمید خان سلطانِ ترکی

کتب خانہ آصفیہ عثمانیہ

دکن ریویو

سلسلۂ جدید

نمبر ۴ فروری سنہ ۱۹۰۹ء جلد سوم

تصویر اعلیحضرت خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خان

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
ایڈیٹوریل	ایڈیٹر	ب
قصیدہ نعتیہ	مولوی رضا علی صاحب وحشت کلکتہ	۱
ہندوؤں کی تہذیب (۴)	رائے پربھولال صاحب محکمۂ فنانس حیدرآباد دکن	۵
سلام	مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن	۲۲
السفر وسیلۃ الظفر	پنڈت رتن ناتھ سرشار آنجہانی	۲۴
غزل	مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنؤ	۲۸
عربی شاعری اور مثنوی	مولوی محمد عبدالباسط صاحب مولوی فاضل حیدرآباد دکن	۲۹
غزل	علامہ شبلی نعمانی	۴۲
غزلیات راسخ	مولوی رضا علی صاحب وحشت کلکتہ	۴۳

ایڈیٹوریل

کچھ دن ہوے دکن ریویو کے دفتر سے ایک خط علیگڈھ کالج کے سابق طلبہ کے نام جاری ہوا تھا جس مین ایک مقام پر حسب ذیل عبارت مندرج تھی:-

"غالباً آپ اس امر کو تسلیم فرمائین گے کہ مسلمانان ہند من حیث القوم اُس وقت تک صحیح معنون مین ترقی نہین کر سکتے جب تک کہ مغربی علوم وفنون کے فیضان سے مغربی زبانون ہی مین بہرہ یاب ہونے کی قابلیت رکھنے کے علاوہ وہ ایک ایسی زبان کے مالک نہ ہون جو اُن کی قومی ملکی اور وطنی زبان ہو جو آج کل کی مہذب اور شائستہ زبانون کی صف اول مین جگہ پانے کا استحقاق رکھتی ہو۔ جس مین ہر اُس خیال کو ادا کرنے کی قدرت ہو جو فکر انسانی کے احاطہ مین آسکے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانان ہند کے لئے اگر ایسی کوئی زبان ہوسکتی ہے تو وہ اردو ہے جس کی عمر دوسری ترقی یافتہ زبانون کے مقابلہ مین اگرچہ بہت ہی کم ہے لیکن پھر بھی اُس مین وہ تمام قوتین موجود ہین جو ہر بڑی زبان کو مدارج ارتقا کے طے کرنے مین مدد دیا کرتی ہین۔ جس طرح انگریزی زبان سکسن ہڈ یون پر فرانسیسی۔ لاطینی۔ یونانی اور عربی زبانون کا گوشت چڑھا کر اپنی اس صفت ہمہ گیری کی بدولت منتہاے ترقی پر پہونچ گئی اور اس کی دلاویزی و رعنائی نے تخییل کے دل کو مسخر کر لیا اسی طرح اردو بھی سنسکرت فارسی عربی انگریزی اور دوسری زبانون کے خرمن سے خوشہ چینی کر رہی ہے اور ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اس کا شمار دنیا کی بڑی علمی زبانون مین ہوگا۔ اس دن کے قرب یا بعد کا انحصار فقط ہماری ہمتون اور کوششون کی کمی یا زیادتی پر ہے۔

اگرچہ اردو کو ہندوستان کے تیس کروڑ باشندون کی مشترکہ قومی زبان ہونے کا دعویٰ ہے اور ہندوون پر بھی اس کا ویسا ہی حق ہے جیسا مسلمانون پر لیکن شومئی قسمت سے اُن پولٹیکل اختلافات نے جو ان دونون قومون کی باہمی مغایرت و منافرت کے ذمہ دار ہین طبقۂ ہنود کی کثیر التعداد اور بااثر جماعت کو محض اس خیال خام کی بنا پر اردو کی طرف سے بدظن کر دیا ہے کہ وہ صرف مسلمانون کی زبان ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی مشترکہ قومیت کے اس جزو اعظم کی رفتار ترقی نسبتہً سست پڑ گئی۔ بہرحال مسلمانان ہند اُس بوجھ کو اٹھانے کے لئے بھی جو بسبب بدسمتی اُن کے ہندو ہم وطنون کے کندھون تک پہونچنا چاہیے تھا بخوشی تیار ہین اور اب ہم کو

تمام اپنی کوششین اس زبان کے ترقی دینے مین صرف کر دینی چاہئین جو شاہجہان کی گود مین پلی جس نے غالب اور سید احمد خان کی صحبت سے فیض پایا جس کو حالی محسن الملک نذیر احمد اور شبلی کی نکتہ آفرینیون سے حصہ ملا اور جو قبیون کی ان کوششون کے باوجود کہ سنسکرت کی مردہ ہڈیون مین روح پھونکی جائے یا ناگری کے بھدے اور بے ڈول جسم مین شان رعنائی و دل آرائی پیدا کی جائے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے"

یہ اقتباس موزون طور پر اُس ریویو کی تمہید قرار پاسکتا ہے جو ہم مخزن بابت دسمبر ۱۹۰۶ء کے لیڈر پر لکھنا چاہتے ہین۔ ہمارے عزیز دوست شیخ عبد القادر صاحب بی۔ اے ایڈیٹر مخزن نے اس لیڈر مین جس کا عنوان "اردو سبھا" ہے ایک مہتم بالشان تجویز ملک کے سامنے پیش کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ زبان اردو کو ایک علمی اور قومی زبان کی حد تک ترقی دینے کے لئے ایک مجلس ایسے اشخاص کی مقرر کی جائے جنھون نے اردو کی کوئی نمایان خدمت انجام دی ہو اور اس کے مقاصد حسب ذیل قرار دینے چاہئین۔

(۱) دنیائے اردو کی حدود کی توسیع۔ (۲) ہندوستان کی دیگر زبانون سے رشتہ اتحاد۔ (۳) زبان اردو کے قواعد اور حدود کا تعین۔ (۴) زبان اردو کے مختلف فیہ مسئلون پر عالمانہ غور و فکر کرنا (۵) تازہ تصانیف تالیفات و تراجم پر ایک جامع اور غایر نظر رکھنا اور اہل تصنیف و تالیف کو مشورہ دینا۔ (۶) خاص صورتون مین مصنفین و مولفین کی اشاعت تصانیف و تالیفات کے متعلق مالی مدد کرنا۔ (۷) اردو علم ادب کی ترقی کی تدابیر سوچنا اور عمل مین لانا اور اُن جماعتون کی حمایت کرنا جو اس کام مین مصروف ہون

شیخ عبد القادر صاحب کا خیال ہے کہ اگر ایک فہرست ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم اردو کی مرتب کر لی جائے اور ایک بااثر کمیٹی کے ذریعہ سے جو کسی بڑے مرکز مین قائم ہو ان سب کو ایک جلسہ مین دعوت دی جائے تو ایک ایسی مجلس قائم ہو سکتی ہے "جس کی مثال چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہو" اور جو ہندوستان کے لئے وہی کام دے سکتی ہے جو فرانس مین وہان کی شہرہ آفاق "اکادمی" دے رہی ہے۔

تجویز کے دلپذیر اور اہم ہونے مین شک نہین اور کوئی شخص جسے اردو زبان سے محبت ہے ایسا نہ ہوگا جسے اس سے اختلاف ہو۔ لیکن وہ لوگ جو انجمن ترقی اردو علی گڑھ اور انجمن اردو حیدرآباد کی کارنامون سے واقف ہین اور اُس جوش کی ماہیت سے بھی بے خبر نہین جو ہر ایسی دلکش تجویز کے متعلق ابتدا ابتدا مین مسلمانون کی طرف سے ظاہر ہوا کرتا ہے لیکن فوراً ہی جھاگ کی طرح بیٹھ بھی جاتا ہے وہ اگر اس تحریک کی کامیابی کو زیادہ وثوق کی نظر سے نہ دیکھین تو غیر حق بجانب نہین سمجھے جا سکتے۔ اس مین شک نہین کہ اگر ہمارے ہندو بھائی اردو کو اپنی قومی و وطنی زبان سمجھ کر اس کی توسیع و ترقی مین ہمارا ہاتھ بٹائین تو کامیابی یقینی ہے لیکن اردو زبان کا مسئلہ جس سے زیادہ اہم پولیٹیکل مسئلہ آج کل ہماری رائے ناقص مین اور کوئی نہین برادران ہنود کے عام قومی پروگرام مین کہین نظر نہین آتا۔ پنجاب اور ممالک متحدہ مین مسلمانون کی طرف سے باوجود اُن کی پولیٹیکل کمزوری کے جس کے لحاظ سے اغیار و اجانب اور خود اُنہین کی قوم کے بعض اکابر اُنہین ہدف سہام ملامت بنایا کرتے ہین مختلف اوقات مین اردو کی حمایت نہایت شد و مد سے ہوئی یہان تک کہ مسلمانون نے سر انٹونی میکڈانل تک کی شان جلال کی کچھ پروا نہ کی ان دونون صوبون مین تو خیر اردو زبان عام طور سے مروج تھی لیکن مشرقی بنگال مین بھی جہان کی عام بولی بنگالی ہے مسلمانون نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اُن کی قومی زبان اردو ہوگی اور یہی حال ہندوستان کے دوسرے صوبون کے مسلمانون کا ہے لیکن آج تک ہم اس خبر کو ترستے ہی رہے کہ ہمارے ہندو بھائیون نے بھی اردو کی حمایت یا اُس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل و اشاعت کی کوئی عملی کوشش کی ہو

بہر حال نشوونما کی اُس حیرت انگیز اور سریع السیر قابلیت کی بھروسہ پر جو خود اردو زبان کے ہر رگ و ریشہ مین ودیعت کی گئی ہے ہمین ناامید ہوئے بغیر اپنی کوشش جاری رکھنی چاہئے۔ کچھ تو اس خیال سے اور کچھ یہ سوچ کر کہ شیخ عبدالقادر صاحب اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب جیسے مستعد لایق اور ذی اثر افراد قوم کی متفقہ مساعی ضرور بار آور ہونگی ہم اس تجویز کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہین اور شیخ صاحب کی مجوزہ فہرست کی ترتیب مین جس حد تک کہ اُسی دکن سے تعلق ہے بسر و چشم حصہ لینے کو تیار ہین۔ لیکن اس قدر عرض کئے بغیر نہین رہ سکتے کہ مناسب ہوگا کہ "اردو سبھا" کے بجائے جس پر بادی النظر مین "اندر سبھا" کا دھوکا ہوتا ہے کوئی اور موزون نام اس انجمن کے لئے تجویز کیا جائے۔

جنوری ۱۹۰۹ء کے مخزن مین حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی نے شہید جفا کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس مین اورنگ زیب کے ہاتھون دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کے مارے جانے کے واقعہ کو اس انداز سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھون کے سامنے اورنگ زیب کی سفاکی و قساوت قلبی اور سلیمان شکوہ کی نامرادی و مظلومیت کی تصویر کھنچ جائے سلیمان شکوہ کی شفاعت اس مضمون مین سعد اللہ خان کی طرف سے کرائی گئی ہے جس کی نسبت یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ اورنگ زیب کا وزیر اعظم تھا۔

ہم نے تو تاریخون مین ہی پڑھا تھا کہ سعد اللہ خان شاہجہان کا وزیر تھا اور اُس کا انتقال شاہجہان ہی کے عہد مین ہو گیا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ اورنگ زیب کے عہد مین بھی موجود تھا جس کی تاویل بجز اس کے کہ اصول تناسخ کو صحیح مانا جائے اور کسی طرح ممکن نہین۔ حکیم جی کا مقصد اس مضمون کو سپرد قلم کرتے وقت شاید اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ ناظرین سے اپنی انشا پردازی اور عبارت آرائی کی داد چاہین کیون کہ سمجھ مین نہین آتا کہ کوئی ہندوستانی مسلمان مذہبی عصبیت سے اس درجہ معرا ہو سکتا ہے کہ اورنگ زیب علیہ الرحمتہ جیسے جلیل القدر فرمانروا کے محاسن سے قطع نظر کر کے صرف اُس کے معایب کو ظاہر کرے اور وہ بھی اس زمانہ مین جبکہ اغیار و اجانب کا یہ شیوہ ہو رہا ہو کہ مسلمانون کے اسلاف کے کارنامون کی تنقیص کرین اور نہ صرف اُن کی نیکیون کو بدیان بنا کر دکھائین بلکہ جن الزامات کا تاریخ مین وجود تک نہ ہو وہ اپنی طرف سے تراش کر ان سے منسوب کر دین۔ لیکن اگر حکیم جی کی غرض و غایت اس مضمون کے لکھنے سے حقیقت مین یہ ہے کہ اورنگ زیب کے دامن مین ایک سیاہ دھبہ ڈھونڈ کر اور اُس پر اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی داغ لگا کر ناظرین مخزن سے اپنی حق پسندی اور صاف گوئی کا لوہا حاصل کرین تو ہم اُنہین یقین دلاتے ہین کہ وہ ایک بہت بڑی پولیٹکل سادہ لوحی مین مبتلا ہین۔ ہم نے آج تک نہ سنا کہ ہمارے ہندو بھائیون مین سے کسی نے سیواجی کی قاتلانہ غارتگری مین منقصت کا کوئی پہلو نکالا ہو یا اُس کی سیرت مین کوئی بات قابل گرفت پائی ہو۔ گرو گوبند سنگھ صاحب کے بعد بندا نے سلطنت مغلیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے قتل و غارت مین جو شہرت حاصل کی آج تک ہمارے کسی سکھ بھائی نے اُس کے خلاف قلم نہ اُٹھایا۔ کلائو نے ہندوستان

مین سلطنت برطانیہ کے استحکام کے لئے جن ناپسندیدہ طریقون کو اختیار کیا ہم نے نہین دیکھا کہ کسی انگریزی مورخ نے اس کے لحاظ سے اُس کو بُرا بھلا کہا ہو۔ بُرا بھلا کہنا کیا معنی پچھلے دنون لارڈ کرزن نے کلایو کے بت نصب کئے جانے کے متعلق تحریک کی۔ لیکن ایک ہم مسلمان ہین کہ اپنے اسلاف کی مذمت کرنے اور اُن کے کارنامون پر خاک ڈالنے مین ذرا پس وپیش نہین کرتے اور وہ اس موہوم امید پر کہ دنیا ہمین حق پسند کہے گی۔ حق پسند تو نہین کہتی احمق اور سادہ لوح ضرور کہتی ہے۔

مسٹر سید علی امام پریزیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیگ بھی اسی غلطی مین مبتلا ہوے تھے اور اُنھون نے اپنے پریزیڈنشل ایڈرس مین اورنگ زیب پر یہ بے تکا الزام لگا دیا تھا کہ وہ ہندوؤن کو زبردستی مسلمان بنایا کرتا تھا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بقول محترم ہمعصر البشیر اس نکتہ کا ماخذ غالباً انگریزی تاریخین یا سنی سنائی من گھڑت روایتین ہون گی کیون کہ اگر سید صاحب اسلامی تاریخون کا مطالعہ کرتے تو اس واقعہ کے لئے کوئی سند نہ پاسکتے۔ بہرحال ہم سید صاحب کی حق پسندی وآل اندیشی کے قائل ہین کہ اُنھون نے اُس فقرہ کو جس مین بے بنیاد الزام اورنگ زیب پر لگایا گیا تھا ایڈریس سے حذف کرکے اپنی غلطی تسلیم کرلی۔ اور اُس گزند سے جو بصورت استبداد اُن کے منصب پیشوائی کو پہونچنے والا تھا اپنے تئین بچالیا۔ اگرچہ اس کے متعلق اخبار پرکاش جو آریہ پارٹی کے جذبات کی زندہ تصویر ہے یہ لکھنے سے باز نہین رہ سکا کہ "تیر کمان سے نکل گیا۔ اب واپس نہین آسکتا فقرہ قلم سے نکل گیا پبلک کے سامنے آگیا اب وہ معدوم کیسے ہو۔ مانا کہ انھون نے وہ فقرہ ایڈریس مین پڑھ کر نہ سنایا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُنھون نے وہ فقرہ غلط سمجھ کر حذف کردیا۔ جس وقت سید علی امام صاحب یہ لکھ دین گے اُس وقت ہم بھی مان لین گے" ہمین امید ہے کہ مسٹر علی امام ہمارے مخدوم ومکرم مولوی ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہل حدیث کی کھلی چٹھی کے جواب مین اپنی غلطی کا جو کنایۃً تسلیم کرلی گئی ہے صراحۃً بھی اعتراف کرلین گے تاکہ اغیار واجانب کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ "جس شخص کو تم اس قدر ذمہ دار اور لائق سمجھتے ہو کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت اُس کو پیش کرتی ہو اور پھر جس شخص مین اس قدر اخلاقی جراءت ہے کہ ایک مسلم پلیٹ فارم سے یہ فقرہ اورنگ زیب کے متعلق پڑھ کر سنانے کو تیار ہے کیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ ایسے لایق اور ذمہ دار شخص نے یہ فقرہ بلا ثبوت ہی لکھ دیا ہوگا"

اگرچہ اُن غلط فہمیون کو جو اورنگ زیب کے متعلق عام طور سے پھیلی ہوئی ہین قوم کے بعض سربرآوردہ اراکین نے دفع کرنے کی کوشش کی ہے اور جن لوگون کی نظر سے رسالہ الندوہ اور اخبار زمیندار گذرا ہوگا اگر وہ انصاف پسند ہین اور اورنگ زیب کو برا سمجھنے کے مرض مین مبتلا ہین تو ضرور اُن کا مرض جاتا رہا ہوگا لیکن ابھی اس کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ ایک جامع و مانع سلسلہ مضامین کے ذریعہ سے اورنگ زیب کا اصلی کیرکٹر دنیا کے سامنے پیش کرکے اُس بدسلوکی کی تلافی کی جائے جو ایک طرف تو لغت خان عالی جیسے محسن کش وقایع نویسون کی تدلیس والتباس دوسری طرف انگریزی مورخون کے غیر محققانہ یک طرفہ بیانات تیسری طرف متعصب ہندوؤن کے بے بنیاد الزامات اور چوتھی طرف زمانہ موجودہ کے مسلمانون کی تاریخی کو رسوادی اور علمی بے بضاعتی نے اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی یاد کے ساتھ کی ہے۔

اسی لئے ہم نے قصد کیا ہے کہ دکن ریویو کا ایک اورنگ زیب نمبر نہایت دھوم دھام سے نکالا جائے اور اُس مین اس شہنشاہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر ایک محققانہ نظر ڈال کر اُس کے نام کو تدلیس تعصب اور جہالت کی گوناگون بلاؤن کے پنجے سے چھڑایا جائے۔ اردو کے ممتاز انشاپردازون کو اورنگ زیب مرحوم سے ارادت ہے اُنہین صلائے عام دی جاتی ہے کہ اس مضمون پر نظم و نثر مین طبع آزمائی فرماکر اپنے اپنے مضامین ہمارے پاس بھیج دین۔ جب مکمل ذخیرہ مضامین جمع ہوجائیگا تو اورنگ زیب نمبر نکالا جائے گا۔ ہمین امید ہے کہ ہمارے اسلامی ہم عصر اپنے اپنے پرچون مین اس کا اعلان فرماکر ایک بہت بڑی تاریخی اور قومی خدمت کی انجام دہی مین حصہ لین گے۔

ہم نے یہ بھی ارادہ کیا ہے کہ آئندہ سے ہر اُس مضمون کے لئے جو دکن ریویو مین شایع ہو مضمون نگار کو معقول معاوضہ حسب حیثیت مضمون دیا جائے۔ اردو رسائل کی قلمی اعانت کرنے والے آج کل ہندوستان مین عام طور سے دو قسم کے لوگ ہین۔ ایک وہ جن سے صاحب رسالہ کو تعلق دوستی و ربط مندی ہوتا ہے اور یہ تعلقات ایشیا کی مشہور صفت دوست نوازی کے ساتھ مل کر رسالہ کے ذخیرہ مضامین کا تکفل اپنے ذمہ لیتے ہین۔ دوسرے وہ جن کی تعریف ہمارے مخدوم محترم مولانا

سید اکبر حسین نے ان الفاظ مین فرمائی ہے۔

دیکھو جسے وہ پا نیر آنس مین ہے ڈٹا　　بہر خدا مجھے بھی کہین چھاپ دیکھیے

بہ الفاظ دیگر یہ وہ لوگ ہین جنھین اخباری دنیا مین مشہور ہونے کی خواہش مضمون نگاری پر آمادہ کرتی ہے۔ وہ انٹ کا سنٹ جو چاہتے ہین لکھ مارتے ہین اور اُن کی رطب و یابس تحریرات کا معاوضہ چونکہ اسی قدر ہوتا ہے کہ چھاپہ کے آئینہ مین اُنھین اپنی صورت نظر آجائے اس لئے ہمارے ایڈیٹران رسائل جو کسی اہل قلم کو معاوضہ دینے کے عادی نہین ہین کچھ تو بہ اقتضاے مروت اور کچھ صفحے بھرنے کے خیال سے اُنھین اپنے کالمون مین جگہ دے دیتے ہین۔ خدا کا شکر ہے کہ دکن ریویو کی قلمی اعانت اج تک قسم اول ہی کے اصحاب نے فرمائی ہے۔ اُسے اگرچہ قسم دوم کے بزرگون کی عنایات سے بھی سابقہ پڑا لیکن ان عنایات کو اُس نے ہمیشہ شکر کے ساتھ رد کیا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ اُن لوگون مین مقبول نہ ہوا جو بقول ہمارے عزیز دوست مولوی سراج الدین احمد صاحب میر منشی کشمیر رزیڈنسی کے سوقیانہ غلون انگریزی مضامین کے ذلیل ترجمون اور نوشق مضمون نگارون کی طفلانہ خامہ فرسائیون ہی کو ایک چلتے ہوئے اردو پیرہ کا معیار سمجھے بیٹھے ہین۔ لیکن اگرچہ دکن ریویو کو قلمی سرپرستون کی نوازشات کا سلسلہ اُس ارادت کی طرح جو ہمین اُن کی جناب مین ہو لاقتناہی ہے پھر بھی اُس عرق ریزی اور جانکاہی کا اندازہ کرکے جو ایک اچھے مضمون کے لکھنے مین صرف کرنی پڑتی ہے ہم نہین چاہتے کہ یار شاطر ہونے کے بجائے ہم اپنے تقاضون کے باعث اُن کے لئے بار خاطر ہون۔ پس آئندہ سے دکن ریویو کے قلمی معاونین کو یہ اطلاع دینا ہم اپنا فرض خیال کرتے ہین کہ جو مضمون اس کے کالمون مین شایع ہوگا اُس کا معاوضہ بجائے خالی خولی زبانی شکریہ کے نقدی مین دیا جائے گا۔ بعض قدیم معاونین جن کا شمار دکن ریویو کے اعزازی سرپرستون مین ہے اور جن کی بیش بہا اعانت کی بدولت دکن ریویو وہ ہے جو ہے اُن کی جناب مین کوئی ہدیہ پیش کرنا اول تو ایک ایسی بڑی گستاخی ہے جو معاف ہو ہی نہین سکتی اس لئے کہ اُن کی اعانت کی قیمت کا اندازہ زر و جواہر سے نہین ہو سکتا اور دوسرے اپنے توجہات و نوازشات کے معاوضہ مین ہم سے وہ بجز ارادت و عقیدت کے اور کسی شے کے متمنی بھی نہین اس لئے ہمارا روے سخن اُن کی طرف نہین ہے ہمارے

محترم معاصرین اس نوٹ کو اگر اپنے اپنے اخبارات و رسائل مین چھاپ دین گے تو ہم نہایت ممنون ہون گے۔

قاضی سراج الدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا سے اخباری دنیا بحیثیت سرمور گزٹ اور چودھوین صدی کے ایڈیٹر ہونے کے اس حد تک روشناس ہو چکی ہے کہ وہ معرفی کی احتیاج سے مطلقاً مستغنی ہین۔ لیکن جس طرح یہ دونون اخبار عالم ناسوت کے تمام مراحل طے کرکے دنیاے لاہوت کو چلے گئے ہین اسی طرح انگلستان سے واپس تشریف لانے کے بعد سے قاضی صاحب بھی پبلک لایف چھوڑکر کچھ ایسی عزلت گزین اور خلوت نشین ہو گئے تھے کہ اُن کے اور ہمارے ملنے والون مین سے اکثر کو ہم سے بارہا سوال کرنے کا اتفاق ہوا کہ وہ بقید حیات موجود بھی ہین یا نہین۔ ہمین بھی حیرت تھی کہ ایسی بے چین اور چلبلی طبیعت کا شخص کیونکر سنجلا بیٹھ سکتا ہے۔ اور وہ قلم و دماغ جن کی روانی و رعنائی لٹریری دنیا کے لئے کسی زمانہ مین مایہ ناز تھی کس طرح یک بیک شل ہو سکتے ہین۔ خوشی کا مقام ہے کہ ہمارے مخدوم کی رہبانیت کی یہ شان چند روزہ ثابت ہوئی وہ کنج خلوت سے نکلے اور پبلک اسٹیج پر آئے اور اس شان کے ساتھ آئے جیسے بہو بچال آتا ہے۔ جس طرح جولیس سیزر نے یورپ کو مسخر کرتے وقت کہا تھا کہ "مین آیا مین نے دیکھا اور مین نے فتح کیا" اسی طرح قاضی صاحب نے ناول نویسی کے میدان کے بیچون بیچ ایک ترکتاز مین اپنے قلم کا جھنڈا گاڑ دیا اور لٹریری دنیا مین ایک ایسا انقلاب پیدا کرنے کے مدعی ہوئے جو اپنی نظیر آپ کہا جا سکتا ہے۔

قاضی صاحب نے داستان پاستان کے عنوان سے ایک سلسلہ تاریخی ناولون کا شروع کیا ہے جسے وہ اس انقلاب کے دور اول سے تعبیر کرتے ہین۔ اس سلسلہ کا پہلا نمبر فاتح ہسپانیہ دو جلدون مین حال ہی مین شایع ہوا ہے اور اس کی پہلی جلد آپ نے بغرض ریویو ہمارے پاس بھیجی ہے قاضی صاحب کی قابلیت و ذہانت کے ہم پہلے ہی سے قائل ہین۔ لیکن ہمین معاف رکھا جائے اگر ہم باادب یہ عرض کرین کہ اُن کے ادعا کے لحاظ سے جو معیار اس کتاب کی اکملیت کا ہم نے اپنے ذہن مین قائم کیا تھا اُس مین یہ پوری نہین اُتری۔

اول تو کوئی شخص کسی سچائی کو دوسرون کے ذہن نشین کرنے مین کامیاب نہین ہو سکتا۔

جب تک کہ وہ خود اُس کی حقیقت کا قایل نہ ہو۔ ایک ایسے ناولسٹ کو جو قصہ نویسی و قصہ خوانی کو سرے سے ایک مذموم اور معیوب فعل خیال کرتا ہو اپنے ناول کے لکھنے مین کبھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ قاضی سراج الدین احمد صاحب اپنے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ "یہ امر فرض کر لینے کے بعد کہ قصہ نویسی یا قصہ خوانی مذموم امر ہین مین صرف یہ کہنا چاہتا ہون کہ جس حالت مین کہ ناول نویسی اور ناول خوانی کو بند نہین کیا جا سکتا اور اس کے بند کرنے کی کوشش کرنا گویا ایک طوفان عظیم کے روکنے کی سعی کرنا ہے جس مین کامیابی کی کوئی امید نہین ہو سکتی تو اس امر مین کوئی بھی عیب نہین ہو سکتا کہ ملک کی زبان مین اعلی درجہ کے ناول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے" اعلی ناول نویسون کو بتایا جائے کہ قصہ نویسی کیا چیز ہے" ہمارے نزدیک قاضی صاحب کی شان اس سے بدرجہا ارفع و اعلی تھی کہ وہ ایک ایسی چیز کو جسے وہ بُرا سمجھتے ہین محض اس بنا پر اختیار کرین کہ عوام الناس اس برائی کے دلدادہ ہین۔ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی کہ کوئی شخص اس خیال سے شراب کی کشید کے نئے نئے طریقے ایجاد کرے کہ شراب خواری بند نہین کی جا سکتی اور اس کے روکنے کی کوشش کرنا گویا ایک طوفان عظیم کے روکنے کی سعی کرنا ہے جس مین کامیابی کی کوئی امید نہین ہو سکتی" جب قصہ نویسی و قصہ خوانی کا برا ہونا ایک ناولسٹ کا اصول موضوعہ ہے تو پھر قصہ لکھنے کا قصد کرنا ایک ایسی عبارت ہے جس کا مرتکب وہی ہو سکتا ہے جسے لٹریچر کے قحبہ خانہ مین دلالی کا تمغہ مل چکا ہو۔ ہم خوش ہوتے اگر قاضی صاحب قصہ نویسی و قصہ خوانی کی سودمندی کو اپنا جزو ایمان سمجھ کر سلسلہ داستان پاکستان کو شروع کرتے۔

کتاب کی پلاٹ کے متعلق ہم کوئی رائے اُس وقت تک قائم نہین کر سکتے جب تک کہ دوسری جلد بھی سامنے موجود نہ ہو لیکن زبان کہ وہی ناول کی جان ہوتی ہے اس کتاب مین اُن اسقام و عیوب سے مملو ہے جن سے اسی پاک ہونا چاہیے تھا۔ اس بارہ مین محترم ہم عصر علی گڑھ انسٹیٹیوٹ کی بھی یہی رائے ہے اور اگرچہ ہمارے معزز ہم عصر وکیل کے ایک نامہ نگار کا خیال ہے کہ زبان اردو کا مرکز اب دہلی ہے اور نہ لکھنؤ بلکہ کم از کم ہندوستان کے ہر حصہ کے باشندے کو اختیار ہے کہ اپنی اردو کو مستند سمجھے لیکن اول تو اُس ناول کی زبان جس کے ذریعہ سے قصہ نگارون کو اس فن کے ابتدائی و انتہائی اصولون کی تعلیم

دینے کا خیال ظاہر کیا گیا ہو ایسی نہ ہونی چاہیئے کہ دلی یا لکھنؤ والے اُس پر حرفگیری کر سکین اور دوسرے اگر ہمارا یہ خیال صحیح نہ بھی ہو تو فطرت انسانی کے اس اقتضا کا سدباب کیون کر کیا جائے گا کہ جب کبھی فاتح ہسپانیہ جلد اول کے صفحہ ۴۰ کی سطر ۶ و ۷ کا یہ فقرہ پڑھا جائے گا کہ "عمر کو دیکھو اور ایک تیس برس کے لونڈے کا دلّا[1] بن بیٹھنے کو ملاحظہ کرو" تو بے اختیار قصور کے کانون مین اُس طوائف کی آواز گونجنے لگے گی جس نے "باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدمؑ کے" کو اس طرح ادا کیا تھا۔ "بادا آدم کے وجود کے پر و بال نہ تھے" اسی طرح اردو زبان اس قسم کے نئے محاورون کی متحمل بھی نہین ہو سکتی کہ "اگر اس کا کوئی کوئی سفید بال اس کی عمر کی نسبت چغلی نہ کھائے" تو اس کو عین عالم شباب مین خیال کیا جائے گا" یا یہ کہ "ایوب اور طارق میدان جنگ دیکھ چکے تھے اور خون سونگھ چکے تھے" تانیث و تذکیر کا جھگڑا اگرچہ نہایت تکلیف دہ ہے لیکن فاتح ہسپانیہ کے مصنف کو "خواب آئی تھی" لکھتے وقت اور نہین تو مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ ہی کی لغت کی سرپرستی بقدر یک گوشہ چشم کر لینی چاہیئے تھی۔

قاضی صاحب کا ناول مضمون مین مولانا عبد الحلیم شرر کے ناول فتح اندلس سے اُسی طرح لڑ گیا ہے جس طرح اُن کی کتاب سیرۃ الفاروق کی مڈبھیڑ مولانا شبلی کی الفاروق سے ہو گئی تھی۔ ایک ہی موضوع پر مختلف مصنفون کا خامہ فرسائی کرنا ہمارے نزدیک کوئی معیوب بات نہین لیکن قاضی صاحب نے اپنے دیباچہ مین مولانا شرر کی جس جس طرح سے تنقیص و تضحیک کی ہے اور اپنے مقابلہ مین اُنہین ایک طفل مکتب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اُسے دیکھ دیکھ کر مذاق سلیم متبسم ہوئے بغیر نہین رہ سکتا۔ بہرحال ان تمام لغزشون کے باوجود کتاب اچھی ہے اور ہمین امید ہے کہ پبلک اسے خرید کر مصنف کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ قیمت عصمی جلد

نعمت عظمی ہمارے معزز دوست مولوی سید عبد الغنی صاحب وارثی اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل حیدرآباد کے آن تھک قلم کی روانی کا تازہ ترین کرشمہ ہے۔ مولانا یہ ذاتی و جوہر

---

[1] یہ پنجابی لفظ ہے جس کے معنی قلّاش کے ہین۔ دلّال کا مخفف معلوم ہوتا ہے۔

وکلم الروحانیہ کے مترجم اور تنقیح حقوق تصوف کے مصنف ہونے کے لحاظ سے علمی دنیا مین ایک خاص امتیاز حاصل کر چکے ہین اور باوجود انہماک مشاغل سرکاری وہ اپنے وقت کا کچھ نہ کچھ حصہ لٹریچر کی خدمتگذاری کے لئے نکالتے رہتے ہین۔ اور اس لئے ان کا شمار اُن بزرگون مین ہے جو ہندوستان کی اسلامی دنیا کے عقلی و ادبی نشو و نما مین قابل قدر حصہ لے رہے ہین۔

نفحت عظمی امام عبد الوہاب شعرانی کی مشہور کتاب طبقات الکبری کا ترجمہ ہے جس مین امام صاحب نے علم باطن کے اسرار و نکات اس خوبی کے ساتھ بیان کرکے جو انہین کا حصہ ہے متصوفین و متالہین قرون اولی کے حالات و سیر تحقیق و تدقیق کے ساتھ فراہم کئے ہین۔ مولانا عبد الغنی نے اس کتاب کے ترجمہ سے جس کی سلاست اور صفائی اضافہ کی ضرورت سے مستغنی ہے ان لوگون کے لئے ایک بیش بہا ذخیرہ بہم پہونچایا ہے جو متصوفین اسلام کے حالات کی جستجو کے دلدادہ ہین لیکن عربی سے نابلد ہونے کی وجہ سے اصل کتاب سے مستفید نہین ہو سکتے۔ قیمت کتاب عہ فیجلد۔ (مصنف سے مل سکتی ہے)

الاخوت ایک سہ ماہی رسالہ ہے جو بخشی حضور علی صاحب کی ایڈیٹری مین انجمن اخوت اسلام پنجاب کی طرف سے شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ مضامین اسی قسم کے ہین جو دوسرے اردو رسالون مین شایع ہوا کرتے ہین اور مقاصد مین بھی کوئی خصوصیت نظر نہین آتی ایسی حالت مین سمجھ مین نہین آتا کہ بمقابلہ دوسرے رسالون کے جو ماہوار ہین اور وہی خدمت انجام دے رہے ہین جس کی انجام دہی کا بیڑا الاخوت نے اُٹھایا ہے اسے کیونکر کامیابی حاصل ہو سکے گی۔ البتہ جب اس کے قلمی معاونین پر نظر ڈالی جاتی ہے جن مین ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بی اے بی۔ ڈی شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب اور مرزا سلطان احمد صاحب جیسے مشہور انشاپردازون کے نام سخط جلی لکھے ہوئے نظر آتے ہین تو امید ہوتی ہے کہ یہ رسالہ ضرور ترقی کرے گا اور سہ ماہی سے ماہانہ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر محمد اقبال کو ہم اردو کے ایک لطیف الطبع نکتہ آفرین اور نغز گو شاعر کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن الاخوت مین ان کی ایک فارسی غزل بھی چھپی ہے جس کا ایک شعر ہین ؎ اے گل ز خار آزاد آزاد چون رسیدہ ✻ تو ہم ز خاک این چمن مانند ما دمیدہ۔ مشورتش کہ بہ یک طرف ہنگامہ دہ بہ یکطرف ✻ از ما فریبش جان و دگر بے خریدہ ✻ با من مگو کہ مثل گل بہوارہ شاخ بستہ باش ✻ مانند موج

عہ ۴ روپیہ ۸ آنہ فیجلد۔ نظر کی کوئی نہایت ہی خوبصورت عینک ہے جس کی ہم کو خبر نہین۔ ہم ممنون ہون گے اگر ایڈیٹر صاحب اس کا نمبر لکھ دین تاکہ ہم بھی وہی عینک لگا کر اس نظر کی تحقیق مناظر مستقل مناظر مستقل مناظر ہو جائین۔ لیکن ۔ فرمائش کرنے کے طرف ۔ واصح ہو جائے کہ ہم کیا کریں۔



قصیدہ در نعت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

تو کز ناوا قفیہا عیشِ خود را جاودان بینی
ہمی ترسم ازان ساعت کہ جور از آسمان بینی

تمنائے حصولِ عزت و جاہ اینقدر تا کے
ازین سودای سودا می بوالہوس روزی زیان بینی

زشادی برگران شو تا زشادیہا خبر یابی
بمحنت آشنا شو تا ز راحتہا نشان بینی

بنفس بدگہر بسپردۂ دل را دمی ترسم
کہ این گل را خراب از دست و مہر گان بینی

ترا غیر از مئے عشرت نباشد در خم و ساغر
دل خود را نگر تا آتش صد خانمان بینی

ہمان بر اضطرابت خندہا صیاد میدارد
تو با این بے پر و بالی کہ خواب آشیان بینی

چنین طول امل چندین خیال خام پختہا
حیات خویش را ارسادہ لوحی جاودان بینی

رہِ منزل نمی دانی واز سالک نمی پرسی!
چہ آخر غیر از شرمندگیہا ز امتحان بینی!

نہ ذوق خستگی اے سنگدل آگہ نہ ورنہ
اگر دردت رسد ہم مومیا را ارمغان بینی

کتاب سادگی بگشا کہ حکمت را بجل یابی
شراب بیخودی در کش کہ عشرت را ضمان بینی

ترا چشم بصیرت کور شد اے بیخبر تا کے
ہوائے نوخطان داری جمال گلرخان بینی

من از خس آشیان جویم تو خس از آشیان جویی
من از خاک آستان بینم تو خاک از آستان بینی

چراغ آرزو گل کن که نقش مدعا بندی
بنای عافیت برکن که عیش جاودان بینی

فغان را گرم تر برکش چو سوز دل فزون یابی
قدم را تیز تر می نه چو بار غم گران بینی

ازین بالا ترک پرواز کن اے طائر همت
بگو تا چند خود را در هوای آب و نان بینی

شوی گر خاک پای شه سوار ان ره معنی
سمند نصرت و فتح و ظفر در زیر ران بینی

طمع را یکقلم بگزار گر آسودگی خواهی
بگستر خوان استغنا که نعمت ارمغان بینی

چو چشم از غیر بر بندی دلت آئینه می گردد
همان جان تمنا کار زه داری همان بینی

جهان ماتم سرائے بیش نبود دیده را واکن
چمن را با گل خونین کفن در خون تپان بینی

نه بندی دل به این و آن مروت نیست در عالم
سخنها می دمد از دشمن هر آنچه از دوستان بینی

غزل گویم بطرز خاص خود وحشت بیا بشنو
کنون کلکته را از فیض نظم اصفهان بینی

غزل

نه بر مژگان من اشکی دوانے بر لب فغان بینی
در آور سینه تا شوکت داغ نهان بینی

همان چین جبین و چشم قهر آلود میداری
نمی خواهی که خود را بر مراد دوستان بینی

تو چون آگه نه از شیوه عاشق نوازیها
جفا را لازم انکاری وفا ملزوم آن بینی

نگاه حسرت آلود و لب خاموش را بنگر
حکایتهائے شوق تم داستان در داستان بینی

پے شادابی کشت جمال جانفزائے تو
مدام از هر دو چشم من دو جوی خون روان بینی

ترا ناز و ادا چندین نخواهد ماند بسیارم
که بعد از مرگ من نرخ محبت را گران بینی

بقلبم بوسه زن یا بحالم رحم کن تا کے
مرا بر آستان چون طائر بسمل تپان بینی

شهیدان را ندانی نیز بان - کز جوش حسرتها
زمین کوے خود را محشرستان فغان بینی

ز اقلیم تغزل باز آ وحشت بگو پندے
که قلب مستمع را کیمیا از فیض آن بینی

چو اندوه الم افزون شود در بزم رندان شو
که آنجا پاسبان ساقی کعبهٔ امن و امان بینی

تصوف را نخواهی از فقیهان جستجو کن
که این شمع صفا در مجلس پیر مغان بینی

پس شام مصیبت با دمد صبح طرب روزے
ببال از خرمی بر شود چو جوزا از آسمان بینی

نمی زیبد ترا کارے که ازوے منفعل گردی
ببین در شان خود تا حسرت کرّ و بیان بینی

ترا یاد اجل هرگز نمی آید نگاهے کن
که چون موج هوا خیزد غبار رفتگان بینی

تو با لهو و لعب چون طفل بدستی فغان از تو
الهی خون شود قلبت که خود را در فغان بینی

نسیم آشنائی میوزد اما دماغت کو
برآ از خویشتن تا یوسفی در کاروان بینی

غلط گفتم که رعنا تر ز یوسف دلبری یابی
که یوسف را ز لیخا دارد و بنالش و فان بینی

نهے ملهے جهان روشن که چون نامش زبان گوید
زبان را همچو شهدے بدست لذت دهان بینی

محمد نام کردندش محمد بوده است آرے
به قرآن رو در آور تا ثنایش را عیان بینی

چو گوئی عظمتش روح القدس را هم نوا باشی
چو خوانی مدحتش خود ذات حق را همزبان بینی

بهنگام ثنایش گل فرو ریزد ز کلک من
نویسم مطلعے گر دی بهار بوستان بینی

بسوے کوے او رو کن که گلزار جنان بینی
بیا در روے او خوکن که عیش جاودان بینی

زهے شاهے که از الفقر فخری نغمه پرداز د
گدایش را نگه تا فر سلطانی دران بینی

ره عرفان منوّر هست از شمع جمال او
گذر کن بر درش تا معرفت را ارمغان بینی

بدامان تصور جلوه اش را نسان فرو آید
که گنج خلوت دل را همه اشجار گلستان بینی

بسان رحمت حق هر طرف جاری ست فیض او
ز مشرق تا به مغرب و ز زمین تا آسمان بینی

ز طیب طیبهٔ طیب مشامِ جان معطر کن
همین خاک مقدس سرمهٔ چشم جهان بینی

بغیر از امتدادش کس نمی بیند مراد دل
درش را سجده کن تا منزل حق را نشان بینی

نه تنها عرش گردان است بر گرد حریم او
که جبریل امین را حاجبش بر آستان بینی

خوشا خلق عظیم او کہ جانہا تازہ می گردد
زہے لطف عمیم او کہ دلہا شاد مان بینی

فتوت ہمرکابستش شجاعت خانہ زاد ستش
زور و بینی او شان شہنشاہان عیان بینی

خیالش راحت جان دل زیارت گاہ شوق او
مرا دل منزل یثرب چو گل در گلستان بینی

جہان می گویدش امی ولی ستر دو عالم را
اگر جوئی کلیدا اینک ہم از نامش نشان بینی

گدائے کوے او چون بر دو عالم سن افشاند
بہر جانب کہ بینی حاصل دریا و کان بینی

زبانت با ثنائے خواجہ وحشت بر نمی آید
ہمان بہتر کہ خود را در مدیحش بیزبان بینی

بسویم اے پناہ استان یکرہ نگاہے کن
کہ تا در امتان خویش ننگ امتان بینی

وجود من ہمہ عصیان ہمہ عصیان وجود من
مرا نفسیست کا در اسر گروہ مفسدان بینی

نہ مارا نالۂ شوقے نہ مارا گریۂ گرمے
ولے دارم کہ ادر است غفلت کاہ ان بینی

بدل زخمے ز تیغ الفت تو آرزو دارم
ہمی خواہم کہ از سوز غمم آتش بجان بینی

کلکتہ ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء ——— رضا علی وحشت

صنعت محتمل الوجہین کی ایک لطیف مثال

رشید الدین وطواط نے اپنی کتاب حدایق السحر میں لکھا ہے کہ ایک عرب شاعر نے جس کی ستم ظریفی مشہور تھی ایک درزی عمرو نامی ایک کالے درزی سے کہا کہ اگر تو مجھے ایسا کپڑا سی کر لاوے کہ پہننے والا تمیز نہ کر سکے کہ یہ قبا ہے یا جبہ تو میں تیری شان میں ایک ایسا شعر کہہ دونگا جسے سن کر کوئی یہ نہ بتا سکے گا کہ اس میں تیری مدح مقصود ہے یا قدح چنانچہ درزی اس پر راضی ہو گیا اور ویسا کپڑا شاعر نے سینے کو کہا تھا ویسا ہی سی دیا۔ اس پر شاعر نے کہا۔

خاط لی عمرو قبا لیت عینہ سوا

یعنی عمرو میرے لئے قبا سی کر لایا کاش اُس کی دونوں آنکھیں یکساں ہوتیں۔ لیکن دوسرے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کاش وہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہوتا۔

ہندوؤن کی تہذیب

(۴)

عورتون کی حالت

عورت کو ہندو سوسائٹی مین جو درجہ حاصل ہے وہ اُس کی حالت پر منحصر ہے۔ جب تک وہ کنواری یعنی ناکتخدا ہے وہ دیوی سمجھی جاتی ہے اور اُس کی اس قدر عزت کی جاتی ہے کہ عورت یا مرد اُس سے اپنے پانوں نہین چھلا سکتا ہے۔ اور شادی کے وقت اُس کے پانوں پوجکر اُس کو شوہر کے حوالہ کرتے ہین۔ شادی ہوجانے کے بعد اُس کی حیثیت بدل جاتی ہے اور وہ ایک طرح کی داسی یعنی لونڈی ہوجاتی ہے اس معنی مین نہین کہ وہ لونڈی بنائی جاتی ہے بلکہ اس معنی مین کہ اُس کا سب سے بڑا فرض پتی ورت دھرم یعنی شوہر پرستی ہے۔ خاوند کی ساس کی سُسر کی نندون کی سب کی سیوا یعنی خدمت کرنا اُس پر لازم ہے۔ جب اُس کے بچے پیدا ہوجاتے ہین تو مان کی حیثیت حاصل ہوجانے سے پھر اُس کی حالت مین تغیر واقع ہوتا ہے اور پھر گھر کی دیوی سمجھی جانے لگتی ہے۔ مگر ماتا دیوی کی حیثیت سے نہ کہ کنواری دیوی کی حیثیت سے۔ ہندوؤن مین مان کی بہت بڑی عظمت رکھی گئی ہے۔ چنانچہ وشست کا قول ہے "اور ایک آچارج یعنی استاد بہ نسبت اُپادھیائی یعنی نائب استاد کے دہ گونہ زیادہ معزز ہے باپ استاد سے سو گونہ زیادہ معزز ہے اور مان باپ سے ہزار گونہ زیادہ معزز ہے" بیوی کی حیثیت سے عورت اپنے خاوند کی آردھانگی کہلاتی ہے جس کے معنی یہ ہین کہ وہ اپنے خاوند کا آدھا جسم ہے مگر وامانگ یعنی بایان آدھا جسم

ہندوؤن مین ایسے لوگ بھی ہین جو عورت کو مرد پر فضیلت دیتے ہین اور
فرانس کے مشہور فلاسفر کانت دی پیرس کی طرح جو مذہب ہومینٹی (انسان پرستی)
کا بانی تہا وہ اُس کی پرستش بہی کرتے ہین مگر اس فرقہ کے لوگ بُری نگاہ سے
دیکہے جاتے ہین - در اصل بموجب مذہب ہنود عورت خاوند کا ہا یان جسم
ہی سمجہی جاتی ہے مگر یہ ایسا ہا یان جسم ہے کہ گویا مرد کے جسم مین داخل ہے - اور
اس لئے تمام مذہبی فرائض کی بجاآوری کے وقت اُس کا شریک رہنا لازمی ہے - اگنی
ہوتر کے وقت جبکہ منی سُمراوہ مین اُس کا شریک رہنا ضرور ہے گو وہ خود تنہا کوئی
مذہبی رسم ادا نہین کر سکتی - عورت کو بذات خود کوئی مذہبی حیثیت حاصل نہین ہے
وہ خود علیحدہ طور پر سندہیا وغیرہ نہین کر سکتی اور چونکہ اُس کا اوپنی سنسکار نہین
ہوتا - یعنی جنیو کی رسم نہین ہوتی - اس لئے وہ ویدون کو نہین پڑہ سکتی
اُس کے لئے تو صرف یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنے خاوند کی خدمت کرے -
اور اُس کا خدا کہو دیوتا کہو خاوند ہی ہے اور اسی سے اُس کی نجات ہے اور جو
کچہ پرستش وہ کرے یا برت یعنی روزہ رکہے وہ اپنے خاوند یا بیٹے یا بہائی کی
درازی حیات کے لئے رکہے - جب تک وہ اپنے باپ کے گہر رہتی ہے وہ اپنے
باپ یا بہائی کے زیر حفاظت ہے - جب خاوند کے گہر آجاتی ہے تو اُس کا محافظ
اُس کا خاوند یا سسر یا دیور ہے اور جب اِن مین سے کوئی نہ رہے تو اُس کی
محافظت بیٹے سے متعلق ہے - غرض کہ ہندو عورت کبھی خود مختار نہین ہے - البتہ تمام
امور خانہ داری عورت سے متعلق ہوتے ہین - جب تک ساس موجود ہے اُس کی
آگے کسی کو دخل دینے کا حق نہین ساس کے بعد بہو مالک ہوتی ہے -

منو نے بیاہ یعنی نکاح کے آٹھ قسم لکہے ہین جن مین سے پہلا یعنی برہمہ وواہ
سب سے افضل ہے اس مین دُلہن کے گہر لڑکی کا ہاتہ لڑکے کے ہاتہ مین دیکر

کنیادان کی رسم پہلے ادا ہوتی ہے اور پھر اگنی کے سامنے پھیرے ہوتے ہین ۔
گندھرب وواہ جس مین عورت اور مرد کی باہمی رضامندی سے شادی ہوتی ہے اور راکشش وواہ
جس مین عورت زبردستی سے پکڑی جاکر یا لڑائی مین جیتی جاکر روتی چلاتی ہوئی مرد
کے گھر لائی جاتی ہے اور پھر وہان اُس کا بیاہ ہوتا ہے ۔ یہ دونون بیاہ مخصوص
چھتریون کے تھے ۔ راجپوتون مین اکثر شادیان اسی طریق سے ہوتی تھین چنانچہ
زبردستی کی ایسی شادیون کے تذکرہ مین آلہا اودن کے قصص ہندوستان کی دیہات
مین اب بھی گائے جاتے ہین ۔ ایک طریقہ شادی کا سوئمبر تھا جس مین لڑکی خود ایک
ایسی مجلس مین جس مین نزدیک و دور کے بہت سے راجا جمع ہوتے تھے اپنے
خاوند کو پسند کرتی تھی اور ان سوئمبرون مین اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ اس بات کے
آزمانے کے لئے کہ کون سب سے بہادر یا سب سے ہوشیار تیر انداز ہے کوئی
بھاری کمان کھینچنے کو یا کوئی مشکل نشانہ لگانے کے لئے کہا جاتا تھا چنانچہ سیتا جی
دروپدی کا سوئمبر اسی طریق مین ہوا ۔

زمانہ قدیم مین لڑکی کی شادی کے متعلق خصوص چھتریون مین عمر کی کوئی قید
نہ تھی لیکن شاستر مین یہ حکم ہے کہ شادی قبل از بلوغ ہوجانی چاہیئے البتہ اگر کوئی اچھا
لڑکا نہ ملے تو تین سال تک انتظار کیا جاسکتا تھا اور اس کے بعد خود لڑکی کو اختیار
تھا کہ اپنی شادی آپ کرلے ۔ ہندوون مین بیوہ کی بہت بڑی عزت کی جاتی ہے
اور اگرچہ بعض لوگ وید و شاستر دونون سے یہ ثابت کرتے ہین کہ بیوہ کا نکاح
ثانی جائز ہے لیکن منو نے اس بارہ مین زور اسی بات پر دیا ہے کہ پتی ورتا یعنی
شوہر پرست عورت کا کوئی دوسرا خاوند نہین ہے ۔ زمانہ قدیم مین جو کچھ ہو مگر زمانہ
حال مین تو اب تینون اعلےٰ قومون مین بیوہ کی شادی رائج نہین ہے ۔ البتہ
اولاد ذکور نہ ہونے کی صورت مین برہمن یا ویش سے تخم لے کر زمانہ قدیم مین بیوہ

اپنے متوفی خاوند کے لئے بزرگون کی اجازت سے چند قیود کے ساتھ جن کا ذکر شاستر مین ہے اولاد پیدا کرسکتی تہی جو اُس کے خاوند متوفی کی اولاد سمجھی جاتی تھی مگر اب یہ رسم بالکل متروک ہے بلکہ اُس کی ممانعت ہے اور اُس کی جگہ اب متبنی بنا لینے کی رسم جاری ہے۔

ہندو عورت کا یہ عقیدہ ہی کہ اُس کی جو شادی کسی مرد سے ہوتی ہے وہ صرف اسی زندگی کے لئے نہین ہے بلکہ دوام کے لئے ہے اور اُس کا شوہر اُس کا دائمی شوہر ہے گو اُس کے کتنے ہی جنم کیون نہ ہو جائین اور اگرچہ اُس کا شوہر مرگیا ہے مگر اُس کے نزدیک موجود ہے اور بہشت مین ہے۔ چنانچہ جس وقت پدماوتی اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کو چلی اُس وقت کا سین کھینچتے وقت ہمارے شاعر ملک محمد جائسی نے یہ شعر لکھا ہے۔

چوپائی

اور جو گانٹھ کنت تم جوڑی　　آدانت لون جائے نہ چھوڑی

یعنی یہ کہ اے پیارے جو گانٹھ تم نے باندھی تہی وہ ازل سے چھوٹ نہین سکتی۔ اصلی ستی وہی ہے جو اپنے خاوند کے سچے عشق کے جذبہ مین آکر اُس کی لاش کے ساتھ جل جائے نہ کہ وہ جس کو کوئی زبردستی جلائے یا شرم خود ہی جل جائے اور یہ آخری فعل بلاشک داخل گناہ کبیرہ ہے۔ مارواڑ کی روپ متی رانی کا قصہ مشہور ہے جو حال ہی مین زمانہ مین چھپا ہے۔ ساری عمر خاوند کے جیتے جی رنڈاپے مین گزرانی اُس نے ایسا کرلان[1] کیا مگر جس وقت راجہ کے مرنے کی خبر سنی سارا مان ایک دم مین توڑ دیا اور یہ باعث رانی سچے عشق کے جذبہ سے کھچ کر اپنے خاوند کی پگڑی کے ساتھ ہی آن کی آن مین ستی ہوگئی۔ وہ بڑی جگر کی عورتین تہین جنھون نے اپنے خاوند

[1] مان کے معنی روٹھنے کے ہین۔

کے عشق مین یا اپنی عزت و عفت کے لئے اس طرح ستی ہو کر اپنی جانین دی ہین ایسے عشق یا عفت و عصمت کا نمونہ کہین دنیا مین نہ ملے گا چنانچہ ایک فارسی شاعر کا قول ہے۔ شعر

ہمچو ہندو زن کسے در عاشقی مردانہ نیست سوختن بر شمع مردہ ہمت پروانہ نیست

اسی ہندوستان کا ایک زمانہ تھا جب ساوتری ایسی عورتین یہان تھین۔ ساوتری کا یہ قصہ ہے کہ اشوپتی نامی کوئی راجہ تھا اور اُس کے ایک لڑکی ساوتری تھی جب وہ بالغ ہوئی تو باپ نے اُس سے کہا کہ تو کسی لڑکے کو پسند کر جس کے ساتھ تیرا بیاہ کر دیا جائے چنانچہ ساوتری نے اپنے باپ کے کہنے سے ایک لڑکے کو پسند کیا جس کا باپ اپنے عیال کے ساتھ جنگل مین تپ یعنی ریاضت کر رہا تھا ساوتری نے اُس لڑکے کو پسند کر کے اپنے باپ سے سب حال کہہ سنایا۔ مگر قبل اس کے کہ شادی کی رسم ادا ہو نارد رشی نے ساوتری کے باپ سے کہا کہ یہ لڑکا جس کو ساوتری نے پسند کیا ہے ایک سال سے زیادہ نہ جیے گا۔ اگرچہ ساوتری کے والدین نے اُس کو اور کوئی لڑکا پسند کرنے کے لئے اصرار سے کہا مگر اُس نے یہی جواب دیا کہ مین ایک بار پسند کر کے دوسری بار پسند نہین کر سکتی اس سے میری عفت مین فرق پڑتا ہے۔ مین نے جو اپنی من کر شکلپ سے یعنی دلی نیت سے اس کو پسند کر لیا ہے وہ نیت اب بدل نہین سکتی کیونکہ دنیا مین آدمی کسی کام کو سب سے پہلے من سے سوچتے ہین پھر زبان پر لاتے ہین اور پھر اُس کو کرتی ہین۔ چنانچہ ساوتری کی شادی اُس لڑکے سے ہو گئی اور جب ایک سال کے بعد اُس کی موت کا وقت آیا ساوتری نے ایک نہایت سخت برت یعنی روزہ رکھنا شروع کیا تین دن پہلے سے ہی اُس نے کھانا پینا مطلق ترک کر دیا۔ شاعر نے اس کا سین اس طرح کھینچا ہے کہ ایک گھنا جنگل ہے اور جیٹھ کی کڑی دوپہر ہین

پڑھی ہین۔ ستوان ساوتری کا شوہر ہوم کے لئے لکڑی کاٹنے کو کلہاڑا ہاتھ مین
لے کر جنگل کو جاتا ہے۔ ساوتری باوجود منع کرنے کے اُس کے پیچھے ہولیتی ہے
جونہی وہ لکڑی کاٹنا شروع کرتا ہے یکایک بیہوش ہو کر گر جاتا ہے۔ ساوتری جو
تین دن کے کڑے فاقون سے بالکل نڈھال ہو رہی ہے اپنے پیارے خاوند
کے سر کو اپنی گود مین رکھ لیتی ہے اور دیکھتی ہے کہ سامنے خود جم دیوتا یعنے
ملک الموت ستوان کی روح کو قبض کرنے کے لئے کھڑے ہین اور روح کو قبض کر کے
چل دیتے ہین۔ وہ جم کے پیچھے ہولیتی ہے اور اُس سے وہ گفتگو کرتی ہے جس سے
جم ستوان کی روح کو چھوڑ دیتا ہے اور ستوان زندہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک قصہ ہے
مگر قصہ کے نتیجہ کو دیکھنا چاہیئے نہ کہ اس بات کو کہ ایسا ہونا ممکن ہے یا نہین۔

جب ہندو عورتون کا مناکحت کا یہ آئڈیل ہے تو پھر اُن مین طلاق کیسی طلاق
ہندوون مین نابود ہے بلکہ اُس کے لئے کوئی لفظ بھی نہین۔ زناکاری کی صورت
مین عورت اور اُس کا شوہر دونون بلکہ کل خاندان خارج از برادری ہو جاتا ہے
اور شاستر اُس کو سزا ہے وہ علیحدہ ہے۔ کثرت ازدواج اگرچہ ممنوع نہین ہے لیکن
اُس کے ساتھ یہ قیدین لگائی گئی ہین کہ جب کسی زوجہ سے اولاد ذکور پیدا نہ
ہوتی ہو یا وہ دائم المریض ہو تو اُس کی اجازت سے اُس کا شوہر دوسری
شادی کر سکتا ہے مگر پہلی بیوی کی پرورش اُس کے ذمہ ویسے ہی رہے گی۔

اب کچھ ذکر بھائی اور بہن کے باہمی تعلق کا کیا جاتا ہے۔ ہندوون مین بہن
اپنے بھائی کو بیرن کہتی ہے جس کے معنی بہادر اور شجاع کے ہین مگر اُس سے
مراد یہ ہے کہ وہ اُس کی عزت و عصمت کا محافظ ہے۔ سگے بہن اور بھائیون کو چھوڑ کے
جو بھائی نہ ہوتے تھے اُن سے بھی بھائی کے رشتے جوڑے جاتے تھے اور وہ
راکھی بند بھائی کہلاتے تھے۔ اگر کسی لڑکے یا عورت نے کسی کے پاس راکھی

بھیج کر اُس کو اپنا راکھی بند بھائی ایک دفعہ بنالیا تو پھر اُس پر فرض ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی جان کو بھی خطرہ مین ڈال کر اُس کی عزت و عصمت کی حفاظت کرے۔ چنانچہ جب بہادر شاہ گجراتی نے میواڑ کا سخت محاصرہ کیا تھا اور اُس سے کسی طرح رہائی کی امید نہ رہی تو میواڑ کی رانی نے اسی طرح ایک راکھی ہمایون بادشاہ کے پاس بھیجی تھی جس پر ہمایون نے شیر شاہ کا مقابلہ چھوڑ کر چتوڑ کے راجہ کی حمایت کرنا اپنا فرض سمجھا تھا۔ اب ذرا اس "شیولری" (شجاعت) کا مقابلہ یورپ کی "شولری" کے ساتھ کیجئے جہان پری رویون کی حمایت و محافظت کا مدعا صرف یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ پری رو اپنے عشق و محبت سے اپنے محافظ یا حامی کو سرفراز کرے۔ کہان وہ ہندوون کی بیغرضانہ "شولری" تھی اور کہان یہ ان کی غرض کی بھری ہوئی "شولری" تھی۔ سچی "شولری" اُسی کو کہین گے جو بے غرضانہ ہو۔

عورتون کے دل بہلاؤ کے مشغلے قدیم زمانہ مین بھی مثل حال کے گانے بجانے کے تھے مگر مہابھارت اور قصص کی کتابون سے معلوم ہوتا ہے کہ شہرون مین نرتہ شالائین یعنی ناچ گھر ہوتے تھے جہان اعلیٰ طبقہ کی عورتین گانے بجانے کے لئے جمع ہوتی تھین مگر اس بات کی پوری احتیاط کی جاتی تھی کہ کوئی مرد وہان نہ آئے۔ عورت کو غیر مرد سے دور رہنے کی سخت ہدایت شاستر مین ہے یہان تک حکم ہے کہ عورت پر کسی غیر مرد کا سایہ نہ پڑنا چاہیئے اور عورت کے لباس کو بھی کسی غیر مرد کو نہ چھونا چاہیئے غیر مرد سے بحالت تنہائی گفتگو کی بھی ممانعت ہے۔ قدیم زمانہ مین عورتین پردہ کرتی تھین یا نہین اس کے متعلق کسی قدر بحث ہے ہندوون مین جو پردے کے مخالف ہین وہ یہ کہتے ہین کہ ہندوون مین پردہ نہین تھا مسلمانون سے لیا ہے مسلمانون مین جو پردے کے مخالف ہین وہ یہ کہتے ہین کہ جیسا پردہ یہان کے مسلمانون مین ہے ویسا عرب مین نہین ہے اور اس لئے کچھ تو ضرور ہندوون کا اثر ہے۔ حقیقت امر

یہ ہے کہ ہندوؤن مین سوائے چھتریون کے اور کسی قوم مین عملاً پردہ نہ تھا۔ اس امر کا ثبوت کہ چھتریون خصوص راجاؤن کی عورتین پردہ کرتی تھین رامایں اور مہابھارت دونون سے ملتا ہے۔ جس وقت سری کرشن چندر پانڈوون کے ایلچی بن کر ہستناپور مین داخل ہوے تو راجہ دھرتراشٹ نے حکم دیا کہ شہر کی شریف خاندانون کی لڑکیان بھی سری کرشن کی پیشوائی کے لئے ویسے ہی چلی جائین یعنی یہ کہ اُن سے پردہ نہ کرنا چاہیے۔ جس وقت دروپدی کے بالون کو کھینچتا ہوا دُریودھن کا بھائی دوساشن اُس کو سبھا یعنی مجلس مین لایا اُس وقت دروپدی روتی ہوئی یہ کہتی ہے "مجھ کو صرف سو ممبر ہین راجا لوگون نے دیکھا تھا اُس کے پہلے یا پیچھے کسی مرد نے بھی کسی جگہ مجھے نہین دیکھا۔ مگر اب مین سبھا مین کھڑی ہوئی ہون اور سیکڑون آدمی مجھے دیکھ رہے ہین۔ اس سے اور کیا بُری بات ہو گی کہ اس سبھا مین مجھ کو چارون طرف سے سب آدمی دیکھ رہے ہین" اسے ان راجاؤن کا دھرم کہان گیا یہ رامایں مین بھی یہ لکھا ہے کہ بعد فتح لنکا جس وقت راجہ وبھیشن مہارانی سیتا جی کو پالکی مین بٹھا کر سری راجہ رام چندر جی کے پاس لائے اُس وقت اُنھون نے سب لوگون کو جو وہان تھے ہٹ جانے کے لئے حکم دیا اور اس حکم پر سب لوگون پر چھڑیان پڑنے لگین اور ہٹائے جانے لگے جب رام چندر جی کو معلوم ہوا کہ اُن کی فوج کے لوگ اس طرح چھڑیون سے پیٹے جا رہے ہین تو سخت ناراض ہو کر فرمایا کہ ایسے وقت مین جب کہ ہم مبتلاے مصیبت ہین پردہ کی کوئی ضرورت نہین کیونکہ شاستر کا حکم ہے کہ دُکھ مین مصیبت کے وقت سوئمبر مین جنگ اور شہزادہ کے وقت عورت مردون کے روبرو آسکتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کم سے کم چھتریون مین تو پردہ ضرور تھا۔

اُس زمانہ مین عورتین عام طور پر پڑھی لکھی تھین یا ان پڑھ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ مگر جو خاص خاص عورتون کے حالات مہابھارت

وغیرہ کتابون مین مندرج ہوے ہین اُن سے یہ پایا جاتا ہے کہ برہمنون اور چھتریون کی
عورتین تو ضرور پڑھی لکھی ہونگی پڑھی لکھی ہی نہین بلکہ بعض اُن مین سے عالمہ و فاضلہ
بھی تھین۔ ویدون کی کئی رچائین عورتون کی طرف منسوب کی جاتی ہین جن مین خدا
کی حقیقت کے متعلق نہایت ہی اعلیٰ خیالات بھرے ہوے ہین یاگ ولک رشی
کی دو بیویان تھین ایک میتری اور دوسری کاتیانی۔ ایک دفعہ رشی نے تارک الدنیا
ہونے کے خیال سے اپنی بیویون مین کل جائداد تقسیم کر دینے کی خواہش ظاہر کی۔
میتری نے جواب دیا "کیا دنیا کی دولت سے حیات ابدی مل سکتی ہے" رشی نے
کہا "نہین" میتری نے جواب دیا "تو پھر ہم دولت لے کر کیا کرین گے"۔ اس پر
سے مسئلہ حیات و مسئلہ عالم کے متعلق خاوند اور بیوی کے درمیان وہ سلسلہ گفتگو کا چھڑا
جس کو اب بھی نہایت حیرت کے ساتھ مہذب دنیا کے علما پڑھتے ہین۔ میتری
سے بڑھ کر گارگی تھی جو ایک رشی کی بیٹی تھی۔ ایک مرتبہ راجہ جنک نے ایک بڑا
جگ کر کے بڑے بڑے عالمون کو اپنے اُس جگ مین آنے کی دعوت دی۔ اور
اُس کے حکم سے ایک ہزار گائین جن کے سینگون مین دس دس اشرفیان بندھی
ہوئی تھی جگ شالا کے سامنے لاکر کھڑی کر دی گئین اور یہ اعلان کیا گیا کہ جو شخص
ثابت کرے گا کہ مجھے علم حقانی مین سب سے زیادہ دخل ہے وہی اُن کو لے جائیگا
کسی کو ایسا دعوی کرنے کی ہمت نہ ہوئی آخر کار یاگ ولک نے جو راجہ کا پروہت
بھی تھا گائیون کو کھولنے کے لئے اپنے چیلون کو اشارہ کیا۔ اس پر کل برہمن جو
وہان جمع تھے آزردہ ہوے مگر اُس کی اس حرکت پر کسی کو اعتراض کرنے کی
ہمت نہ ہوئی۔ آخر گارگی نے جماعت سے اُٹھ کر یاگ ولک سے یہ سوال کیا کہ
کیا تم کو علم حقانی کے اسرار کو جاننے کا دعوی ہے اس پر اُن دونون مین
جو گفتگو ہوئی وہ نہایت ہی بے بہا ہے اور اب بھی کتابون مین محفوظ ہے۔

دروپدی راجہ جدہشٹر کی رانی ایک نہایت عقیل اور عالم و فاضل عورت تھی۔ جس وقت راجہ جدہشٹر جوے مین اپنی سلطنت ہارکر اپنے بھائیون اور رانی کے ساتھ جنگل مین سکونت رکھتے تھے اُس وقت رانی نے راجہ سے تدبیر و تقدیر اور انسان کے کامون مین خدا کی مداخلت کے متعلق جو تقریر کی وہ نہایت ہی دلچسپ ہے مگر ہم بخوف طوالت اُس کو یہان درج نہین کر سکتے۔

ہندوؤن مین کہین کہین عورتون کی سلطنت بھی رہی ہے چنانچہ ایک چینی سیاح نے لکھا ہے کہ کوہستان ہمالہ مین برہمپوری ایک مقام ہے جہان عورتون کا راج ہے اور سوائے سپاہگری اور زراعت کے عورتین کل کام کرتی ہین۔

بھاسکر آچارج کی بیٹی لیلاوتی علم حساب مین بہت ہوشیار تھی اور اُسی کے لئے اُس مشہور منہدس نے اپنی کتاب لیلاوتی لکھی تھی۔ اخیر زمانہ مین میران بائی ایک بہت بڑی مجذوبہ ہوئی جس کے گیت عشق حقیقی مین اس قدر جوش سے بھرے ہوے تھے کہ وہ اب بھی وجد کی حالت پیدا کرتے ہین۔ ہندوؤن کی بہادر عورتون کے کئی واقعات تاریخ و کتب قصص مین درج ہین جن کا ذکر یہان بخوف طوالت نہین کیا گیا۔

مثل حال کے زمانہ قدیم مین پیشہ ور طوایفون کی کثرت تھی۔ چنانچہ قنوج کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہان ساٹھ ہزار کنچنیان تھین۔ ان مین سے جو زیادہ خوبصورت ہوتی تھین یہ جن کو گانے بجانے کا کمال حاصل ہوتا تھا اُن کی باوجود اُن کے ذلیل پیشہ کے عزت ہی کی جاتی تھی۔ مثلاً ایک امبا پالی ہی تھی جو بڑے بڑے امرا کے ساتھ شان و شوکت مین برابری کا دعویٰ کرتی تھی اور جس نے خود گوتم بدھ کو اپنے یہان آنے کی دعوت دی تھی اور وہ اُس کے گھر مہمان بھی ہوے تھے اور اُن کی ہدایت سے اُس نے اپنے ذلیل پیشہ کو ترک کر کے نیک زندگی اختیار کی

تھی پرسنت سینا مرچہ کئی ناٹک کی ہیروئن بڑی شان وشوکت کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اُس کے مکان مین شہر اوجین کے نوجوان باشندون کے لئے جوا کھیلنے۔ کتابین پڑھنے اور تصویرون کی سیر کرنے کا انتظام تھا وہ محتاجون اور بدنصیبون کی دستگیری کیا کرتی تھی اور اپنی فیاضی کے لئے مشہور تھی۔ کتھا کرت ساگر سے واضح ہے کہ شہر پرشٹھان مین جس کو اب پٹن کہتے ہین اور جو ضلع اورنگ آباد مین واقع ہے مدن مالا نام ایک مشہور رنڈی تھی جس کا مکان مثل راجاؤن کی مکان کے تھا اور جہان سپاہیون کا پہرہ رہا کرتا تھا۔ گھوڑے۔ گاڑی ہاتھی اُس کے گھر مین بہ رہتے تھے۔ مشہور ہے کہ خود راجہ بکرماجیت بھیس بدل کر اس کے گھر مہمان ہوا تھا اور اُس نے اُس کی بہت بڑی خاطر و تواضع کی تھی۔ پرانون مین بھی ایسی بیسواؤن کے قصے درج ہین جو آخر مین اپنے ذلیل پیشہ کو ترک کر کے بہت بڑی زاہدہ و عابدہ ہو گئین۔

زمانہ زوال کے اسباب زوال

ہندوؤن کی تہذیب کی زمانہ عروج کی تصویر ہم نے اوپر کھینچی ہے۔ یہ تذکرہ کسی ایک زمانہ واحد کا نہین ہے۔ ابتدائی زمانہ سے جس کی کوئی صحیح تاریخ مقرر نہین کی جا سکتی بجز اس کے کہ قیاس کو دخل دیا جاے زمانہ آغاز اسلام تک بقول ہندوؤن کے لکھو کھا سال مگر بقول محققین حال کئی ہزار سال کے عرصہ مین جس طرح اس ہندو سوسائٹی نے ترکیب پائی ہے اُس کا اگر کوئی ذکر تفصیل کے ساتھ کیا جاتا تو شاید یہ چھوٹا سا مضمون اُس کے لئے کفایت نہ ہوتا۔ بالکل ہی ابتدائی زمانہ کی جو سوشیل حالت یا طرز معاشرت تھی یا جو قوانین اُس زمانہ مین جاری تھے اُن کے مقابلہ مین آغاز عہد اسلام کے وقت بھی کل امور مین ایک انقلاب عظیم واقع ہو گیا تھا اور اب تو

اُس سے کہین بڑہ کر انقلاب ہوگیا ہے۔ اس مین شک نہین کہ شُرتی جس سے مراد ویدون کا الہامی کلام ہے غیر متغیر ہے اور اُس مین کوئی تغیر نہین ہوا ہے اور نہ ہوسکتا تھا بجز اس کے کہ مفسرین نے اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق جدا جدا تفسیرین لکھی ہین اور نئے نئے طریقے چلائے ہین لیکن جس کو سمرتی یعنی شرع کہتے ہین اُسمین ہر زمانہ مین تغیر ہوا ہے کیونکہ خود شاستر کا یہ مقولہ ہے کہ جگ جگ کا دھرم الگ ہے۔ مہابھارت مین ایسے تذکرے درج ہین جن سے پایا جاتا ہے کہ جس زمانہ مین ہندو آریون کی سکونت ہمالہ کے اُس طرف کسی ملک مین جس کا نام اوتر کرو لکھا گیا ہے تھی اُس زمانہ کے رسم و رواج بالکل ہی علٰحدہ تھے اور اُس کی طرف اشارہ کرکے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگلے زمانہ مین جب اوترویس کی سکونت تھی فلان فلان رواج تھے جو اب متروک ہوگئے ہین۔ مثلاً ایک زمانہ مین یہ رواج تھا کہ بیوہ اپنے متوفی خاوند کے لئے کسی برہمن یا دیور سے اولاد پیدا کرا سکتی تھی جو طریقہ نہ صرف اب بالکل ہی ناجائز بلکہ قطعاً ممنوع ہے۔ یہ طریقہ منو کے زمانہ ہی مین ناجائز قرار دے دیا گیا تھا چنانچہ منو نے اپنی کتاب کے باب نہم مین برہمن چھتری اور ویش ان تینون ذاتون کے لئے اس کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ طریقہ جو صرف حیوانات کے لئے موزون ہے راجہ وین نے جو ایک شہوت پرست راجہ تھا اپنے زمانہ مین جاری کیا تھا پہلے کسی چھتری یا ویش کی لڑکی سے برہمن کی شادی ہوسکتی تھی مگر اب ایسا نہین ہوسکتا۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ ہندوؤن کی شرع مین وقتاً فوقتاً تغیر ہوا ہے جیسا زمانہ ہوا اُسی کے مطابق قانون بنائے گئے۔ پس جو تصویر زمانہ عروج کی تہذیب کی کھینچی گئی ہے اُس کو ایک عام تصویر ہی سمجھنا چاہیئے۔ لیکن بقول شخصے ہر کمالے را زوالے آخر وہ زمانہ بھی آیا کہ زوال کے سارے آثار پیدا ہوگئے۔ اور صرف آثار ہی پیدا نہین ہوئے بلکہ فی الحقیقت وہ زوال آگیا کہ اب تک اُس سے ابھر نے

کی کوئی اسید شان وگمان مین بھی نہین ہے ابو ریحان الخاطب بہ البیرونی ایک مسلمان سیاح محمود غزنوی کے زمانہ مین ہندوستان آیا تھا۔ اُس نے جو حالات یہان کے اپنی چشم دید لکھے ہین اُن سے پایا جاتا ہے کہ جو حالت سرسبزی کی مگستھنیز اور چینی سیاحون نے یہان دیکھی تھی اُس کے برخلاف اُس کے زمانہ مین کل آثار زوال کے پیدا ہوگئے تھے۔ کیا مذہب کیا صنعت و حرفت ہر کیا سوشیل حالت مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہوگیا تھا۔ اور جہالت بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ البیرونی لکھتا ہے "یہان کے باشندے ایسے جاہل ہین کہ وہ کبھی نہین مانین گے کہ اُن کے ملک کے سوائے اور بھی ملک ہین اُن کی قوم کے سوائے اور بھی قومین ہین اور اُن کے سوائے دوسرون مین بھی علوم ہین۔ اگر یہ سیاحت کرین تو البتہ اپنی رائے کو بدلین مگر یہ تو کبھی باہر نہین جاتے ہین ان کے بزرگ ایسے تنگ دل وجاہل نہ تھے جیسے کہ یہ ہین" جیساکہ البیرونی نے لکھا ہے فی الحقیقت دسوین اگیارہوین صدی عیسوی مین ہندوستان کی ایسی ہی حالت تھی اس زمانہ کو مثل یوروپ کی قرون متوسطہ کے ہندوستان کا زمانہ تاریک کہنا چاہیے۔ ایک طرف تو مذہب برہمنون کا تختہ مشق بن گیا تھا اور اُس مین فاسد عقائد شامل ہوگئے تھے اور دوسری طرف لوگون کو علم وہنر سیکھنے سے کچھ سروکار نہ رہا تھا اور وہ غلام بنے ہوئے تھے۔ علوم فنون یعنے مصوری شاعری وغیرہ کی ترقی بالکل رُک گئی تھی کوئی روشن خیالات کا نمونہ اس زمانہ کا نہین پایا جاتا ہے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام چیزین خاتمہ کو پہونچ رہی ہین اور قومی زندگی کا اختتام ہونے والا ہے۔ ہندوستان کی ایسی ہی حالت ہو رہی تھی جس وقت کہ اسلام کا ظہور ہوا۔

اس زوال کے اسباب مورخون نے اپنی اپنی رائے کے مطابق علیحدہ علیحدہ بیان کئے ہین کوئی برہمنون کو اس کا ملزم ٹھہراتا ہے اور کوئی راجپوتون کو

جنھون نے برہمنون کو ضرورت سے زیادہ عظمت دی وہی تھی کوئی کاسٹ سسٹم یعنی تفریق ذات
کو اس کا سبب بیان کرتا ہے اور کوئی خود ہندو مذہب کو جس مین بقول اُس کے تمام
بیرونی خیالات کو اپنے سے خارج رکھنے کی ایک صفت موجود ہے۔ اس آخری
خیال کی تو تردید بآسانی ہوسکتی ہے اور وہ بھی بحوالہ ایک عیسائی مصنف کے جو
ہندوؤن کے مذہب کا کچھ زیادہ مداح نہ تھا۔ پروفیسر مانیر ولیس لکھتے ہین کہ ہندوؤن کی مذہب
کی بنا وید پر ہے مگر اُس نے تمام مذاہب سے کچھ نہ کچھ لیا ہے اور کچھ ایسے اشکال اپنے سامنے
رکھے ہین جو کسی نہ کسی خیال کے لوگون کے لئے موزون ہوجاتی ہین۔ وہ "آل ٹالرنٹ"
ہے یعنی سب کچھ گوارا کرلیتا ہے یا یہ کہ سب باتون کا متحمل ہے سب کو اپنے مین شامل کرنے
والا ہے اور سب باتون کو قبول کرنے والا ہے اُس نے کل اقسام کے عقاید کو اپنے مین
شامل کرلیا ہے حتی کہ ہندوستان کی جنگلی اور پہاڑی اقوام کے عقاید بھی اُسمین شامل ہوگئے
ہین۔ یہ لکھکر پھر آخر مین پروفیسر مذکور یہ لکھتے ہین کہ حق تو یہ ہے کہ ہندوؤن کے مذہب
کا کوئی تذکرہ کامل نہین ہوسکتا تاوقتیکہ ہر مذہبی اور ہر فلسفیانہ خیال کا ذکر نہ کیا جائے جو دنیا
مین اب تک کہین بھی پھیلا ہے۔ پس ہندوؤن کے مذہب کی نسبت ایسا کوئی الزام
ہرگز قائم نہین ہوتا کہ اُس مین ہر بیرونی خیالات کو اپنے سے خارج رکھنے کی
صفت موجود ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب کے پیشواؤن نے
اُس زمانہ مین جب کہ ہندوستان پر چارون طرف سے بیرونی اقوام کے حملون
سے ایک آفت بپا ہورہی تھی کل غیر قومون کے ساتھ نفرت اور اپنی ذات کی
پاکیزگی کے خیالات کا ایک مستحکم قلعہ بناکر اُس مین اپنی اور اپنے مذہب کی حفاظت
کی غرض سے محصور ہوجانے کی ہدایت کی تھی اور جیسے جیسے وہ حملے بڑھتے گئے
ویسے ویسے وہ قلعہ اور بھی زیادہ مستحکم ہوتا گیا یہان تک کہ وہ ایک حصن متین بن گیا
اور اُس کے توڑنے کی اگرچہ باہر اور اندر دونون طرف سے کوشش کی گئی لیکن

وہ کسی کے توڑے نہ ٹوٹا۔ ہان البتہ اب زمانہ حال مین بیرونی اثرون کی گولہ باری اُس پر کی جارہی ہے اور اندر سے بھی خود محصورین دروازہ کھولنے پر آمادہ ہورہے ہین اس لئے کیا تعجب ہے کہ یہ قلعہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ کر منہدم ہوجائے۔ ہندوؤن پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ غیر قومون کو اپنے مذہب مین داخل نہین کرتے اور یہ بھی اُن کے تنزل کا ایک باعث ہے لیکن وہ اشاعت مذہب کی مخالف نہین کیونکہ اُن کا یہ کہنا ہے کہ سب مذہب برحق ہین اور بھگوت گیتا کا یہ قول ہے کہ ہر ایک کو اپنے اپنے دھرم پر چلنا چاہئے انسان کا یہ بھی ایک بڑا فرض ہے۔

ایک اور الزام ہندوؤن پر لگایا جاتا ہے کہ اُن کی بت پرستی نے اُن کو خراب کیا۔ جیسا کہ مین اپنے ایک مضمون مین جو رسالۂ اتحاد مین شایع ہوچکا ہے ثابت کرچکا ہون بت پرستی مین کوئی عیب نہین اگر وہ دھیان کا ایک ذریعہ سمجھ کر کی جائے یا اس خیال سے کی جائے کہ خدا سب جگہ موجود ہے وہ پتھر مین بھی موجود ہے اور اس لئے پتھر مین ہم اُس کو پوج سکتے ہین بقول شخصے

ہر سنگ مین چمک ہے اُسی کے ظہور کی موسیٰ نہین کہ سیر کرون کوہ طور کی

ہان بت پرستی اگر کسی ایسی خیال سے کی جائے کہ بت ہی خدا ہے یا یہ کہ خدا بت مین ہی ہے اور کہین نہین ہے جس خیال کی بھگوت گیتا نے بہت سخت مذمت کی ہے تو وہ البتہ ایک نہایت ذلیل درجہ کی بت پرستی ہے۔ بت پرستی وید سے ثابت ہوتی ہے یا نہین اس بحث مین ہم پڑنا نہین چاہتے مگر یہ بالکل صحیح ہے کہ اس کا رواج زیادہ تر بودھون کے زمانہ مین ہوا۔ اور جس طرح کی بت پرستی بعض جگہ یا ہندوؤن کے بعض فرقون مین اب جاری ہے وہ بودھون ہی سے لی گئی ہے۔ چنانچہ بودھون کی بت پرستی کے بارہ مین فاہیان چینی زائر نے اپنے سفرنامہ مین حسب ذیل لکھا ہے۔

"یہان ہرسال مورتون کا ایک جلوس بڑی دھوم دھام سے نکلتا ہے۔ چار پہیون کا ایک رتھ بنایا جاتا ہے جو پانچ چھ منزل تک ہوتا ہے اور اُس کو سفید کپڑے سے مڑھتے ہین اور پھر طرح طرح کے رنگون سے رنگتے ہین اس رتھ کے چارون کونون پر طاق رکھے جاتے ہین جن مین بدھ کی مورتین بٹھائی جاتی ہین غرض کہ اس طرح کے بیس رتھ بنائے جاتے ہین اور مختلف طور پر اُن کی آرایش کی جاتی ہے جب جلوس نکلنے کا دن آتا ہے تو ہزارون لوگ مع پوجاریون کے جمع ہوتے ہین باجے وغیرہ بجتے ہین اور روشنی کی جاتی ہے اس کے بعد وہ رتھ مع بدھ کی مورتون کے یکے بعد دیگرے شہر کے اندر داخل ہوتے ہین اور ایک جگہ لاکر کھڑے کردیے جاتے ہین تمام رات پراغون کی روشنی ہوتی ہے باجے بجتے ہین اور کھیل ہوتی ہین اور پوجا ہوتی ہے" اس سے ظاہر ہے کہ ہندوؤن مین اب جو جاترا وغیرہ ہوتی ہین وہ محض بودھون سے لی گئی ہے اور اُنہین کی رتھ جاترا کی لیک نقل ہے۔

اسی بت پرستی پر سے بعض کو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ ہندو وحدانیت کی قایل نہین اور جو کچھ وحدانیت کا خیال اب اُن مین پایا جاتا ہے وہ غیر مذاہب سے لیا گیا ہے۔ اس خیال کی تردید کے لئے ہم خود مسلمان سیاح البیرونی کی شہادت پیش کرتے ہین جو لکھتا ہے کہ ہندوؤن مین جو باخبر ہین وہ برابر توحید کے قایل ہین۔ خدا کو ایک مانتے ہین اور سب چیزون کی ہستی کو اُسی کی ہستی مین مانتے ہین البتہ جاہلون مین انواع اقسام کے توہمات اور فاسد عقاید ہین۔ مگر یہ کیفیت ہر ملک و ہر ملت کی ہوا کرتی ہے۔ توہم پرستی اور فاسد عقاید کی تلقین کا سب سے بڑا الزام پرانون پر قائم کیا جاتا ہے مگر اُنہین پرانون مین ایک وشنو پران ہے جس مین خدا کی ستائش حسب ذیل درج ہے "مین سجدہ کرتا ہون تجھ کو اے خداوند عالم جو برہما ہو کر عالم کو پیدا کرتا ہے وشنو کی شکل مین اُس کو قائم کرتا ہے۔

اور شیو کے روپ مین اُس کو اپنے مین فنا کر لیتا ہے اور جس کا ظہور مجسمہ مین اور اور جگہ اور سارے عالم مین ہے۔ دیوتا اور پتروں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اُس کو ایک تو ہی دیوتا اور پتروں کی شکلین اختیار کر کے قبول کرتا ہے جو گی لوگ تیرا ہی دھیان کرتے ہین اور جو ہوم کرتے ہین وہ تیرے لئے ہی کرتے ہین۔ اے خداوند تیرا سب سے بڑا روپ یہ عالم ہے اور اُس سے چھوٹا روپ یہ ہماری دنیا ہے اور اس سے چھوٹا تیرا وہ حقیقی روپ ہے جو کسی کے دھیان مین نہین آسکتا اور جس کا خیال حواس خمسہ سے باہر ہے۔ تجھ سے الگ کوئی چیز نہین مگر تو سب سے الگ ہی اور فی الحقیقت نہ تیرا کوئی نام ہے اور نہ تیری کوئی شکل ہے اور تو صرف اپنی ہستی سے ہی جانا جاتا ہی"

اس ستائش کو پڑھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ توحید کا خیال پرانون مین نہین ہے۔ مگر ہان یہ کہا جا سکتا ہے کہ شخصی خدا کے خیال پر جو زور پرانون مین دیا گیا ہے اُس نے یہ اور بیانرنگ پکڑا کہ خدا کے مختلف صفات کے لحاظ سے اُس کو جو مختلف اشکال اور مختلف نام دیئے گئے ہین اُن کے اصل مفہوم و معنی کو سمجھ کر جہلا نے ہر ایک کو الگ الگ خدا سمجھ لیا اور پھر لگے آپس مین لڑنے کہ ہمارا معبود بڑا ہے اور تمہارا معبود چھوٹا ہے اور ایک ایسی بحث چھیڑ دی جس سے ساری خرابی ہندو مذہب مین پیدا ہو گئی

پس ہندوؤن کے زوال کے اسباب مین ایک سبب تو یہ ہے کہ جاہلون نے مذہبی تلقینات کے اصل معنی و مفہوم کو نہ سمجھ کر مذہب مین عجیب و غریب اختراعات و ایجادات کیے جو نہ ہونے چاہیئے تھے اور جو مذہب کے پیشوا تھے اُنھون نے اپنے اقتدارات کو ناجائز طور پر برتنا شروع کیا اور وہ وہ دعوے کیے جو نہ اُن کو زیبا ہین اور نہ جن کا کوئی استحقاق اُن کو از روئے وید و شاستر حاصل ہے اس کے سوائے مذہبی شاعرون اور بھگتون نے وہ من گڑھت باتین پیدا کین جن کے لئے کسی مذہبی کتاب مین سند نہین اور پھر ایک دوسرا سبب وہ سوشیل خرابیان ہین جو اب

دیکھی جارہی ہین اور جن کو یہان تفصیل سے بیان کرنا اس مضمون کو طول دینا ہے۔
اگر سچ پوچھو تو سب سے بڑا سبب زوال کا یہ ہے کہ ہندوؤن کی پولیٹیکل آزادی
جاتی رہی ہے۔ جو راجہ ہے اُن کے مذہب مین دخل نہین دے سکتا۔ اور
اب ایسا کوئی راجہ موجود نہین ہے جو دھرم شاستروں کے ہدایات کی تعمیل کرائے
یا جو زمانہ کی تبدیلی کے لحاظ سے اُن مین کوئی ترمیمات کرائے۔ شاستر کا یہ قدیم مقولہ
ہے کہ دھرم کی حفاظت راجہ کرتا ہے۔ راجہ کے نہ ہونے سے سب معاملات بگڑ جاتے ہین۔
ہندوؤن کی تہذیب کے ساتھ اسلام کی تہذیب کے ملنے کا جو اثر ہندوؤن پر
پڑا اس کے لئے ایک علیحدہ مضمون چاہیئے جو اس وجہ سے یہان درج نہین کیا
جاتا کہ یہ مضمون پہلے ہی حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔

پربھو لال

سلام

اُسی در سے شہِ لولاک نے تاج و لوا پایا
جہان جبریلؑ نے منديل موسیٰؑ نے عصا پایا

رگِ گردن سے اقرب آسمان کو مادرا پایا
نہ پہچانا کبھی ہم نے اُسے اور بار ہا پایا

خدائی بھر سے جس دم ہاتھ کھینچا تو خدا پایا
کیا پائے طلب کو قطع تو دستِ دعا پایا

یہ کس غازی کے توسن نے اشارہ باگ کا پایا
علم سے برق چمکی۔ سایہ نے اوجِ ہما پایا

سلامی ساقیٔ کوثر سا ہم نے رہنما پایا
سکندر نے خضر اور خضر نے آبِ بقا پایا

گدائی کا ملا تھا ٹھیکرا جو در سے ساقی کے
اُسی کو بزمِ جم مین ساغرِ گیتی نما پایا

بھر و سازِ زیست پر کچھ ہے نہ ایامِ جوانی پر
شرابِ رنگ اُسے دیکھا اسی رنگِ حنا پایا

دعا کے ساتھ تا بامِ قبول اکثر وہ پہنچا ہے
کمندِ اضطرابِ دل کا جس نے آسرا پایا

خدا گر ہمتِ عالی بھی دے اور فاقہ کشی بھی
سمجھنا چاہیئے بس حاصلِ ارض و سما پایا

خوشی کیا سال نو کی غافلو اس دارِ فانی مین
یہ سوچو تو بھلا اک سال کہو یا تم نے پایا پایا

نہ اب پست و بلندِ دہر کو مڑکر بھی دیکھون گا
بہت گر پڑ کے مین نے جادۂ صبر و رضا پایا

تعلق ایک نعمت کو ہزارون نعمتون سے ہی
تری درگاہ سے جتنا ملا اُس سے سوا پایا

تعلق ایک حسرت کو ہزارون حسرتون سے ہی
دلِ بے آرزو پایا تو سمجھو مدعا پایا

رفاقت پاؤن کے چھالون نے کیا دشتِ نجف مین کی
انہین مین نے نمک پروردۂ شورِ درا پایا

ازل سے آستانِ ختمِ رسل کا مرجع کل ہے
کہ بوسہ لے کے عیسیٰ نے لبِ معجز نما پایا

علی کے آستان پر سپہر گردون جھک کے کہتا ہی
کہ مین نے در ہمِ خورشید اسی در پر پڑا پایا

غلامانِ شہِ دین کروٹین لیتے ہین پہلو پر
لحد مین آکے دروازون کو جنت کے کھلا پایا

شہیدانِ جفا تھے آفتاب اوجِ سعادت کے
دمِ شمشیر کو سمجھے کہ خطِ استوا پایا

بنی ہاشم مین کیا شادان پہنچ کر اپنے مقتل پر
شفق پھولی ہے چہرون پر کہ دشتِ کربلا پایا

سرِ حر شاہ کے زانو پہ ہی اور ہاتھ دامن پر
بوقتِ نزع دستِ شوق اور دستِ رسا پایا

سرِ نیزہ سنا تو ہوگا قرآن اے فلک تو نے
کہان داؤد نے یہ لحن کب ایسا گلا پایا

اسیری سید سجاد کی ہم سے کوئی پوچھے
کہ رسّی مین بندھی ہاتھون کو بھی عقدہ کشا پایا

کڑکنے مین کمانِ حرملہ کے یہ صدا نکلی
لگا کر بے زبان کو تیر ظالم تو نے کیا پایا

علی کی مدح پڑھتا قبر سے اے نظم مین اُٹھا
تو محشر مین لبِ کوثر پہ شور مرحبا پایا

حیدر آباد دکن
۱۰ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ

سید علی حیدر

السفر وسیلۃ الظفر

اس عنوان سے پنڈت رتن ناتھ سرشار مرحوم کا ایک ناتمام مضمون یمین السلطنت ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر دام اقبالہم کی توجہات سے جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے کی عنایت آمیز وساطت سے دکن ریویو کے اوراق کے لئے بہم پہونچایا ہے۔ ہز اکسلنسی اپنے عنایت نامہ مین جو مولوی صاحب موصوف کے نام ہے ارشاد فرماتے ہین "مجھے کسی کاغذ کی ضرورت تھی جس کی تلاش مین اپنا پرانا دفتر چھانٹ رہا تھا۔ کاغذات مین پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ایک مضمون اُن کے قلم کا جس کی سرخی السفر وسیلۃ الظفر ہے ملا۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون ختم ہونے نہین پایا تھا کہ پنڈت صاحب کا خاتمہ ہوگیا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مین اس مضمون کو گو ناتمام ہے خوش خط لکھوا کر اس غرض سے بھیجتا ہون کہ آپ اسے ظفر علی خان صاحب کو دے دیجئے تاکہ وہ اسے دکن ریویو مین شایع کر دین۔ یہ بھی پنڈت سرشار کی یادگار ہے۔ خدا بخشے عجب خوبیون کا آدمی تھا اور نثر نویسی مین ایک انوکھی اور دلچسپ طرز کا موجد تھا" ہم ہز اکسلنسی کا بلحاظ جناب ممدوح کی عنایات بے غایات کے دلی شکریہ ادا کرتے ہوئے اس مضمون کو جو فسانہ آزاد کے مصنف کی آخری یادگار ہے حسرت آمیز مسرت کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔ ایڈیٹر۔

سفر کن سفر کن سفر کن سفر
سفر کن کہ بسیار آرد ظفر

السفر وسیلۃ الظفر ایک مشہور و معروف عربی جملہ ہے۔ سفر ہی کی نسبت ایک جملہ لسان الفرنس مین بھی ہے۔ سفر بصورت سفر۔ گو یہ دونون جملے بادی النظر مین متضاد مفہوم ہوتے ہین اور ع۔ ممکن نہین اجتماع ضدین۔ مگر ہم اس بات کا اثبات

دین گے کہ گو معنی مین متضاد ہین مگر دونون صحیح ہین۔ بالاستیعاب اگر غور و تعمق سے نظر ڈالی جائے تو دونون اپنے اپنے مقام پر معنی خیز ہین اور غلطی سے معرا و مبرا

ضمیر منیر صاحبان زیرک و حاذق پر مخفی و محتجب نہین کہ سفر کا وسیلہ ظفر یا اس کے بالعکس ہونا اس کے استعمال کے طریقے اور اسباب پر منحصر ہے۔ آگے چل کر ہم ان دونون کے اسباب کا تفاوت معرض بیان مین لائین گے اور بتائین گے کہ امور ارضی و سماوی پر سفر کے فیض بخش اور فیض رسان یا مضرت بخش و تکلیف دہ ہونے کا بہت کچھ انحصار اور دار و مدار ہے۔ بعض معنی کر کے مضار بھی ہین اور فوائد بے شمار بھی ہین۔

تمام دنیا کا دار و مدار سفر پر ہے۔ اگر سفر نہ ہوتا تو خلق خدا آج اس قدر سعادت سنج اور بہرہ اندوز نہ ہوتی جس قدر اب ہے۔ سفر بحری ہو خواہ بری ہر طرح اور ہر پہلو سے فائدہ رسان خلائق ہے۔ جب سے جہاز رانی شروع ہوئی سمندر کا سفر آسان ہو گیا یا یون کہین کہ جہاز رانی سے سمندر گویا قدرتی سڑک بن گئی۔ گھر سے زیادہ تفریح اور آرام ہے۔ سونا اچھالتے چلے جاؤ۔ ع لے غم نہ دزد لے غم کالا۔ بری سفر مین بھی بڑی تکلیف ہوتی تھی مگر ڈاکٹر اوشانسی کی بدولت ریل کے سفر نے اختراع تار برق سے سفر بری کو ایسا آسان کر دیا کہ جس کا حق ہے ؎

شد زمین از ڈاکٹر اوشانسی چرخ برین ہمچو خط استوا بروے نمایان تار برق

اگر واسکوڈ گاما سیاح ملک پرتگال نے کیپ آف گڈ ہوپ یعنی راس خوش امید کے راستے سے ہندوستان کی راہ نہ تلاش کی ہوتی تو ہندوستان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ ملتی۔ کلمبس نے اگر شہنشاہ بیگم ہسپانیہ کی فراست اور فیاضی سے سفر بحری مین جان پر کھیل کر اور زحمت اٹھا کر بعد خرابی بصرہ دنیائے عتیق سے جا کر دنیائے جدید دریافت نہ کرتا تو اہل امریکہ ایک جانب اور ہم ایشیا اور افریقہ اور یورپ والے

اپنے اپنے برّ اعظم مین اس طرح رہتے جیسے کرۂ ارض کے باشندے اور کرۂ قمر کی مخلوق۔ زمین اور آسمان کا فرق ہوتا۔

اگر لارڈ ڈفرن زحمتِ بلیغ اُٹھا کر آئسلینڈ نہ جاتے اور دشوار گذار اور صعب سفر بحری نہ کرتے تو اس جزیرۂ قدیم کے دلچسپ حالات ہم کو کیون کر معلوم ہوتے۔

جس زمانے مین پرانون کی عملداری نہ تھی اور اہل ہنود حسب ہدایت وید مقدس چلتے تھے اُس زمانے مین جو جو ترقیان اہل ہنود نے کین وہ اس وقت سے مبدّل بہ تنزل ہوتی گئین جب سے پُرانون کی ہدایت کے مطابق کارروائی ہونے لگی اور سمندر کا سفر ناجائز قرار دیا گیا۔ اور اہل ہنود اپنے آبا و اجداد کی کمائی کو کھو بیٹھے۔ اس بعینہٖ اُس مینڈک کی مثال صادق آتی ہے جو اپنے کنوین سے باہر نہین نکلی اور اُس کنوین کو ساری خدائی سمجھنے لگی۔

لونگ اسٹون اور پاصدی کو لنزو کو افریقہ کی سیاحت مین کس قدر دقتین صدہا پیش آئین دریاے ناخیجر اور رودنیل کے مخرج دریافت کرنا کیسا جان جوکھم کا کام تھا مگر انگریز ایسے مہمون جان پر کھیل جاتے ہین اور جان دے کر وہ خزانہ جواہر بیش بہا کما لاتے ہین جو انمول ہے۔ دریاے ناخیجر پر بہ یک بینی و دو گوش تن تنہا ہاٹن ٹاٹ ایسی وحشی قوم سے مڈبھیڑ کرنا خالہ جی کا گھر نہین ہے۔

اب رہا اس کا نقیض جملہ اہل عجم یعنی سفر بصورت سقر۔ اس کا آج کل قریب قریب بطلان ہوگیا۔ جب سے تہذیب اور شائستگی نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی تب سے سفر کی آسانی اس درجہ ہوگئی کہ اگر سو اسو برس اوپر کا آدمی بفرض محال زندہ ہوجائے اور شاخ در شاخ سلسلہ ریل اور تار برق کو دیکھے اور اس کو معلوم ہو کہ کلکتے سے حیدرآباد تک تین دن تین رات مین انسان پہونچ جاتا ہے اور مہینون کا راستہ گھنٹون مین طے کرتا ہے تو سخت استعجاب ہو کہ کیا اس زمانے کے

انسانون کو خدا نے پر لگا دئے۔ کجا ہندوستان کجا امریکہ۔ تار کے ذریعے سے باتین کر لیجئے۔ میان کشمیر مین بی بی لنڈن مین کوڑیون کے مول باہم باتین ہو رہی ہین نہ اجورہ دار کی ضرورت نہ قاصد کی۔ نہ کاغذ کی حاجت نہ قلم دوات کی ہزار کوس سے پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے۔

ہان اگلے زمانے مین البتہ سفر بصورت سفر تھا جب نو دن چلے اڑھائی کوس زمستان تابستان اور ایام برشکال تینون فصلون مین مصیبت کا سامنا ہوتا تھا ہندوستان سے جو لوگ حیدرآباد کو آتے تھے اُن کی مصیبت کا حال ناگفتہ بہ۔ اب اللہ کی عنایت اور انگریزون کی برکت اور اعلیحضرت قدر قدرت حضور لامع النور شاہ آصف جاہ دکن کے اقبال لازوال کی بدولت (اللھم زد فزد) ہندوستان سے قلمرو دکن تک سونا اُچھالتے اگر کوئی آئے تو ہیچ آفت نہ رسد۔

برسبیل تذکرہ حسب بیان صحیحہ صاحب کمشنر ٹھگی و ڈکیتی یہ لکھنا بے موقع نہ ہوگا کہ کچھ عرصہ ہوا جب تک ٹھگی اور ڈکیتی کے انسداد کے لئے کوئی انتظام نہین ہوا تھا صورت معاملات دگرگون تھی۔ ایک تاجر اور ساہوکار ہند و مذہب دہلی یا شاید لکھنو سے روانہ حیدرآباد ہوا اثنائے راہ مین ڈاکوؤن نے پیچھا کیا۔ مگر اس خوبصورتی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کہ کسی کو کانون کان خبر نہ ہو اور مطلب حاصل۔ ایک بیہڑ مقام چٹیل میدان لق و دق مین جہان

پتے کو پتا نہ تھا شجر کا　　عنقا تھا نام جانور کا

ایک سیٹھ جی گانٹھ کے پورے آنکھون کے اندھے ایک بہلی پر جس مین ناگوری بیل کی جوڑی جُتی ہوئی تھی لدے ہوئے چلے آتے تھے۔ گھر کی عورتون نے پرانے فشن کے مطابق دروازے پر اُن کو ٹیکا لگایا اُن کے ہاتھ سے خیرات کرائی کہ ہنسی خوشی واپس آئین اور اپنی زبان مین دعا مانگی۔

غزل

شمع بجھ کر رہ گئی - پروانہ جل کر رہ گیا
یادگار حسن و عشق اک داغ دل پر رہ گیا

دل کا ارمان دل ہی مین اسی کوے دلبر رہ گیا
نقش پا کی طرح ابھرا اور مٹ کر رہ گیا

درد دل کیون کر بیان کرتا زبان تو بند تھی
آپ کا بیمار اک کروٹ بدل کر رہ گیا

مرتے مرتے بھی وہی ہم تھی وہی غم کی خلش
جو کھٹکتا تھا وہ کانٹا دل کے اندر رہ گیا

آکے بالین پر مریض غم کی صبح شام ہجر
دیکھتے کیا ہو فقط بستر ہی بستر رہ گیا

ہم تو دل ہی پر سمجھتے تھے بتون کا اختیار
نصب کعبہ مین بھی اتنا ایک پتھر رہ گیا

تھک کے گر پڑتا ہون جب بڑھتا ہی ہے شوق
دو قدم پس اور آگے کوے دلبر رہ گیا

تو نے کر دیدۂ یعقوب سے نکلا جو اشک
شب کو زندان پر ستارہ اک چمک کر رہ گیا

دیکھ کر موسیٰ کا شوق دید کوہ طور پر
پردے ہی پردے مین کوئی مسکرا کر رہ گیا

اس تمنا پر کوئی چٹکی سے شاید کھینچ لے
دل مین ناوک آپ کا ارمان بن کر رہ گیا

قطرہ قطرہ اشک کا ہے خنجر نا سور دل
ہم کو اب رونا اسی کا زندگی بھر رہ گیا

اُف حرارت عشق کی تھی دل مین سوز شرر انکو
صبح تک اک آبلہ سب جسم ہو کر رہ گیا

آئیے گا شام وعدہ اب پریشان کر کے زلف
ہم خوشی سے مر گئے جب دن گھڑی بھر رہ گیا

چارہ سازون سے دم آخر ترا بیمار غم
دل کی جانب کچھ اشاری سی بتا کر رہ گیا

آکے دیکھے نزع مین کھینچتے جو میری ہاتھ پاؤن
اُف رے شوخی ایک انگڑائی وہ لی کر رہ گیا

دیکھ لی دنیا چلو شہر خموشان کو عزیز
قابل دید اک یہی دلچسپ منظر رہ گیا

لکھنؤ

مرزا محمد ہادی عزیز

عربی شاعری اور مثنوی

مولانا شبلی ہماری قوم کے اُن مسلم الثبوت اور متبحر علما مین سے ہین جن کی تصنیفات سے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچا اور اُس کی ادبی۔ تاریخی اور علمی معلومات مین بے حد اضافہ ہوا ہے عربی زبان کے ایک متبحر اور مستند عالم کی حیثیت سے، مولانا جو کچھ عربی شاعری کے متعلق لکھین گے وہ عموماً ہر شخص کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔ ایسی حالت مین مولانا کی زبان قلم سے کوئی ایسا خیال ظاہر ہو جو ہمین ماہرین زبان عربی کی رائے اور واقعات کے خلاف معلوم ہوتا ہو تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم بصد ادب مولانا کی توجہ اُس کی طرف مبذول کرائین۔

الندوہ کی جلد ۵ نمبر ۳ مین مولانا کا ایک مضمون درج ہے جس مین عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون مین مولانا نے فارسی شاعری کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوے تحریر فرمایا ہے کہ عربی شاعری مین فلسفہ و تصوف بہت کم ہے اور مثنوی کی صنف بالکل مفقود ہے۔ ہمین اس موقعہ پر عربی شاعری کے فلسفہ و تصوف سے کوئی بحث نہین۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ مولانا کے خیال کے مطابق آیا فی الواقع عربی مین مثنوی مفقود ہے یا موجود!

قبل اس کے کہ عربی مثنوی کی نسبت کچھ لکھا جائے اس بحث کو طے کر لینا ضروری ہے کہ عربی شاعری سے کس زمانہ کی شاعری مراد لی جائے۔ مولانا اپنے مضمون مین تحریر فرماتے ہین۔

"عربی شاعری سے مراد اسلام کے ماقبل کی
شاعری ہے یا زیادہ سے زیادہ بنو امیہ

کے عہد تک۔ اس کے بعد کی شاعری
عربی نہیں بلکہ عجمی ہے۔ صرف زبان کا فرق
ہے جس طرح حکومت کہ برائے نام عباسیہ
کی تھی اصلی حکمران فارس اور ترک تھے"

اس کے متعلق ہمارا کہنا یہ ہے کہ جس طرح عربی شاعری کے دور کو مولانا نے محدود کر دیا ہے اسی طرح فارسی شاعری کے دور کو بھی محدود کر دینا چاہیئے۔ اُسی وقت اُن دونون کا موازنہ درست ہوگا۔ جس طرح عربی شاعری کے ابتدائی دور کو مولانا نے لیا ہے اسی طرح فارسی شاعری کے ابتدائی دور کو لینا چاہیئے۔ اسی صورت مین موازنہ میزانِ انصاف مین ٹھیک اُترے گا۔ یہ تو کسی طرح قرین صواب نہین کہ فارسی شاعری کے تمام ادوار کو لے لیا جائے اور بے چاری عربی شاعری کے ایک دور کو کہ وہ بھی ابتدائی ہو جب کہ عربی شاعری علوم و فنون اور فلسفہ و حکمت کی اسجد سے روشناس بھی نہین ہوئی تھی۔ انتخاب کیا جائے اور دونون کو موازنہ کے ترازو مین رکھ کر تولا جائے۔ ہماری رائے مین موازنہ کا صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ دونون شاعرون کے طبقات و ادوار کی تفریق کی جائے اور پھر اُن دونون کا مقابلہ کیا جائے۔ جب بنو امیہ کے عہد تک عربون مین فلسفہ و تصوف کا رواج ہی نہین ہوا تھا تو اُس زمانہ کی عربی شاعری مین فلسفہ و تصوف کی تلاش لاحاصل ہے۔ وہ زمانہ تو عربی شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا۔ عربون نے اُس وقت تک علوم و فنون مین ایسی ترقی ہی کہان کی تھی کہ فلسفہ کے دقیق مسائل اور تصوف کے باریک نکات اشعار مین نظم کئے جاتے۔ یہ تو قاعدہ کی بات ہے کہ جون جون تمدن ترقی کرتا جاتا ہے اور علوم و فنون مین وسعت و افزونی ہوتی جاتی ہے شاعری مین بھی تغیرات و تبدلات پیدا ہوتے رہتے ہین۔ غیر ترقی یافتہ

زمانہ کی شاعری مین اگر کوئی چاہے کہ ترقی یافتہ زمانہ کی شاعری کی جھلک ہو تو یہ کیسے ممکن ہوگا۔ اردو لٹریچر مین آج کل جو ترقی ہو رہی ہے۔ اُس کا زمانہ سابق مین نام و نشان تک نہ تھا۔ تو کیا اس سے کوئی یہ حکم لگا سکتا ہے کہ اردو زبان مین ترقی ہوئی ہی نہین؟ اور کیا مطلقاً اردو پر یہ حرف رکھا جا سکتا ہے کہ اُس مین کسی قسم کی جدت و ترقی کا سُراغ نہین ملتا؟

مولانا فرماتے ہین کہ بنو عباس کے عہد کی شاعری عربی نہین بلکہ عجمی تھی۔ عجمی کیون تھی؟ کن اصول کی بنا پر اُس وقت کی شاعری کو عجمی کہا جاتا ہے؟ مولانا کی تحریر اس کے جواب سے بالکل ساکت ہے۔ کیا خیالات کے بدل جانے سے اُس زمانہ کی شاعری عجمی ہو گئی؟ اگر ایسا ہے تو آج کل کی اردو شاعری کو جس مین نیچرل جذبات اور قومی خیالات آ رہے ہین اردو شاعری نہین کہنا چاہیئے۔ ہم الزامی جواب کے طور پر فارسی شاعری کے متعلق بھی کہہ سکتے ہین کہ شعرائے فارس اکثر عربی زبان کے عالم ہوتے تھے اور محض عربی تعلیم کی بدولت اُن کے دماغ منور بنتے تھے۔ خصوصاً اخلاق اور موعظت و حکمت کی نسبت اُن کی جو کچھ معلومات تھی وہ عربی کی خوشہ چینی سے حاصل ہوئی تھی۔ اس بنا پر اگر فارسی مین کوئی عمدہ نظم ہو تو وہ فارسی نہین کہی جانی چاہیئے اور نہ فارسی شاعری کی فتوحات مین شمار ہونی چاہیئے کیونکہ اُس کے فائل کا ماخذ عربی ہے صرف زبان کا فرق ہے۔ مگر نہین۔ ایسا کہنا خلاف انصاف ہوگا۔ ہم کو دیکھنا یہ چاہیئے جو کچھ کسی زبان مین کہا گیا ہے اُس کو اہل زبان نے مانا ہے یا نہین۔ اگر مانا ہے تو بے شک اُس زبان کی لٹریچر مین داخل ہوگا۔ پس فارسی اور عربی مین جو نظمین اور اشعار کہے گئے ہین اور جو جو خیالات ادا کئے گئے ہین اگر اہل لسان اور ائمۂ ادب نے اُنہین تسلیم کیا ہے تو بغیر اس لحاظ کے وہ کس زمانہ مین اور کس مقام پر کہے گئے ہین فارسی

اور عربی لٹریچر مین محسوب ہون گے۔

ہمارا خیال ہے کہ عربی شاعری کی ترقی اسلام کے بعد شروع ہوئی۔ جیسے جیسے خیالات مین اصلاح اور تمدن مین ترقی ہونے لگی اور علوم و فنون سے عربون کے دماغ روشن بنتے گئے۔ زبان مین لطافت و حسن، مضامین مین وسعت و جدت اور خیالات مین گوناگون شائستگی پیدا ہوتی گئی۔ حتی کہ بنو عباس کے آخری عہد تک وہ درجۂ کمال پر پہونچ گئی۔ جب عربون کی سلطنت مین ضعف پیدا ہوگیا اور ملک غیرون کے پنجہ مین چلا گیا تو قدر دانی اُٹھ گئی اور شاعری بھی تنزل کر گئی۔ یہ صرف ہمارا ہی خیال نہین ہے بلکہ ابو منصور ثعالبی بھی یتیمۃ الدہر مین یہی خیال ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ہم عصر شعرا کو جو کل کے کل خلفائے عباسیہ کے عہد مین گزرے ہین۔ زمانہ جاہلیت کے سخنورون اور تمام شعرائے متقدمین پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کے خاص الفاظ یہ ہین۔

کانت اشعار الاسلامیین ارق من اشعار الجاهلیین واشعار المحدثین ثم کانت اشعار العصریین اجمع لنوادر المحاسن والنظم للطائف البدایع من اشعار سائر المذکورین ولانتهاها الی ابعد غایات الحسن وابلغ عما انتهی نهایات الجودة والظرف تکاد تخرج من باب الاعجاز ومن حد الشعر الی السحر فکان ادخرنا من نتایج خواطرهم وثمرات قرائحهم وابکار افکارهم تم	اسلامی شعرا کے اشعار، شعرائے جاہلیت اور محدثین کے اشعار سے زیادہ لطیف تھے۔ لیکن اہل عصر کے اشعار اُن تمام سے بڑھ کر محاسن و نوادر اور لطائف و بدایع پر مشتمل ہین۔ اور حسن و خوبی کی انتہائی حد اور جودت و ظرافت کی آخری منزل پر پہنچے ہوے ہین۔ اور شعر شاعری کی سرحد سے گزر کر سحر و اعجاز کا رتبہ حاصل کر چکے ہین۔ اُنہون نے اپنی طبع وقاد اور ابکار افکار سے ہمارے لئے

چون کہ بہ نسبت عربی کے محدود ہے اور اس مین مسلسل واقعات اور خیالات کو نظم کرنا دشوار ہے اس لیئے فارسی شاعرون نے مثنوی کی صنف اختیار کی جس سے اُن کو اتنی آزادی مل گئی کہ ہر ایک شعر جدا جدا قافیہ مین کہہ سکتے ہین۔ برخلاف اس کے عربی زبان ایک بحر ناپیدا کنار ہے اس مین الفاظ کی بہتات اور معانی کی افراط اس قدر ہے کہ واقعات اور خیالات کے ادا کرنے مین صنف مثنوی کی ضرورت نہ تھی۔ عربی شاعر ہم قافیہ اشعار مین مسلسل واقعات کو اُسی آسانی کے ساتھ نظم کر سکتے ہین جس طرح فارسی شاعر مثنوی کے مختلف القافیہ اشعار مین۔ تاہم فنون کے مسائل کو منضبط کرنے کی غرض سے بغرض سہولت عموماً شعرائے عرب نے مثنوی کی صنف اختیار کی ہے جس کو وہ ارجوزہ اور مزدوجہ کے نام سے موسوم کرتے ہین۔ چنانچہ اس صنف مین یہ تصنیفات بہت مشہور ہین۔ الفیہ ابن مالک۔ ارجوزہ فی تعبیر الرویا۔ ارجوزہ فی الجبر والمقابلہ۔ ارجوزہ فی حساب العقود۔ ارجوزہ فی الخط۔ ارجوزہ فی الطب للشیخ الرئیس وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان تصانیف پر شعر سے بڑھ کر نظم کا اطلاق زیادہ صحیح ہے۔ کیون کہ ہم شاعری کو چیزے دیگر جانتے ہین جس مین وزن اور قافیہ کے علاوہ ایک اور شی کی بھی ضرورت ہے ہان شاعری کے لحاظ سے الصادح والباغم اور نتائج الفطنہ فی نظم کلیلہ ودمنہ دو ایسی کتابین ہماری نظر سے گزری ہین جو عربی زبان کی مثنویون مین نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہین یہ ابن ہبارہ ہاشمی متوفی ۵۰۹ھ کی تصنیفات ہین۔ مثنوی کے پیرایہ مین اُس نے کلیلہ ودمنہ کی حکایات اور مختلف مواعظ وحکم اور قصص وامثال کو سلک اشعار مین نظم کیا ہے۔ فصاحت وبلاغت اور روانی وسلاست کے اعتبار سے یہ مثنوی نہایت مشہور ہے اور ۱۸۸۰ء مین بمقام بیروت چھپ کر شایع ہو چکی ہے۔ ابن ہبارہ کے علاوہ قاضی اسعد ابو المکارم اسعد بن المنجا

بھی کلیلہ و دمنہ کو نظم کیا ہے اور سیرت سلطان صلاح الدین کو منظوم لکھا ہے۔ (دیکھو ابن خلکان صفحہ ۴۸۰ جلد اول) مگر یہ دونون کتابین ہماری نظر سے نہین گزرین۔ ہم مناسب سمجھتے ہین کہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ابن ہبارہ کی مثنوی کا تھوڑا سا اقتباس درج کرین۔ قصہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بڈھا جس کا وطن ہندوستان ہے اور ایک نوجوان جو فارس کا رہنے والا ہے آپنے اپنے وطن کے فضائل بیان کرتے ہین یہان تک کہ نوبت تکرار و بحث تک پہونچ جاتی ہے۔

فكان قول الشيخ قومي الهند
الحكماء العلماء الله
لهم علوم وحلوم ونطن
وحكمة بالغة اذ تمحن
ولم يكن من فضلهم لمن يختبر
فضل الرجال منصف وليعتبر
الا الذي ايدوه في الشطرنج
للناس من علم سديد النهج
جد عظيم لقبوه هزلا
يصير الراي الامين جزلا
فيه اشارات الى مراعظ
نافعة لكل واع حافظ
قد سموه للهدى مثالا
ان الحكيم يضرب الامثالا
يعنون العيش في التدبير

بڈھا کہتا ہے کہ میری قوم مین بڑے بڑے زبردست علما اور حکما ہین۔
وہ علم فضل اور زیرکی مین سب کے پاس مسلم ہین۔ انھون نے شطرنج ایجاد کرکے لوگون پر ایسا علم ظاہر کیا جو سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔
لیکن لوگون نے جد و حقیقت کو ہزل اور دل لگی سمجھ لیا ہے حالانکہ اس سے ضعیف رائے استوار ہوتی ہے۔
اس مین اشارۃً وعظ و نصیحت کی گئی ہے جو ماننے اور سننے والے کے لئے سودمند ہے۔
انھون نے ہدایت کو مثال سے ثابت کیا ہے اور حکیم مثالون سے ہدایت کیا کرتے ہین۔ اُن کی اس سے یہ مراد ہے کہ انسان کی

الالفاظ والمعانی استیفاء لاقسام البراعت وادوفرھا نصیبا من کمال الصنعته ورونق الطلاوته۔	الفاظ ومعانی کا ایسا کامل ذخیرہ مہیا کردیا ہے جو بلاغت وصنعت ورونق وطلاوت پر پوری طرح حاوی ہے۔

افسوس ہے کہ مولانا شبلی نے موازنہ کرتے وقت شعرائے عرب کے اس اعلیٰ طبقہ سے قطع نظر کرلی اور ایسے زمانہ کی شاعری کو نصب العین رکھا جو ابھی بالکل حالت طفولیت مین تھی اور کسی طرح صف موازنہ مین لانے کے قابل نہ تھی۔

ہر ایک زبان کی خصوصیات ہوا کرتی ہین اور اُن سے شاعری مین بھی خصوصیات پیدا ہوتی ہین۔ لیکن مولانا نے فارسی کی جو خصوصیات گنائی ہین ان مین ہم کو کلام ہے۔ منجملہ ان کے ایک خصوصیت آپ یہ بیان کرتے ہین کہ "فارسی شاعری کی ایک بڑی صنف مثنوی ہے جس مین سیکڑون واقعات اور ہزارون خیالات مسلسل بیان کئے جاتے ہین عربی اس سے محروم ہے" کوئی شبہ نہین کہ فارسی شاعری نے مثنوی کو بے حد رواج دیا اور فارسی زبان مین اس کثرت سے مثنویان ہین کہ شاید برسات مین مینڈک بھی اتنے نہین ہوتے۔ مگر یہ کسی طرح درست نہین کہ عربی شاعری مثنوی سے محروم ہے۔ مولانا کے کلام کے اس جزو کو تو ہم مانتے ہین کہ فارسی شاعری کی ایک بڑی صنف مثنوی ہے لیکن اس کو کسی طرح تسلیم نہین کرسکتے کہ عربی شاعری اس صنف سے محروم ہے اور عربی زبان مین اس کا وجود معدوم ہے۔

ہر زبان کی شاعری خیالات اور واقعات کے ادا کرنے مین خاص خاص اسلوب رکھتی ہے شاعری جو تخیل کو الفاظ کے ذریعہ سے خاص خاص اوزان مین ظاہر کرنے کا نام ہے۔ اُس کے جوہر حسن و قبح کو پرکھنے کے لئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ تخیل کو واقعات وخیالات کی تصویر کھینچنے مین کہان تک

کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ ایک زبان کی شاعری کا دوسری زبان کی شاعری سے مقابلہ کرنے مین یہی امر قابل لحاظ ہے کہ کسی خاص خیال یا واقعہ کی تصویر کشی مین دونون کی قوت تخییل نے کس قدر کامیابی حاصل کی۔ اس بات کو بھول کر بھی نہین دیکھنا چاہیئے کہ ہر ایک کی بول چال۔ الفاظ۔ طرز عبارت۔ اسلوب بیان کیسا ہے۔ کیون کہ ہر زبان کا روزمرہ اور محاورے جداگانہ ہوا کرتے ہین۔ ایک ہی بات کو اردو مین ایک طور سے ادا کیا جاتا ہے اور انگریزی اور عربی مین دوسری طور سے۔ بہرطور جب ہر ایک سے فائدہ اور نتیجہ یکسان مرتب ہوتا ہے تو ہم محض طرز ادا کے مختلف ہوجانے سے ایک کو دوسری پر ترجیح نہین دے سکتے۔ ہان اسی بات کو اردو نے دوسری زبانون کی بہ نسبت زیادہ مؤثر اور مفید پیرایہ مین ظاہر کیا ہے تو بلاشبہ اس کو اور زبانون پر تقدم حاصل ہوگا۔ اس بیان سے یہ مقصود ہے کہ مثنوی کو عربی شاعری مین جو رواج عام نہین ہوا اس سے نفس شاعری پر کسی طرح کا الزام نہین آسکتا یہ تو زبان اور طرز بیان کی خصوصیات ہین۔ اس سے شعر شاعری پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ مثنوی کی صنف کو فارسی والون نے اپنی زبان کے مناسب و موزون سمجھا اس لئے اس کو رواج دیا اور عربون نے اس کو اپنی بول چال مین مستحسن اور پسندیدہ نہ جانا۔ اس لئے عام نہ کیا۔

عربی زبان مین مثنوی مفقود نہین ہے لیکن فارسی کی طرح اس مین مثنویون کی بھرمار بھی نہین ہے۔ اس کی جو کچھ وجہ ہماری سمجھ مین آتی ہے یہ ہے کہ مثنوی کی طرز عربی زبان مین کچھ جمتی نہین۔ اگرچہ عربی مین کم و بیش مثنویان لکھی گئی ہین مگر اس زبان مین عربی شعر نکمرتے دکھائی نہین دیتے عربی کی ردیف وار نظمون مین جو لطف و خوبی ہوتی ہے وہ اس مین نظر نہین آتی۔ علاوہ اس کے فارسی زبان

وقال انی تبت من عداوتی
للوحش حتی انکسرت مزاوتی
حلفت لا آکل جهد حلف
الا الذی یموت حتف الانف
فبئست الطبیعة القساوة
والفتك بالنفوس والفؤاده
ان لم یکن جنسهم کجنسی
فانما نفوسهم کنفسی
وان اعتدائی کان من سوء
لشهوة نفس او ضرورة
ظلم وجهل لیس فیه شك
ولست من اثم به انفك
حتی متی تبکی العیون منکی
کم مقلة من سوء فعلی تبکی
وکبد احرقتها بالثکل
وولد ایتمته بالاکل
وقد علمت واللبیب یعلم
بالطبع لا یرحم من لا یرحم
تبت من قساوتی وعیوتی

کہا کہ مین جانداروں کی عداوت سے توبہ کر چکا
ہون اور خونخوارگی اور درندگی کو چھوڑ چکا ہون
مین نے قسم کہائی ہے کہ کسی جاندار کو نہین
کھاؤن گا مگر اُسی صورت مین کہ وہ مرجائے
سنگدلی اور درندگی بھی کیا بُری بات ہے۔

اگر وہ میرے ہم جنس نہین ہین تو کیا وہ میری
طرح جان بھی نہین رکھتے ہین۔
مین شہوت نفس اور اپنی ضرورت کی وجہ سے
خدا کی مخلوق کی جان لیتا تھا۔
بے شک یہ سراسر ظلم اور جہالت ہے۔
جس کے گناہ سے مین کسی طرح نہین چھوٹ سکتا
کب تک مخلوق میری درندگی سے روتی رہے گی۔
بہت سی آنکھین ہین جو میرے افعال ناسزا سے
اشکبار ہین۔
بہتیری مائین ہین جن کے جگر گوشون کو چھین کر
مین نے اُنہین دلفگار کیا اور بہتیرے بچے ہین
جن کی مان باپ کو برباد کرکے مین نے اُنھین یتیم بنایا۔
اب مجھ کو سمجھ آگئی ہے کہ جو کسی پر رحم نہ کرے
تو کوئی اُس پر رحم نہین کرتا۔
مین نے اپنی سنگدلی اور جہالت سے توبہ کرلی ہے اور

وقلت اهوحوبتی بتوبتی
وسر من ساعته فجاءها
بعلف حشت به اخشاءها
ولم یزل تدعو له وتشکره
صلوات دعا من تشکه مایذکره
لم تدر کیف قصدان یکیدها
اضحی یقوتها لکی یقودها
حتی اذا ما رجعت کالتوءب
واصبحت من شحمها کالثوءب
غافصها بوثبة شدید
محکمًا انیابه الحدید

عہد کیا ہے اپنی توبہ سے اپنے گناہون کو میٹنے کی کوشش کرون گا۔
یہ کہہ کر اُسی وقت گیا اور کچھ دانہ چارا اٹھا لایا اور ہرنی کو کھلایا۔
جب سے کہ وہ بھیڑیے کی زہد کی قصہ کو صحیح سمجھی ہمیشہ اُس کی دعا گو اور شکر گزار رہی۔
یہ نہ جانتی تھی کہ کس طرح بھیڑیا اس پر اپنے مکر کا جال پھیلا رہا ہے اور اپنا لقمہ بنانے کے لئے اس کو کھلا پلا رہا ہے۔
جب وہ کھا کھا کر خوب موٹی تازی ہوئی اور اُس کے جسم پر خوب ہی چربی آگئی۔
تو ایک دن اچانک بھیڑیے نے اُس کو آدبوچا اور اپنے تیز دانتون کا شکار بنا لیا۔

مولانا شبلی نے اپنے اسی مضمون مین نہین بلکہ موازنۂ انیس و دبیر مین بھی تحریر فرمایا ہے کہ عربی مین سرے سے مثنوی مفقود ہے۔ لیکن مذکور الصدر مثال سے ناظرین کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ عربی زبان اس صنف سے محروم نہین ہے۔ ہم اپنے دعوے کے ثبوت مین اور چند مثالین درج کرتے ہین جو اکثر ایسی مثنویون سے لی گئی ہین جن کو ہم نے خود دیکھا ہے اور جن مین مثنوی کے لوازم و شرایط پائے جاتے ہین۔

مثال ۲۰۔ دربار سیف الدولہ کے مشہور شاعر ابو الفراس حمدانی نے اپنی سیر و شکار کے سوانح مین ایک مزدوجہ (مثنوی) لکھی ہے جس کی ابتدائی شعر ہین۔

ولیس بالقسمة والتقدیر	روزی تدبیر پر منحصر ہی نہ قسمت و تقدیر پر۔
والمرء للافعال مستطیع	اور یہ کہ انسان اپنے افعال پر قادر اور مختار
محکم یحفظ او یضیع	بنایا گیا ہے چاہے خود کو بچائے یا تباہ کردے
وذلک العدل بلا خلاف	اور یہ بلاشک عدل ہے اگر لوگ
لو رنق الرجال للانصاف	نظر انصاف سے دیکھیں۔

اس کے جواب مین نوجوان جو فارسی نژاد ہے اپنے ملک کی تعریف کرتا ہی اور وہان کے لوگون کی عقل و تدبیر کو سراہتا ہے کہ روزگار اور دنیا کے تمام کاروبار کا محض تقدیر پر دارومدار ہے اور ہمارے حکمانے جو "سزد" کے کھیل کو وضع کیا ہے اُس سے اسی طرف اشارہ ہے۔ ہندی بڈھا اس کے قول کی تردید کرتا ہے اور قصص و امثال سے اپنے دعوے پر دلیل لاتا ہے۔ ایک چھوٹی سی حکایت نمونۃً ذیل مین درج کی جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوجائے گا کہ عربی زبان کس صفائی اور سلاست و روانی سے گفتگو اور روزمرہ واقعات کو نظم کرسکتی ہے۔

بھیڑیئے اور ہرنی کی کہانی

قال سمعت ان ذئبا ابصرا	ایک بھیڑیئے نے دیکھا کہ ایک ہرنی
غزالۃ ترضع خشفا احورا	اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی ہے۔
لکنها مریضۃ هزیلۃ	لیکن وہ مریض اور دبلی پتلی تھی اور
وساقها مکسورۃ علیلۃ	اُس کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔
قد مسها الضر فعاودت نضوا	فاقہ اور بھوک کی وجہ سے وہ اس قدر سوکھ
یحسبها الراؤون منها شاوا	گئی تھی کہ دیکھنے والونکو کانٹا معلوم ہوتی تھی

فقال ان اکلتها لم اشبع
ولیس لحمها لها بمنع

والرای ان اعلفها ایاما
فانها لا تجد الطعاما
لعلها تسمن ثم اعمد
ویومئذ لها ذاک ارشد

فجاء ها مسلما فقالا
والذئب لا یصادق الغزالا
الا لکید کامن ومکر
حین تصیر انفسه لا یسر

یا اخت ما حالک قالت مشر
وغرها والشهم لا یغتر

واظهر اللطف لها والرفقا
فقد رأته للشقاء حقا
وشکت الجوع الیه فبکی
واظهر الخشوع والتنسکا

بھیڑیئے نے اپنے دل مین کہا کہ اگر اس کو
مین ابھی کھا جاؤن تو اسمین اتنا گوشت نہین ہی کہ
میرا پیٹ بھرے اور میری طبیعت سیر ہو۔
بہتر یہ ہے کہ مین اس کو چند دن تک دانہ
چارا کھلاتا رہون کیونکہ اس کو کھانے کو کچھ نہین ملتا ہی
جب وہ موٹی تازی ہو گی تو اس وقت اسکو کھانے
کا ارادہ کرون اور یہ بات قرین صواب ہو گی
یہ سوچ کر اس کے پاس آیا اور سلام کیا
لیکن یہ جان رکھو کہ بھیڑیا ہرنی سے کبھی سچی
دوستی نہین کرے گا۔
اس کی دوستی کسی نہ کسی مخفی کید و مکر کی
وجہ سے ہو گی اور اس کی مظلومیت کسی
نہ کسی غرض پر مبنی ہو گی۔

بھن ایہ تمہارا کیا حال ہی؟ ہرنی نے جواب دیا
کہ کیا کہون بری طرح گزر رہی ہی بیوقوف
اس کی باتون مین آگئی۔ اگر عقلمند ہوتی تو
یون دھوکا نہ کھاتی۔

بھیڑیا اس سے رفق و مدارات کرنے لگا
کیونکہ وہ اس کو اپنے ڈھب کی دیکھ پایا تھا۔
ہرنی نے اس سے بھوک کی شکایت کی تو
رو دیا اور اپنے زہد و ورع کا اظہار کرنے لگا۔

ما العمر ما طابت به الدهور	العمر ما تم به السرور
ایام عزی و بقاء امری	هی التی احسبها من عمری
لو عشت مما تد قللن جدا	عدد ت ایام السرور عدا

اس مین وہ اپنے شکار کی مفصل کیفیت بیان کرتا ہے۔ اور ہر ایک واقعہ کی جزئیات کو کمال لطافت و خوبی سے نظم کرتا ہے۔ اس کا کچھ انتخاب ثعالبی نے تتمۃ الدہر مین کیا ہے۔ جس کو زیادہ تفصیل مدنظر ہو وہان دیکھ سکتا ہے۔

مثال ۳۔ محمد بن الحسن بن علی بن وکیع التنسی نے فصول اربعہ کی کیفیات مین ایک مثنوی تصنیف کی ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

یا سائلی عن طیب الدهور	وقعت فی ذاك علی خبیر

بہاء الدین عاملی نے عربی مین کئی مثنویان لکھی ہین اُن مین سے ہر ایک کے ایک ایک دو دو شعر نقل کئے جاتے ہین سوانح سفر حجاز مین وہ کہتے ہین۔

مثال ۴۔ یا ندیمی ضاع عمری و انقضی	قم لادراك زمان قد مضی
و اغسل الادناس عنی بالمدام	و املاء الا اقداح منها یا غلام

مثال ۵۔ ریاض الارواح مین علوم ظاہری کے نقایص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہین۔

علی کتب العلوم صرفت مالك	و فی تصحیحها اتعبت بالك
و انفقت البیاض مع السواد	علی ما لیس ینفع فی المعاد

مثال ۶۔ شہر ہرات کے اوصاف و محاسن مین ایک چھوٹی سی مثنوی کہی ہے جس کے دو ایک شعر یہ ہین۔

ان الهراة بلدة لطیفه	بدیعة شایقة شریفه
انیقة انیسة بدیعه	رشیقة آنسة منیعه
خندقها متصل بالماء	و سورها سام الی السماء

خدیو مصر نے جب یورپ کی سیاحت کی تھی تو ان کے سفرنامہ کو مصر کے ایک مشہور شاعر نے مثنوی کی طرز پر نظم کیا ہے۔ حال مین روس و جاپان کے درمیان جو جنگ ہوئی۔ اس پر مصر کے ایک اور شاعر نے نہایت عمدہ اور لطیف مثنوی کہی ہے ان کتابون کے اقتباس سے ہم مضمون کو طویل کرنا نہین چاہتے۔ اوپر جتنی مثالین پیش کی گئی ہین اُنھین کو عربی مثنوی کا وجود ثابت کرنے کے لئے کافی سمجھتے ہین۔

مولانا شبلی کی وسعت نظر سے ہمین یہ گمان ہرگز نہین ہوسکتا کہ مثنوی کی جو مثالین ہم نے اوپر درج کی ہین وہ اُن کی نظر سے نہ گذری ہون گی۔ اس لیئے مولانا کے اس قول کی تاویل کہ عربی مین مثنوی کا وجود مفقود ہے صرف یہی ہوسکتی ہے کہ عام طور پر مثنوی کا رواج عربی شاعری مین نہین ہوا اور اس بارہ مین ہم بھی مولانا کے ممدوح سے اتفاق کلی رکھتے ہین۔ فقط

حیدرآباد دکن — محمد عبدالباسط

غزل علامہ شبلی نعمانی

آن شوخ بسکہ پایہ حسنش بلند بود — ہر شیوہ اش بالائے دل دردمند بود
در شوق پاس گرمی نازش بجا نماند — با آنکہ کار با صنمے خود پسند بود
سنجیدہ ایم فتنۂ محشر بقامتش — یک نیزہ قد فتنہ طرازش بلند بود
ہر گز حدیث شوق بپایان نیامدہ است — یارب کدام جا سر این رشتہ بند بود
می بینم این کہ قیمت دل تا کجا کشد — پرسد زمن کہ نرخ متاع تو چند بود
تو یک نگاہ ناز زیان کردی و مرا — سرمایہ کہ بود دلی مستمند بود

شبلی زہجر اوست کہ فوق سخن نماند
شکر فشانیم ہمہ زان لوشکند بود

راسخ سرہندی کی چند غزلین

جنوری ۱۹۰۹ء کے دکن ریویو مین مین السلطنۃ سرکشن پرشاد کے سی آئی ای کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جو انھون نے مثنوی راسخ پر تحریر فرمایا ہے میری نظر سے گزرا جناب مین السلطنۃ نے جو اشعار راسخ کے نقل کئے ہین وہ غالباً تذکرہ شمع انجمن سے لئے گئے ہین۔ شیر خان نے مراۃ الخیال مین راسخ کی کئی مکمل غزلین اور کچھ اشعار درج کئے ہین ان کو ناظرین دکن ریویو کے مطالعہ کے لئے پیش کرتا ہون۔

(۱)

بر آہِ نا توانے باز آئینِ وفا بستی
ز بوے پیرہن مکتوب بر بالِ صبا بستی

بلاگردانِ ناز آوردہ ام مشتِ نیازے را
شہینون در گلستان طرح کردی تا عنا بستی

دلِ کاکل پرستانت بجمعیت نمی سازد
چرا اے شوخ دست شانہ بر چوبِ خبا بستی

دلِ وحدت شناس از ناخنِ بیداد نخراشد
ز خود لبہا بند کردی ساغر در راہِ صدا بستی

فدا شور آسنج شوریدہ سر در راہِ پیغمبر
نبی گویان ز خود برخیز اگر دل با خدا بستی

(۲)

زہے نگاہ تو آئینہ دار شوخیِ ناز
خیالِ لعلِ لبت آتش خمار گداز

بہار شعلۂ دیدار جوشد از کشتم
شگفتہ غنچۂ برقی از شکستِ رنگِ نیاز

بلند و پستِ جہان موجِ محیطِ فنا ست
صداے سیل شنو از لبِ نشیب و فراز

فروغ بادہ نہد دستِ رد بظلمتِ ہوش
ز جام رخنہ برافروختم شبستان را

بروز حشر ز یک جیب سر برون آرد
چراغ ہستیِ محمود و آستین ایاز

زدست رفت دل وصبر و طاقت رآسنخ
ز مطلعے کہ بفرمود حافظ رح شیراز

(۳)

اثر بنالۂ عاشق ز اضطراب خود است
چو برق جوہر تیغم ز پیچ و تاب خود است

سرم خوش است ز جام شراب تشنہ لبی
جبین بادیہ اصندل از شراب خود است

گداز از مے بیطاقتی بجانم کرد
چو ابر گردش این آسیا بآب خود است

بفیض عشق ز تردامنی نیندیشم
کہ آب آئینہ با خشک ز آفتاب خود است

بزنگ شعلۂ جوالہ ایم گرم فنا
طلسم ہستی ما پاسے در رکاب خود است

(۴)

ہجوم گریہ طوفان می کند ای بیخبر رحمے
شبیخون است و چشم غزال ای ولے اثر رحمے

کدامی فتنہ شد افسانہ خواب پای لطفت را
چو شبنم سوخت چشم انتظار ای نامہ بر رحمے

درین گلشن کہ چون برگ خزان تفسیدہ دل گشتم
تمنا تشنۂ لطف کریم است ای ثمر رحمے

ز بوی مرہم کافور داغم رنگ می بازد
چرا غم ناز پرورد است ای باد سحر رحمے

شریک سجدۂ عشق است رآسنخ ای کرم لطفے
سر کنعانیان فرش است اے نور بصر رحمے

(۵)

گلے بگفت کہ من جام باد نازم
ولے تپید کہ من نیم بسمل نازم

مے بجلوہ در آمد کہ عافیت سوزم
شکست شیشہ کہ قربان شوخی نازم

خروش ریختہ بر دل کہ نغمہ شوقم
بسینہ تاختہ ناخن کہ زخمہ سازم

ز پا فتاد تمنا کز آسمان دورم
تپید دست تاسف کہ بال پروازم

لہ یہاں "بے اثر" کی ترکیب کچھ زوال سی نظر آتی ہے۔ وحشت

نہان زغیر بناگاہ جلوہ فرما شد — فتاد جام مے از کف کہ چشم غمازم
فتاد گر دخزان شعلۂ بہار افروخت — زدامنے کہ برافشاند بال پروازم
رسید شور قیامت ز تربت فرہاد — چو سیل خوردہ بہر سنگ پائے آوازم
یکیست شعلۂ دیدار و گلشن آواز — بکار خانۂ لیلیٰ است پردہ سازم

چہ غم چہ سیل حوادث کہ خانہ برد و شمیم
زدام رستہ چو زاسخ کہ گرم پروازم

(۶)

خیال[۵۱] وحشی بردازدل من آرمید نہا — کہ داد آواز بار اسرمہ از گرد رمید نہا
صبا آئینۂ جوہر نما از تاب آہم شد — کہ دارد ریشہ ام از موج گل پای دوید نہا

کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ میر محمد زمان زاسخ اپنے ہمعصر مرزا بیدل اور ناصر علی کے رنگ مین کہتے تھے۔ متانت بیان شکوہ الفاظ دقت مضامین چستی بندش۔ یہ کئی صفتین شعرائے محمد شاہی مین خاص طور پر پائی جاتی ہین۔ اس مین شک نہین کہ اس رنگ کے بادشاہ میرزا بیدل تھے۔ لیکن راسخ کو کچھ کم کامیابی نہین ہوئی۔ یہ انداز بیان اسی دور اور اسی سرزمین کے ساتھ مخصوص ہے گو ایران مین میرزا جلال اسیر اور محمد اسحاق شوکت کا رنگ کسی قدر اس رنگ سے مشابہ نظر آتا ہے۔

کلکتہ
۴ فروری ۱۹۰۹ء

رضا علی وحشت

---

[۵۱] اس زمین مین مولانا غنیمت کا مطلع ہے۔ ؎ نہ گرد قطع سر گرد منزل عشق از دوید نہا
کہ می بالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا۔ وحشت

کلیات اکبر

ہمارے وہ ناظرین جو خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب کے کلام معجز نظام سے وقتاً فوقتاً بہرہ اندوز ہوتے رہے ہیں یہ خبر سن کر نہایت خوش ہوں گے کہ مولانائے ممدوح کا پورا کلام آپ کے فرزند ارجمند سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر سیتاپور کے خاص اہتمام سے چھپ کر شایع ہونے کے قریب ہے۔ عام طور سے مولانا کا کلام بلحاظ اُس ستم ظریفی کے جو اس کا انداز خاص ہے خوان شاعری کا نمکدان سمجھا جاتا ہے لیکن ایک بڑا حصہ مولانا کے قدیم کلام کا ایسا بھی ہے جس میں تغزل کا استادانہ رنگ پایا جاتا ہے اور جس کی شیرینی اور گھلاوٹ ایسی ہے کہ مذاق سلیم اس کا لذت آشنا ہو کر اپنے ہونٹ چوستا ہے۔ جس کلیات کی اشاعت کی نوید ہم اپنے ناظرین کو سنا رہے ہیں اُس میں قدامت و جدت ظرافت و ثقاہت اور ملاحت و حلاوت کی گوناگون شانیں پہلو بہ پہلو نظر آئیں گی۔ افسوس ہے کہ مولانا نے اس کلیات کے صرف پانچ سو نسخے چھپوائے ہیں جو اُس ہر دلعزیزی سے جو اُن کے کلام کو حاصل ہے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اگر ہمارے ناظرین چاہتے ہیں کہ اس نعمت عظمیٰ سے جس کا ہدیہ صرف ۵ رکھا گیا ہے محروم نہ رہیں تو بلا تاخیر مولوی سید عشرت حسین صاحب کی خدمت میں یا دفتر دکن ریویو میں درخواست بھیج دیں ورنہ دوسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا جو معلوم نہیں کب نکلے۔

کتاب نسوان مستورات کے لئے دستور العمل اور ہر مذہب کی شریعت عورتوں کے پڑھنے کے قابل۔ نہایت مفید کتاب جس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ حجم تقریباً ۴۰۰ صفحے۔ قیمت [illegible] منیجر دکن ریویو

غزل

از نواب عزیز یار جنگ بہادر ناظم عطیات دوم تعلقہ دار ضلع اطراف بلدہ

پرسش کے ساتھ حشر مین دیدار ہوگیا — داخل ثواب مین یہ گنہگار ہوگیا
بیٹھے بٹھائے عشق کا آزار ہوگیا — مین تجھ پہ آنکھ ڈال کے بیمار ہوگیا
وہ تو جھلک دکھا کے اُدھر کو سرک گئے — اک حشر اور بہر بپا پس دیوار ہوگیا
جی بھر کے خواب مین بھی نہ دیکھا ترا جمال — ایسی خوشی ہوئی کہ مین بیدار ہوگیا
ابرو مین ان کی بل بھی عجب ڈھنگ سے پڑا — خنجر کبھی ہنسا کبھی تلوار ہوگیا
تیری دبی زبان سے نیچی نگاہ سے — بوسہ کا وعدہ اور مزیدار ہوگیا
آنکھون سے وہ دلون پہ گراتی ہین بجلیان — تار نگاہ بھی خبر تار ہوگیا
تم جانتے نہین مری دل کی شرارتین — تم سے ہی سیکھ سیکھ کے عیار ہوگیا
دل بھی تو مجھ سے کرنے لگا بے وفائیان — لو یہ بھی آپ ہی کا طرف دار ہوگیا

رو کو چلا عزیز کا دل ہاتھ سے چلا
اک دوسرا حسین خریدار ہوگیا

خوشی کی بات ہے کہ رسالہ ادیب کا طوفان نمبر جس کا نہایت شوق سے انتظار کیا جارہا تھا بڑے آب و تاب کے ساتھ شایع ہوگیا ہے جس مین طغیانی رود موسیٰ کی جگر خراش واقعات اور اس کی متعلق و لگداز نظمین نہایت خوش اسلوبی و قابلیت کے ساتھ لکھی گئی ہین رقبہ سیلاب زدہ کا صحیح نقشہ جو خاص اہتمام سے تیار ہوا ہے شروع مین دیا گیا ہے اور تین عکسی تصاویر اس کی زینت کو دوبالا کر رہے ہین ہم مولوی سید خورشید علی صاحب کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین۔ جو انھین اس خاص نمبر کی ترتیب و تدوین مین حاصل ہوئی ہے۔ قیمت ۸ر۔ ملنے کا پتہ ۔ گوشہ محل عقب ڈاکٹر خانہ فوج۔ حیدر آباد دکن۔

گوشوارہ اخراجات سنٹرل فلڈ ریلیف فنڈ حیدرآباد دکن

من ابتدائے ۳۰ بہمن ۱۳۱۸ف الغایت ۱۱ فروری ۱۳۱۸ف

ابواب	تعداد نفوس	رقم
امداد شادی	۳۸۷ نفوس	
" تجار و اہل حرفہ و آلات البیت	۱۷۳۷ خاندان	
" کتب	۳۷۰ طلبہ	
" تعمیر مکانات	۲۱۵۲ مکان	
وظایف ہنگامی	۲۲۰ خاندان	
وظایف دائمی	۲۴ نفوس	
وظایف تعلیمی	۱۲ طلبہ	
امداد جو بذریعہ مسٹر محمد یحییٰ میر اسسٹنٹ دی گئی حسب منظوری اگزیکیوٹو کمیٹی	×	۱۶
جملہ	×	
اخراجات طبع بذریعہ مجرد یک پریسیڈنٹ اگزیکیوٹو کمیٹی	×	۱۳/۸۴
اخراجات صاد و طبع کاغذات دفتر سکرٹری اگزیکیوٹو کمیٹی منظورہ کمیٹی	×	۹/۸۱۰
اخراجات دفتر سکرٹری سب کمیٹی فراہمی چندہ	×	۱۳
اخراجات طبع روداد جلسۂ باغ عامہ	×	۱۰/۸۴
میزان اخراجات متفرق	×	۱۴/۸۶
صدر میزان	×	

دستخط محمد عزیز مرزا
سکرٹری سنٹرل فلڈ ریلیف فنڈ

مولانا شبلی کی تصانیف

الفاروق - قیمت سے

الغزالی - درجۂ اول (۶)

درجۂ دوم عہ

موازنہ انیس و دبیر - سے عہ

الکلام حصہ دوم چھپا ہوا نامی کلیر سے

مولوی ظفر علیخاں کی تصانیف

خیابان فارس - سفرنامہ لارڈ کرزن کا ترجمہ قیمت قسم اول مجلد ۵ قسم دوم مجلد ۵

جنگ روس و جاپان - روس و جاپان کی لڑائی اب اس جنگ سے تمام امن و صلح تک کے واقعات جرائد کی فائل سے لکھے گئے ہیں قیمت قسم اول مجلد ۴ قسم دوم غیر مجلد عہ ۸ -

ظفر نامہ - المعروف بہ شور محشر یہ نظم حیدرآباد کے ایک عظیم الشان جلسہ میں جو مصیبت زدوں کی امداد کے لئے باغ عامہ کے دربار ہال میں بھرا تھا پڑھی گئی ہے ضخامت ۳۶ صفحے فرد قیمت ۴ اسکی قیمت نقد میں منگا جاتی ہے -

مولوی مفتی امیر احمد صاحب مینائی کی تصانیف

مصنفۂ عشق - یہ عاشقانہ دیوان تریف سے مستغنی ہے قیمت مجلد ۶ ۹

محامد خاتم النبیین و مدیحۂ یاران آتش - خلیفہ دیوان مقبول بیدار شریف ہے جو تلمین غیر مطبوعہ ہیں وہ شریک کردی قیمت عہ ۴

سہ نظم امیری - آخری تصنیف ہے اور وہ قصیدہ ہے جناب فخر و جناب قتیل کی تصنیف سے ہیں قیمت ۴

نماز کے اسرار - یہ بھی امیر مینائی کی تالیف ہے نماز کی ترجمہ ہے قیمت ۴

زاد الامیر - ہر قسم اور ہر ضرورت کی ۱۲ دعائیں اجابت صحیحہ سے امیر مینائی مرحوم نے چن چن کر جمع فرمائیں قیمت ۸

تذکیر و تانیث - جناب قتیل جانشین امیر مینائی کی تالیف جو لکھنؤ اور دہلی کی زبان کا علامتی فیصلہ ہے اس میں ۷ ہزار الفاظ کی تذکیر و تانیث استحکام کے ساتھ بتائی گئی ہے - اور کتاب (۳۸۰) صفحہ پر تمام ہوئی ہے قیمت ۶ علاوہ محصول

امیر اللغات - جس میں تمام عربی ترکی اور فارسی لغات مضمون آجاتے ہیں - قیمت ۶

چنچل نار - یہ وہ ناول ہے جو دکن سے زبان کے ساتھ ہیں ڈھاکہ کا بھلا قیمت مجلد عہ

ضلع جگت - تلامذہ الفاظ کیساتھ فقرات و محاورات برجستہ لکھے گئے ہیں - قیمت - عہ

دربار اکبری - مصنفہ مولوی محمد حسین آزاد - قیمت سے ۴

گلشن ہند - شعرائے اردو کا مشہور تذکرہ مرزا علی لطف نے ۱۸۰۱ء میں بان گل گرسٹ کی فرمائش سے اردو زبان میں تصنیف کیا تھا - (صفحہ ۳۴۵) قیمت عہ

آثار الصنادید - سرسید کی مشہور تاریخ دہلی کا اعلیٰ اڈیشن مطبع عمدی لاہور میں چھپی ہے قیمت ۴

سفرنامۂ ٹرکی - ۳۰۰ صفحہ قیمت عہ

نظام اکبری - اردو ترجمہ انیسویں صدی [illegible] قیمت [illegible] ۴

حیات جاوید - مولانا حالی کی مشہور کتاب چھاپہ مطبع ذکی کا چھپا قیمت ۴

مخزن الغوانی - یہ کتاب مطبع کیلئے چھاپہ مطبع توانی الف سے یا تک اس میں درج ہیں قیمت عہ

مثنوی مولانا روم - قیمت عہ

مثنوی راسخ سرہندی - فارسی کی نایاب مثنوی ہے جو منقاتھی فی الحال طبع ہوئی ہے قیمت ۸

زرتشت نامہ - پارسی کے مشہور پیغمبر زرتشت کی سوانح عمری اور انکا فلسفہ مذہب - صفحہ (۲۰۰) قیمت عہ ۴

تاریخ دکن - سید شہور تاریخ سید علی صاحب باگرامی کی ہدایت سے تصنیف ہوئی ہے ضخامت سو جز چھاپ مطبع عامہ آگرہ میں چھپی ہے قیمت عہ

نقشہ طغیانی

ہمارے مطبع سے طلب کیا جا سکتا ہے - قیمت ۱

قیامت صغریٰ

اس میں ابتدائے طوفانی کے حالات سے صفحہ تک درج ہیں ضخامت ۳۰ صفحہ قیمت ۲

تمام درخواستیں سید وقار علی منیجر مطبع اختر دکن گنگٹہ گوشہ محل حیدرآباد دکن کے نام آنی چاہئیں

(اس اشتہار سے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات براہ مہربانی
(خط وکتابت ہندی وانگریزی زبان مین کرین)

مرض دور ہو۔ ناامیدی معذور ہو۔ اور نسلا بعد نسل نسخ)

اشٹنگ نگرہ گولیان

مردمی کے قوتون کے غیر موقع استعمال کے باعث مباشرت کی کثرت کے سبب جو مخفی امراض پیدا ہوتے ہین ان کو اچھا کرنے کے لئے یہ اشٹنگ نگرہ گولیان تمام دیگر علاجون کی بہ نسبت بے خوف اور اعلی قسم کی دوائی ہے۔ عارضۂ کثرت احتلام۔ اور پیشاب کرنے کے وقت اور رمدی وودی کی بیماری ان گولیون سے بالکل موقوف ہوجاتی ہے۔

جسم وجان کی قوتون کو تازہ اور طاقتور بنانے اور تولید منی کرنے کے باب مین ان اشٹنگ نگرہ گولیون کا مقابلہ کوئی نہین کرسکتا۔ اسی طرح کمزوری اور نامردی کے بارہ مین یہ گولیان جادوئی اثر رکھتی ہین۔

اشٹنگ نگرہ گولیان زائل شدہ قوت ہاضمہ کو پھیر لاتی ہین اور اچھی طرح سے اشتہا پیدا کرتی ہین۔ اصلاح خون کرتی ہین اور فربہ شباب حاصل ہوتا ہے۔ پیشاب۔ جریان اور بول الدم کے عارضون کے لئے صحت بخش ہے اور زندگی کی طاقتون کو کامل طور سے معاون ہین۔

۳۲ گولیون کی ڈبیہ کی قیمت ایک روپیہ

دو مرتبہ غذا کھانے کے بعد دودھ کے ہمراہ ایک گولی کھاؤ اگر دودھ بہم نہ پہونچ سکے یا دودھ کھانے سے بے رغبتی ہو تو پانی کے ہمراہ کھاسکتے ہین۔

وید شاستری منی شنکر گوبندجی اشٹنگ نگرہ ادشد ہالیہ

(دواخانہ) جامنگر (کاٹھیاواڑ)

فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی (دواسیاں) ڈیرائٹ ملک امریکہ مشہور عالم ادویہ

اسٹرنس کارڈیل آف کاڈلور آئل اکسٹراکٹ

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر معہ کشتۂ فولاد۔ پاکیزہ۔ بلا بو۔ اور بلا مالش۔ مرکب کھانسی اور کمزوری کا بہتر علاج عہ ۱۲ر و عا ۱۲ر

اسٹرنس ہیڈیک کیور

ہر قسم کے درد سر کے واسطے بلا ضرر۔ زود اثر۔ اور یقینی فائدہ رسان دوا۔ نقلی مت خریدو۔ صرف اسٹرنس کی اصلی ہے ۱۲ قرص ۱۲ر

اسٹرنس میٹھیلائیڈس

کیسی ہی شانے کی بیماری ہو اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہے بہترین دوا ہمیشہ کامیاب ۴۰ گولیوں کی شیشی (عا)

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب۔ دافع سستی و کاہلی۔ و نکان۔ صرف تازہ اور بغیر خشک کی ہوئی گری سے تیار کیا جاتا ہے۔ خوشبودار خوشگوار ہ خوراک (سے)

اسٹرنس پیرامیس

غذا ہضم کرنے کے لئے بہترین دوا نہایت سستی زود اثر۔ اور کامل طور سے آلات ہضم کو درست کرتی ہے۔ عا فی شیشی

رسالہ رفیق رمضان جسمیں ان اور دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی ڈیرائٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہیں ناٹلنس ایڈورٹائزنگ ایجنسی کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو۔

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیا کے دوکاندار فروخت کرتے ہیں

عرق ماء اللحم انوری و دوا آتشہ

اور مرگب مفاجات روحانی حالات

عالم ربانی ان
ت قسم کے امراض اور ہزارہا بواعث و
ب و تبدہ سے دلسطہ ظاہر رسلط کئے ہوئے ہیں اس
ہی ایسے ایسے دارو سے شفا بھی بخشا ہے۔ اگر چھوٹے ہیں
ن کا وجود فرشتگان رحمت سے بھی کسی طرح کم
اللہ سردار عالم کی۔ اگر کوئی شخص جس قلبی
ہے غافل و بے خبر ہے یا ہر وقت بیماری اور جہالت
ہو تو فی ہوگی اور رحمت الٰہی تو اپنی عاجز خلائق
میں ہر وقت جاری ہے۔ مگر تجلی خود نمونہ
ہیں اور بندوں کی کچھ نصیحت و عبرت کے
ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری ہی غفلت ہے
ن کچھ نقصان اور توجہ نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ
ہے کہ آئے دن ہم خود بخود ہلاکت میں گرفتار ہوتے
ہیں۔ اور ہمارے اعزا و احباب ناگہانی دکھوں کے گرفتار ہوتے ہیں

نہ قاعدہ کہ نہ صبا نہ مرغ نامہ بر
کہ نزد یار رساند ز سوے ما خبرے

کیا کیا آفتیں ہیں۔ بعضوں اور حصتیں ہو جاتی ہیں کہ ایک
جاتا ہے کسی وجہ سے۔ بوقت مرگ ظاہر شکرتے اور
وصیت کرتے کے ملک الموت ان کو کشاں کشاں
لے جا رہے ہیں۔ ایسی موت سے بچنے کے لیے یہ ایک
ہے جو دوا زمودہ ہم بتلاتے ہیں:۔

دوران خون

واضح ہو کہ دوران خون اگر
ایک منٹ بھی بند ہو تو
فوراً قلب کی حرکت بند
ہو جاتی ہے۔ اور اسی کا نام موت ہے۔ سو جہاں تک ہو سکے
اور جس طرح ہو سکے دوران خون اور حرکت قلب کا
نظام ہر وقت مد نظر رکھنا چاہئے اور وہ اس طرح سے
ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیشہ ایسی اشیاء کا قاعدہ استعمال جاری
رکھیں جن سے بالخصوص دوران خون و حرکت قلب کا
نظام ہر وقت درست طور پر جاری رہے۔ اس مدعا
کے واسطے خاصکر ہمارے شفاخانہ کا تیار کردہ

عرق ماء اللحم انوری دوا آتشہ حکیم اکبر

ناشیر برقی رکھتا ہے۔ کیونکہ ہر حالت اور ہر موقعہ پر
عرق اعضائے رئیسہ کے افعال کو باقاعدہ
کرنے میں اعجاز کا کام دیتا ہے۔ تمام امراض کے جسم میں
دخل ہونے کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اول درجہ کا

قوی مصفی خون ہے۔

ہر قسم کے خون کے بگاڑ کو
نظافت و نابود کرکے بجائے اس کے تازہ و صالح و
خوشحال پیدا کر دیتا ہے اور ردی خون کو مطلق صاف
کرکے بنا دیتا ہے۔ اسی سے آنکھوں میں نور اور
دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ شراب کا بد رد اور
تمام السمیں ہے۔ ہر قسم و غیرہ جملہ عوارضات کو ہر وقت

دوران خون اور حرکت قلبی کو

ہمیشہ اور ہر وقت بالکل باقاعدہ رکھتا ہے۔ اور
اس کے پیے اگلے کو خدا نخواستہ کبھی مرگ ناگہانی یا
مرگ مفاجات کا سامنا نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ
وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ یہ عرق حلق سے نیچے اترتے ہی دوران
خون بخوبی کرتا ہے۔ وہی خون جس کو اطباء روح کہتے
ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک مدار قوت روح حیوانی کون
چیز ہی نہیں۔ بلکہ وہ محض خون ہی کو روح کہتے ہیں
اور اسکی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جان نکلتے ہی سارے
بدن میں خون کی بوند تک باقی نہیں رہتی بہرحال
اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ:۔

یہ یا اللہ دوران خون اور خون صالح

پیدا کرنے میں نہایت ہی ضروری اور مفید
چیز ہے۔ چونکہ ہم میں سر سر خون ہی خون پیدا کرتا ہے
جو چیز خون پیدا کرنے والی ہو وہ ہمارا جزو بدن بنتی ہے
اور یوں تو ہر روز دنیا میں کیا کیا نہیں کھاتے اور پیتے۔ مگر وہ جزو بدن نہیں ہو
تو کچھ فائدہ۔ علماء طب فرماتے ہیں کہ اس امر پر مشتمل ہیں
کہ ایسی دوا یا غذا جزو بدن نہ ہو۔ بلکہ صرف اعضاء
میں صرف ایک قسم کی حرکت پیدا کرکے رہ جاوے۔
وہ اشیاء ہے کہ اناً فاناً فنا ہیں اس کا اثر زائل
ہو کر پھر کچھ باقی نہیں رہتا + جیسا کہ شراب اور
تمام سفوف وغیرہ +

پس جو صاحب چاہیں وہ عرق اکسیر الفوراس ۱۱ انوری
دوا آتشہ کو بنظر حفظ ما تقدم طلب فرما کر استعمال کریں
اور پھر روحانی حالات بچشم خود ملاحظہ فرمادیں +

قیمت

فیصد تل روپیہ (۱۰۰)۔ تین بوتل (۳)
چھ بوتل (۶)۔ درجن بوتل (۱۲)

نوٹ: یہ عرق نجات میں یہ ماء اللحم تین بوتل سے کم دوا نہ
نہ ہوگا۔ یہ عرق ترکیب استعمال ہمراہ روانہ ہوگا۔ بذریعہ
ریل محفوظ ہیں بمصول کمپنی۔ صحت یافتہ حضرات
سے ہزاروں سرٹیفکیٹ دیکھنا چاہو تو کتاب منگوا لو +

دو علاجیں

اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب دوا ہیں
موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعضاء
(۲) حافظہ نما دوا (۳) طلاء
ثبت (۴) دوا سوزاک نمبر ۱ (۵) سوزاک
(۶) حب دافع اشکال نمبر ۱ (۷) حب دافع بواسیر علاج
(۸) حب دافع جریان و احتلام (۹) حب دافع
(۱۰) جوہر مصفی خون (۱۱) معجون کمالی
تین روپیہ خورد (۱۲)۔ (۱۳) سنون مسکن درد دندان (۱۴)

پتہ: مینجر شفاخانہ حاج الحرمین حکیم و ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکما لاہور

لاکھ روپیہ کی جان کیواسطے

صرف چار آنے خرچ بات ہی کیا ہے

دیکھو گرمی کا ایام آیا اور ساتھ ہی جگہ بہ جگہ ہیضہ ہونا ممکن ہے اس لیئے وقت پڑے کیون نہین ایک شیشی ورق کافور گھر مین ڈال رکھئے یہ ڈکٹری

اصلی عرق کافور

۲۳ برس سے ہندوستان مین لاکھون بار آزمایا ہیضے کا اکسیر علاج ہے سنہ ۱۹۰۹ع مین جب احاطہ بمبئی مین قحط اور ہیضہ پھیلا تھا تب اسی عرق کافور سے ہزارون اشخاص کی جان بچی تھی۔ اور تین مہینے مین ایک لاکھ شیشیان فروخت ہوئی تھین۔ سینکڑون نہین بلکہ ہزارون سارٹیفکٹ اس کے موجود ہین منگا کر دل بھ بیجئے۔ نقلی عرق سے ہشیار۔ قیمت فی شیشی ۱۴ ڈاک محصول ایک سے ۴ شیشی تک ۵

امتحاناً بلا قیمت دیا جاتا ہے

خط و آزمایئے اگر آپ بلا قیمت اس عرق کافور کو آزمانا چاہین تو صرف محصول ڈاک کے لئے دو پیسہ کا ٹکٹ پیڈ لفافہ مین بھیجئے۔ اور اسی خط مین دس خواندہ اور رئیسون کے نام و پتہ صاف طور پر لکھ بھیجئے۔ پتہ لکھنے مین مقام ڈاکخانہ ضلع لکھنے گا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۹ و ۱۰ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

طفر علیخان بی اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — حیدرآباد دکن — جلد سوم

قسم اول

نمبر ۵ - ۶ — سنہ ۱۹۰۹ء — مارچ و اپریل

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول ۱۲ قسم دوم ۱۰ عا سکا انگریزی

فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی (دواسازاں) پیرایلکٹ امریکہ) مشہور عالم دوا

اسٹرنس کارڈیل آف کاڈلور آئل اکسٹراکٹ

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر معہ کشتۂ فولاد پاکیزہ۔ بلابو۔ اور بلا مالش۔ مرکب کھانسی اور کمزوری کا بہتر علاج۔ عہ ۱۲ر وعا ۱۲ر

اسٹرنس ہیڈیک کیور

ہر قسم کے درد سر کے واسطے بلا ضرر۔ زود اثر۔ اور یقینی فائدہ رسان دوا نقلی مت خریدو۔ صرف اسٹرنس کی اصلی ہے ۱۲ قرص ۱۲ر

اسٹرنس ملٹ ڈیلانڈر

کیسی ہی مثانے کی بیماری ہو اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہے۔ بہترین دوا ہمیشہ کامیاب ۴۰ گولیوں کی شیشی (عا)

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب۔ دافع ستی و کاہلی و تکان صرف تازہ اور بغیر خشک کی ہوئی گری سے تیار کیا جاتا ہے۔ خوشبودار خوشگوار پانچ خوراک (۴ے)

اسٹرنس نیر امیس

غذا ہضم کرنے کے لئے بہترین دوا نہایت سنسنی زود اثر۔ اور کامل طور سے آلات ہضم کو درست کرتی ہے۔ عا فی شیشی

رسالہ رفیق مریضان جس میں ان اور دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی ڈیرایٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہیں نامفس ایڈورٹائیزنگ ایجنسی کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو۔

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیاء کے دوکاندار فروخت کرتے ہیں

کلیہ جامعہ عثمانیہ

دکن ریویو

سلسلہ جدید

جلد سوم | مارچ و اپریل سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۶۵

فہرست مضامین

التماس

تصویر کے انتظار میں پرچہ پندرہ دن سے رکا ہوا ہے۔ اگرچہ تصویر کا پروف آچکا ہے لیکن پارسل ابھی تک وصول نہیں ہوا اور نہ معلوم ابھی تین دن میں آتا ہے یا چار دن میں۔ ادھر ہمارے ناظرین پرچہ کے لیئے چین ہو رہے ہیں اس لیئے مجبوراً پرچہ بلا تصویر شائع کیا جاتا ہے۔ تصویر اگلے مہینے ہدیہ ناظرین ہوگی۔

منیجر

علاء سبعہ (۱)	مولوی سید سید رصاحب طباطبائی حیدرآباد دکن	۳۰
غزل	مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی حیدرآباد دکن	۴۲
بیکاری کے چند گھنٹے (۲)	مولوی جواد علی خان صاحب عالی حیدرآباد دکن	۴۳

ایڈیٹوریل

پچھلے مہینے ہم مخزن کے "خانہ برانداز چمن" نامہ نگار میر ناصر نواب صاحب فراق دہلوی کی خوش مذاقی کی داد دیتے وقت اپنے دل میں کہتے جاتے تھے کہ جب مخزن جیسا صلح کل پرچہ بیچارے اورنگ زیب پر قتل انسان مستلزم سزا بلکہ قتل عمد کا سنگین اور ڈراؤنا الزام لگا کر شمس العلما شبلی نعمانی کی اس مسلسل خالص اور بے ریا محنت پر پانی پھیرنے کی کوشش کرتا ہے جو الندوہ کے کئی نمبروں میں اورنگ زیب کی برأت پر صرف کی گئی تھی تو ان جنگجو پرچوں کا تو کیا ٹھکانا ہے جو اورنگ زیب کے ساتھ خاص طور پر للہی بغض رکھتے ہیں آخر وہی ہوا زمانہ کے فروری کے پرچہ کے ساتھ جو تصویر شائع ہوئی ہے وہ ہمارے اس خدشہ کا پورا مرقع ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس تصویر کو دیکھ کر ان مسلمان ناظرین و نامہ نگاران زمانہ کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ مگر اپنی ذہم کہتے ہیں کہ ہمیں بحیثیت مسلمان ہونے کے ایڈیٹر صاحب زمانہ سے اس تصویر کے انتخاب کے متعلق سخت شکایت ہے۔

اس تصویر میں دارالسلطنت سے دور کیمپ میں دربار کا ایک سین دکھایا گیا ہے جس میں امرا و ارکان دولت بے ترتیبی کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہر ایک کے کاندھے پر ایک بندوق ہے۔ صدر میں ایک کرسی پر خاندان مغلیہ کا چھٹا تاجدار بیٹھا ہے اور اس کے سامنے ایک شخص دشت میں ایک کٹا ہوا سر پیش کر رہا ہے۔ تصویر کے نیچے لکھا ہے "دارا کا سر اورنگ زیب کے سامنے لایا جاتا ہے"۔

یہ ہے وہ مرقع جو زمانہ کے فروری نمبر نے اپنے ناظرین کو ہدیہ دیا۔ اس لیٹ فارم

کی استرکاری کی ہے جس پر الہ آباد یونیورسٹی کے قابل گریجویٹ اور پولیٹیکل گلشن کے نونہال منشی دیانرائن نگم بی۔ اے ہندو مسلمانون کو پہلو بہ پہلو اور دست بدست کھڑا ہوا دیکھنا چاہتے ہین۔

ہم اس واقعہ کے متعلق بحث نہین کرنا چاہتے کہ آیا واقعی اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا یا نہین۔ بلکہ صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتے ہین کہ اس تصویر مین فنون لطیفہ یا علم تاریخ یا فن ادب کا ایسا کونسا ہزارواں مرکوز تھا جس کے انکشاف سے ہمارے زمانہ شناس دوست نے جو ڈھائی برس پہلے اکبر نمبر نکال کر بروادا کی بڈیون پر امرت جل چھڑک چکے تھے پڑپوتے کی سفاکی کا یون خاکہ اڑایا کہ موجودہ مسلمانون کی معلومات مین اضافہ کیا جائے کہ اورنگ زیب قاتل ہے رحم سفاک چور ڈاکو متعصب یا بت شکن رضا انگریزی تاریخون کی بدولت اسکول کا ہر ہندو طالب العلم اور ہندوستان کے فاضل مقررون اور ادیبون کی تحریر و تقریر اور مضمون نگارون اور ایڈیٹرون کے مضامین کی عنایت سے بھارت ماتا کا ہر سپوت جانتا ہے اور ضرورت سے زیادہ جانتا ہے ہمارے خیال مین اب اس واقعیت مین کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ اورنگ زیب کو مرے ہوئے آج ستاسی برس ہوئے تو دوستون کی تحسین اور دشمنون کی نفرین کی رسائی سے بہت پرے ہے۔ ہان اس کی قبر کا نشان ابھی تک خلد آباد کے قبرستان مین باقی ہے اگر زمانہ کے فاضل ایڈیٹر کے خیال مین اورنگ زیب کو اپنے افعال کی کافی سزا نہین مل چکی ہے تو ہمارے گراں قدر ہے کہ اس کی قبر بھی مسمار کرادین۔ اور زمانہ کے مسلمان ناظرین سے چندہ کرکے اورنگ زیب کے کشتون کی یادگارین اہرام مصر سے بھی اونچے اونچے مینار قایم کرائین۔

غالباً مخزن کے معزز ایڈیٹر صاحب اب سمجھین گے کہ البادی اظلم بن کر اور

فراق صاحب کا مضمون چھاپ کر اُنھون نے کیون کر اُس فتنہ کو جگا دیا جس کا سویا رہنا ہی ہندوستان کی دو بڑی قومون کے حق مین اچھا تھا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مخزن مین سلیمان شکوہ کے قتل کا سین دکھا کر بیٹے کا رونا نہ رویا گیا ہوتا تاکہ آج زمانہ کو باوا کا سر پیش کرنے کا موقع نہ ملتا۔

اس غرض سے کہ ہم پر اخفائے واقعات کا الزام نہ لگایا جائے ہم اُس تصویر کی اصلیت بھی بتائے دیتے ہین یہ تصویر بظاہر تو ایک ہندو انگریزی پرچے "انڈین ورلڈ" سے لی گئی ہے مگر دراصل منوچی کی کتاب "اسٹوریا ڈو موگور" کی جلد دوم کا سرورق ہے اور منوچی جس درجہ کا اکذب الکاذبین اور راس المتعصبین ہے اُس کا حال وہ حضرات جانتے ہونگے جنھون نے کتاب پڑھی ہے۔

مخالفت سے تو خدا بچائے ہم تو چاہتے ہین کہ جہان تک ہو سکے اپنے معاصرین سے اختلاف بھی نہ کرین مگر اس کو کیا کرین کہ کبھی کبھی ایسے مواقع پیش آ ہی جاتے ہین۔ اگر ہمارے کرم فرما معاصرین اپنے یا اپنے نامہ نگارون کے مضامین کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال اچھی طرح کر لیا کرین کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے تو خدا جانتا ہے کہ اُن کی شان مین تعریفی قصاید پڑھنے کے سوا ہم کبھی کچھ نہ لکھین مگر افسوس ہے کہ ایڈیٹر صاحبان رسالہ جات و اخبارات دانستہ یا نادانستہ ایسے مضامین شایع کرتے ہین جن کے متعلق شکایت کا موقع نکل ہی آتا ہے۔

مثلاً زمانہ کے اسی پرچہ مین جس مین وہ نقش ارژنگ شایع ہوا ہے جسکا ہم اوپر ذکر کر آئے ہین جناب آفاق لکھنوی کا ایک مضمون تحفظ عصمت کے عنوان سے نکلا ہے۔ اس مضمون مین بھوپال کے خاندان شاہی کے مورث اعلی کا گونڈ کی رانی سے برسر پیکار ہونے اور اُسکے بعد صلح کرنے اور آخر کار اُسکے ہاتھون زہریلے رنگ

مین ڈوبی پوشاک پہن کر مارے جانے کا واقعہ قلم بند کیا گیا ہے۔ اصلیت کچھ ہی کیون نہ ہو لیکن جناب افق ہمین معاف کرین اگر ہم یہ کہین کہ اس قدر پختہ مغز اور کہنہ مشق ناظم و ناثر ہونے کے باوجود یہ مضمون اونہون نے ایسے بھدے اور بھونڈے طریقہ سے لکھا ہے کہ معمولی نومشق مضمون نگار بھی نہ لکھے گا۔

افق صاحب فرماتے ہین کہ "خان صاحب (بھوپال کے خاندان شاہی کے مورث) کی ہوائے نفسانی نے آخر گونڈ کی رانی کو تاک لیا۔ زعم حکمرانی نے فوج کشی کی ٹھہرادی .... لڑائی چھڑی .... رانی قلعہ بند تھی .. ... محاصرین کثیر التعداد تھے .... محصورین کو دم لینے نہ دیا۔ .... رانی دلاچنانہ تھی اُس کی تیغ شجاعت مین مہاکالی کی تلوار کا جوہر تھا .... قلعہ سے نکل پڑی .... حملہ آورون نے ناکون چنے چبائے .... محاصرین کے دانت کھٹے کئے داد شجاعت دی اور آخر کار ندی سے اُتر فی ہی کو تھی کہ حریف سر پر آ پہونچے .... آگے دریا مسدراہ تھا عقب مین ملک الموت کا جامہ پہنے ہوئے دشمن .... خان شجاعت نشان پر رانی کی دلاوری نقش ہوئی ... اور تلوار میان مین رکھ لی .... پیام دیا کہ جنگ موقوف خونریزی بے فایدہ صلح بہتر میل ملاپ اچھا رانی بھی حالت بیم وامید مین تھی .... طوالت جنگ سے دل بھی اکتا چکا تھا۔ لہذا اُس نے بھی تلوار چوم کر ہاتھ سے رکھدی اور منظوری صلح کی تقریب مین خوشی کے نقارے بجوائے .... ایک پیامبر زمین بوس ہوا اور یون خان صاحب کا پیام سُنایا۔ موقوفی جنگ کا شکریہ صلح و آشتی کی مبارکباد۔ رشتہ اتحاد کا استحکام لازمی مراسم ربط وضبط کا نباہ فرض عین .... یہین تکلیف کیجیے۔ ع

دو دل یک شود بشکند کوہ را

کسی کو مجال نہین کہ اس اتفاق کی مضبوط رسّی کو توڑ سکے ۔ ۔ ۔ ۔ رانی نے لفظ لفظ گوش ہوش سے سُنا شعبدہ انگیزی حسن کا لونن مین کہتی جاتی تھی کہ مطلب سعدی دیگر است ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رانی کے لب گلرنگ پر مہر خاموشی نے بھی دیدیا تو نون کو توام بنا دیا ۔ اُس کے غنچہ دہن کی قدرتی مسکراہٹ سے عالم سکوت مین بھی گویائی کی ایک ادائے دلنواز پیدا تھی ۔ ۔ ۔ ۔ بلبل خوش نوا و عندلیب شیرین صدا شاخ گل پر بیٹھے ہوئے سیر باغ کا مزہ لے رہی ہے ۔ صیاد نے خاموشی سے نظر بچا کر جال تان رکھا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہی حالت اس وقت رانی کی تھی ۔ ۔ ۔ رانی نے انکار و اقرار کے نتیجے پر اچھی طرح سے غور کیا ۔ ۔ ۔ ۔ فہم سلیم بول اٹھی کہین ہوا بھی مٹھی مین بند ہوئی ہے ۔ سایہ کو بھی کسی نے پکڑ پایا ہے آگ کپڑے مین کب تک بندھی رہے گی ۔ ۔ ۔ ۔ پیامبر منتظر جواب کا تھا ۔ ۔ ۔ رانی کی انگشت قبول پیشانی انور پر پہونچی ۔ ۔ ۔ ۔ خان صاحب کی انتظار جواب مین آنکھین سفید ہو رہی تھین ۔ ۔ ۔ ۔ قاصد کو خوش خوش آتے دیکھا تو اچھل پڑے حلقہ کی دوسری منزل موئے مژہ سے جھاڑی پلکون کو فرش کیا ۔ چشم مشتاق کی پتلیان آئینون مین جڑ دین آنکھون کے کنول دیوارون مین لگا دیئے ۔ رانی بڑی ٹھاٹ باٹ سے پہنچی ۔ ۔ ۔ ۔ دو منزلہ پر ٹھہری سب سامان آسایش و آرایش موجود پائے ۔ ۔ ۔ پیغام سلام ہونے لگے ۔ ۔ ۔ انکار و اصرار مین خوب ہاتھا پائی ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ اشتیاق اور گریز دونون نے جی بھر کے داؤن پیچ کیے ۔ ۔ ۔ خدا خدا کر کے پہاڑ سی گھڑیان کٹ گئین ۔ ۔ ۔ ۔ وقت مقررہ آ پہونچا ۔ رانی کی طرف سے پوشاک نوشہ پیش ہوئی ۔ ۔ ۔ نوشہ سلامت نے پوشاک شاہی سے قامت زیبا کو زینت دی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بیتابی دل اُسے اُس برج فلک آستان پر لیگئی جس مین اُس کبک وار فتہ حسن کے ماہ خوبی کی شعاعین در و دیوار پر ستارے چھٹکا رہی تھین بڑے تپاک سے استقبال ہوا ۔ ۔ ۔ ہاتھ

بدن پھینکا جاتا ہے .... ہے ہے دم پھڑکا جاتا ہے .... اس صدائے پُردرد اور نالۂ جگرخراش نے اہل محفل کی صفیں خالی کر دیں .... مسند نوشہ چاروں طرف سے گھر گئی .... مریض سوختہ جگر مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا .... اہل محفل سناٹے میں ہو گئے اتنے میں زیور آرا سے پاکدامانی گونڈ کی باعصمت رانی چھم چھم کرتی سرہانے آئی جھک کر چہرے کی طرف دیکھا اور خان صاحب کیون کیون کیا خیر باشد جوش اشتیاق کہاں ہے۔ شادی تو کیے جائیے .... خان صاحب کی پتلیاں پھر گئیں۔ آخری وقت بھی اُس جامہ عصمت کو ایک نظر دیکھ نہ سکے .... لباس شادی کفن بن کر بدن سے اُترا .... رانی نے آنچل سمیٹے اور یہ کہتی ہوئی جھم سے دریا میں کود پڑی۔

جان پر کھیلتے ہیں جی سے گزرنے والے زندہ نام اپنا کیا کرتے ہیں مرنے والے

ہم نے جناب افق کے مضمون کے انتخاب میں طوالت سے اسلیئے کام لیا ہے کہ ہمارے ناظرین انہیں کے الفاظ میں اس قصہ سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ جس شخص کو خدا نے ذرا سا بھی ذوق سلیم اور تھوڑا سا بھی انصاف عطا کیا ہے وہ اس اقتباس کو ایک نظر دیکھتے ہی کہہ اُٹھے گا کہ گو جناب افق کا مقصد اس قصہ کے بیان کرنے سے بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ خان صاحب کو ایک اول درجہ کا ظالم اور سفاک عیاش اور رانی گونڈ کو ایک اعلیٰ درجہ کی پارسا عورت ثابت کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یا تو اُن کے الفاظ میں خیالات کا ساتھ دینے کی قابلیت نہ تھی یا واقعات میں اتنا بھی دم نہ تھا کہ باوجود اُن کی اس گنگا جمنی مرہم پٹی کے جس سے انہوں نے قصہ کی ٹوٹی ہڈیوں کے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس قابل نہ تھے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے۔

خان بھوپال کا کیرکٹر جن الفاظ میں دکھایا گیا ہے اُن سے بجز اس کے اور

کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا کہ وہ ایک نہایت ہی شریف منش سپاہی تھا۔ پہلے دو
تسکتین کھانے کے بعد جب رانی کا قافیہ بالکل تنگ ہوگیا اور خان کے
بالکل اختیار مین تھا کہ اُسے گرفتار کرلیتا اُس نے اُن سپاہیانہ جذبات سے متاثر
ہوکر جو بہادر دشمن کے ساتھ آڑے وقت مین اچھا سلوک کرنے پر مجبور کیا کرتے
ہین اُسنے رانی کو امان دی۔ اُسکے بعد باوجودیکہ رانی پر پوری دسترس رکھتا تھا
اُس نے بجائے جبر کے آشتی کے ساتھ پیغام بھیجا جسے رانی نے جھوٹون بھی
تو رد نہ کیا جس سے معلوم ہوتا کہ وہ خان صاحب کے ڈورے ڈالنے سے راضی
نہین ہے ایسی حالت مین اگر بیچارے خان نے یہ سمجھ کر کہ محبت کے جس تیر نے
میرے دل کو زخمی کیا ہے وہی رانی کے دل مین بھی ترازو ہوا ہے اپنے ارمانون
کے نکالنے کا خیال کیا تو کیا بُرا کیا خصوصًا ایسی حالت مین جبکہ بقول جناب افق
"رانی چندے آفتاب چندے ماہتاب نور کی تصویر حور کا مرقع تھی۔ اور اکبر جیسے صلح کل
اور جامع المتفرقین فرمانروا کی بنائی ہوئی سڑک اس قسم کی ازدواجی تگاپو کے لیے
پہلے سے موجود تھی اور دور سے اپنا میل و فرسنگ دکھا رہی تھی۔ مگر رانی نے
بجائے اسکے کہ اس شریفانہ پیغام کا جواب شریفانہ رویا قبول سے دیتی اُس
طریقہ سے کام لیا جو ہرگز بہادری کے شایان نہ تھا۔ اگر وہ بہادرانہ اور شریفانہ
طور سے صاف انکار کردیتی تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ وہ بہادرون اور سورماؤن
کی موت مرتی۔ لیکن اُس نے ایسا نہ کیا اور ایک شریف دشمن سے رذیلانہ انتقام
لیکر ایسا نام چھوڑ گئی جسے جناب افق ہی سراہ سکتے ہین۔

معلوم ہوتا ہے کہ جناب افق باوجود زمانہ حال کے گہنہ مشق مضمون نگار ہونے کے
ابھی تک فسانہ عجائب اور گلزار نسیم کے طلسمات کے کنوئین جہانکتے ہے ہین
ورنہ ناممکن تھا کہ رانی گونڈ جو اپنے محل سے دور تلوار لیے میدان جنگ مین

حریف سے لڑنے آئی ہو اور بے سر و سامانی کی حالت مین دریا کی طرف بھاگی ہو اور امان پانے کے بعد اُسی حریف کے قلعہ کی دوسرے منزل مین بطور مہمان مقیم ہو دفعتہً دو گھنٹے کے اندر ایسا لباس تیار کرا لے جو خان صاحب کے جسم پر ٹھیک اترے اور پھر اس لباس کو زہر کے ایک ایسے مہلک مرکب مین غوطہ دے جو روما کے مشہور و معروف خاندان بورجیا کے لیے بھی سرمایۂ نازش ہو یہ تو صرف طلسمات کی بدولت ہو سکتا ہے کہ سنٹرل انڈیا کے کف دست میدان مین حضرت گنج کوا ہٹوی لینڈا کمپنی کی دوکان مع سنگر کی تمام مشینون کے اور کیننگ کالج کی لیبوریٹری مع تمام آلات و ادویات ترکیب و تحلیل کیمیاری کے چشم زدن مین حمالہ دیوی کی پیٹھ پر پہونچ جاے۔

گونڈ کی رانی نے قتل عمد کے ساتھ خودکشی کا ارتکاب کر کے اپنے عقل و فہم کے لیے کوئی قابل تحسین صداقت نامہ نہین چھوڑا اس سے تو برا تب بہتر ہوتا کہ جناب افق رانی گونڈ کے ہاتھ مین بھی وہی تاریخی آلہ دیدیتے جس کی بدولت افضل خان کی پیٹھ پر وہ نشان چھوڑا ہے جو سیواجی کے جبین شجاعت پر تا بحشر کلنک کا ٹیکا ہو کر چمکے گا۔ کیونکہ اس حالت مین بیچارے خان بھوپال کو نقد جان بجنس ہم آغوشی تو نصیب ہو گئی ہوتی۔

فارسی شاعری مین جو درجہ نظیری نیشاپوری کا ہے وہی اردو مین میر تقی دھلوی کا ہے۔ لیکن میر صاحب کے کلام کے باغ مین فیض نامہ نے پرگوئی کے سبزے کا دامن بالیدگی یہان تک وسیع کیا ہے کہ نغز گوئی کے پھولون کے خرمن کے خرمن اُس مین چھپ گئے ہین۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ میر کا نام ہندوستان کے ہر اردو دان بچے کی زبان پر جاری ہے پھر بھی بہت

کم لوگ ایسے ہونگے جنھین اُن کے کلام کے بالاستیعاب پڑھنے کا اتفاق ہوا ہو۔ اِسلیے بڑی ضرورت اس امر کی تھی کہ ان پھولون کا عطر کھینچا جاے تاکہ ذوق سلیم کا مشام اس کی خوشبو سے معنبر ہو۔ لیکن اس کام کو وہی شخص انجام دے سکتا تھا جس کے دماغ مین سخن فہمی کے ساتھ سخنوری کی خوشبو بسی ہوئی ہو۔ ہم نہایت خوش ہین کہ اس کام کو ہمارے مکرم مولوی میر علی حیدر صاحب طبا طبائی نے آنریبل نواب عماد الملک بہادر سی۔ ایس۔ آئی مشیر کونسل وزیر ہند سے نہایت خوش اسلوبی اور خوش سلیقگی سے انجام دیا ہے۔

ہم اس کے محامد و محاسن گنانے سے اس لیے احتراز کرتے ہین کہ عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔ یہ عطر فتنہ خباب میر صاحب کی دوکان سے ۸ ر مین مل سکتا ہے۔

ہمین یہ خبر سنکر دلی صدمہ ہوا کہ ہمارے واجب الاحترام ہمعصر شمس الاخبار مدراس کے مالک مولوی نصیر الدین گھٹالہ کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شمس الاخبار جنوبی ہند کا سب سے پرانا اردو اخبار ہے اور پچھلے دنون اُسکی جوبلی کا جشن منایا گیا تھا۔ مرحوم ایک سلیم الطبع اور مستقیم الشعار بزرگ تھے اور جس خوش اسلوبی اور خوش سلیقگی کے ساتھ وہ اس اخبار کو اور نیز انگریزی اخبار محمدن کو کہ وہ بھی اُنہین کی ملک سے تھا۔ چلاتے رہے اُسکے لحاظ سے اُن کی کوششین ہمیشہ یادگار رہین گی۔ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت مین جگہ دے اور اُن کے پسماندون کو جن کے ساتھ اس صدمہ مین ہمین دلی ہمدردی ہے۔ صبر جمیل عطا فرماکر یہ توفیق بخشے کہ ان دونون اخبارون کو جو جنوبی ہند مین مسلمانون کے ملی و سیاسی حقوق کے محافظ ہین سابقہ استقامت کے ساتھ روش مستمرہ پر چلائے جائین۔

کرم آباد پنجاب کا ایک چھوٹا سا گاؤن ہے جو وزیر آباد کے ریلوے اسٹیشن سے دو میل کے فاصلہ پر سیالکوٹ کی سڑک کے کنارے واقع ہے۔ آج سے کوئی پچیس سال پہلے مولوی کرم الٰہی خان صاحب مرحوم و مغفور کو جنہین سکھ حکومت کی جابرانہ دست برد کی باعث اپنے با اقبال آبا و اجداد سے ترکہ مین بجز خاندانی شرافت کے اور کچھ نہ ملا تھا اپنی کھوئی ہوئی عظمت اپنی لٹی ہوئی وجاہت کے احیا و تجدید کا خیال پیدا ہوا اور اُنھون نے ایک قیمتی جائداد نواح وزیر آباد مین خرید کر اس گاؤن کی بنیاد ڈالی اور اپنے نام کی شق اول کی رعایت سے اس کا نام کرم آباد رکھا۔ مرحوم مسلمانان طبقہ متوسط کی اُس قدیم تہذیب کا ایک روشن نمونہ تھے جس کی جھلک اطراف واکناف ہند مین اب بھی کہین کہین نظر آجاتی ہے لیکن جسے یورپین تمدن زمانہ کے مقتضیات کا حلیف بن کر مٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان واقعات کا تذکرہ کہ کس طور پر اُنھون نے باوجود ایسے والدین کے گھر مین پیدا ہونے کے جن کو اُنھین تعلیم دلانے کی مطلق مقدرت نہ تھی محض اپنے ذہبی شوق سے طرح طرح کی صعوبتین اُٹھاکر اور انواع و اقسام کی مصیبتین جھیل کر علوم متداولہ حاصل کیے۔ کسی طرح محض اپنی قوت بازو کی بل پر اُنھون نے درس و تدریس کے ذریعہ سے معاش کی ایک ایسی راہ نکالی جسے اُنکے ہم چشم رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیونکر اُنھون نے باوجود اُن تعصبات سے گھرے ہوے ہونے کے جو انگریزی تعلیم کے خلاف ملک مین پھیلے ہوئے تھے اپنے بیٹے کو انگریزی تعلیم دلائی شاید ایسے شخصی واقعات کا اعادہ سمجھا جائے گا جن سے عام طور پر ہمارے ناظرین کو دلچسپی نہ ہو۔ اس لئے ہم صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرین گے کہ اس روشن خیال بزرگ کا

مقصد کرم آباد کے بسانے سے بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ وہ اپنی اولاد و احفاد کے لئے ایک ایسا ترکہ چھوڑ جائے جو اقران و اماثل کی نظرون مین اُن کے لئے سرمایۂ اعتبار ثابت ہو سکے۔ اپنی اولاد کے متعلق بھی اپنے زمانہ کے عام خیالات کے مطابق اُس کی انتہائی آرزو اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ سرکاری ملازمت کے طبقۂ اعلیٰ مین داخل ہو کر اُن مدارج پر فایز ہو جائین جنھین ہر ہندوستانی اپنی مرادون کی معراج سمجھتا تھا اور شاید اب تک سمجھتا ہے۔ لیکن یہ بات اُس کے حاشیۂ خیال مین بھی نہ گذری تھی کہ ایک ایسے بیٹے کی مساعی جمیلہ کی بدولت جس کی ذات نہ صرف اپنے اسلاف و اخلاف بلکہ کل پنجاب کے لئے سرمایۂ افتخار ثابت ہونے والی تھی کرم آباد کی قسمت مین ایک ایسی عظیم الشان تحریک کا مبدا و منشا ہونا لکھا تھا جس سے ابنائے وطن کے ایک سریع آوردہ طبقہ کا جمود و غفلت مبدل بہ حرکت و بیداری ہو جائے گا۔

قبلہ و کعبہ جناب مولوی سراج الدین احمد خان صاحب مدظلہم العالی کی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ سرکار انگریزی کی ملازمت مین گذرا اور اگرچہ اپنے والد ماجد کی طرح خاندانی ترقی کا خیال اُن کا بھی ہمیشہ نصب العین رہا لیکن مبدا فیاض نے اُن کے پہلو مین ایسا دل ودیعت نہ فرمایا تھا جس کے درد کی حدود خاندانی حلقہ سے متجاوز نہ ہو سکین وہ ایک بہت بڑا اول و داغ لے کر پیدا ہوے تھے جس مین یگانون کے علاوہ بیگانون کے ساتھ ہمدردی کرنے کی بھی گنجایش موجود تھی۔ سرکاری ملازمت کی زنجیر جب تک پاؤن مین پڑی رہی وہ اپنے ارادون کو قوت سے فعل مین لانے سے قاصر رہے لیکن جب دور ملازمت ختم ہوا اور پنشن لے کر وہ سرکاری ذمہ داریون کی

بوجھ سے سبکدوش ہوئے تو درد کا وہ چشمہ جو سالہا سال تک اندر ہی اندر ابل رہا تھا یک بیک پھوٹ پڑا اور اُنھون نے ملکی اور قومی خدمت کی دشوار گذار وادی مین قدم رکھا۔

زمیندارون کا فرقہ جس قدر معزز اور شریف اور جس حد تک ملک کی سرسبزی درونق کا کفیل ہے اُسی درجہ ذلیل وخوار اور جاہل و تباہ حال بھی ہے۔ اس کی پستی ونکبت کی داستان اگر شروع کی جاے تو کئی دفتر سیہ ہو جائین۔ یہ فرقہ اگرچہ تمدن ہند کے نظام جسمانی مین بمنزلہ ریڑہ کی ہڈی کے ہے اور بلا تشبیہہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے خون اور پسینے پر کل ملک کی زندگی کا دار و مدار ہے لیکن خود اس فرقہ کے افراد کی عام حالت یہ ہے کہ دو وقتہ پیٹ بھر کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے۔ ان کی اس فاقہ مستی اور پریشان روزگاری کے اور اسباب تو خیر جو کچھ بھی ہون لیکن اس مین شک نہین کہ سب سے بڑا سبب لاعلمی وجہالت ہے۔ علم کی روشنی جو زینت بزم کون و فساد ہے ان کے ظلمتکدہ تک پہونچی ہی نہین اور یہی وجہ ہے کہ نہ ان کو اپنی خبر ہے نہ اپنے حقوق کی۔ وہ نہین جانتے کہ سوسائٹی مین ہم کیا حیثیت اور کیا درجہ رکھتے ہین اور اس حیثیت اور درجہ کے برقرار رکھنے کے لئے سرکار سے کن حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے اور ان حقوق کے تحفظ کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئین۔

بے علم بھی یہ لوگ ہین غفلت بھی ہے طاری افسوس کہ اندھے بھی ہین اور سو بھی رہے ہین

اس فرقہ کی اصلاح کا بیڑا وہی شخص اُٹھا سکتا تھا جو اول تو انہین مین سے ہوتا کہ ان کی حالت زار سے کماحقہ واقف ہونے کے باعث اُن کی اندرونی خرابیون اور کمزوریون کے رفع کرنے کا پوری طرح سے

اہل ہو۔ ثانیاً اُس مین موجودہ مشکل پسند زمانہ کی اہم اور پیچ در پیچ ضرورتوں سے باخبر ہونے کے علاوہ علو عزم و استقلال کی صفت بدرجہ اتم موجود ہو تاکہ پرایون کی معاندانہ تعریض و تضحیک اور اپنون کی دوست نوازانہ شماتت اُس کے جبین عزایم پر بل تک نہ ڈال سکے۔ اور ثالثاً ذاتی وجاہت اور اثر رکھنے کے ساتھ وہ فکر معاش کی طرف سے بالکل مطمئن ہو تاکہ یہ روح فرسا فکر اتنے بڑے قومی کام کی سنگ راہ نہ ہو سکے۔

اسے زمیندارون کے فرقہ کی خوبی قسمت سمجھنا چاہیئے کہ جس شخص نے اُن کی اصلاح کی گرانبار ذمہ داری اپنے اوپر لی وہ ان تمام صفات سے بوجہ احسن متصف تھا۔ اُس عمر مین جب کہ کچھ تو قوا کے انحطاط کی وجہ سے اور کچھ آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اُس خواہش کی بدولت جس کا معین عہد شباب کا محنت سے پس انداز کیا ہوا اندوختہ اور سرمایہ ہوتا ہے اکثر لوگ دنیاوی جھگڑون خرخشون سے قطع تعلق کر لیتے ہین اس شخص نے کمر ہمت چست باندہ کر وہ کام اپنے ذمہ لیا جس کی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر قلس بھی ڈرتا۔ سب سے پہلے اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لحاظ سے اُس نے ایک اخبار بنام "زمیندار" جاری کیا اور اُس کے ذریعہ سے اپنی آواز جو گم کردہ راہ کاروان کے لئے بمنزلہ بانگ درا تھی زمیندارون تک پہونچانی شروع کی۔ یہ آواز اول اول بہت ہی دھیمی اور مبہم تھی لیکن رفتہ رفتہ بلند اور پاٹ دار ہوتی گئی یہان تک کہ دشت وجبل۔ وادی و کہسار اُس سے گونج اُٹھے اور ایک اخبار "زمیندار" نے چند سال کے عرصہ مین وہ کام کیا جو بڑی سے بڑی طاقت نے صدیون سے انجام نہ دیا تھا۔ زمیندار ان پنجاب مین حرکت اور بیداری کے آثار

پیدا ہو گئے۔ وہ اپنی حالت اور حیثیت اور وقعت سے آگاہ ہو گئے۔ وہ اُن حقوق کا جو مدت ہائے مدید سے یا تو نظر انداز ہوتی چلے آئے تھے یا پامال کئے جا رہے تھے مطالبہ کرنے لگے۔ اُن مین شوق علم پیدا ہو گیا۔ اُن مین قومی زندگی کی نشانیان نظر آنے لگین۔ اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایک ادنیٰ کرشمہ اُس نئی روح کا جو اس اخبار نے زمینداروں مین بلالحاظ مذہب وملت (اور یہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے) پھونک دی یہ تھا کہ قانون نو آبادی ہائے پنجاب جسے اُنہون نے اپنے لئے مضر سمجھا علی رغم الف مخالفین لارڈ منٹو کی عنایت سے نافذ ہوتے ہوتے رُک گیا۔

اس کے بعد "زمیندار" کے واجب الاحترام ایڈیٹر نے جسے اُس کی حق شناس قوم بجا طور پر اپنے حقوق کا محافظ و وکیل سمجھنے لگی تھی زمیندار کانفرنس کی بنا ڈالی جس کا ابتدائی سالانہ اجلاس کرم آباد مین ہوا۔ اس کانفرنس کا مقصد جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے یہ تھا کہ زمینداروں کی موجودہ تمدنی عمرانی اور اقتصادی حالت پر غور کیا جائے اور وہ تدابیر اختیار کی جائین جن سے اس کی حالت کی اصلاح ہو سکے۔ اس جلسہ مین اطراف و اکناف پنجاب کے معزز ہندو سکھ اور مسلمان زمیندار جمع ہوئے تھے اور بہت سے مفید رزولیوشن پاس کئے گئے تھے۔ لیکن اس کے بعد اس کانفرنس کا دفتر لاہور مین منتقل کیا گیا اور کانفرنس کے محترم بانی کی خواہش پر تقسیم عمل کے اصول کے لحاظ سے اس کے انتظام کی باگ خان بہادر محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا کی لایق ہاتھون مین دی گئی۔ کانفرنس کا نام بھی بدل کر زیادہ وقیع اور شاندار الفاظ مین "زمیندار ایسوسی ایشن" رکھا گیا۔ لیکن یہ قول بالکل سچ ہے کہ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

خان بہادر محمد شفیع صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے قانون دان اور لایق شخص ہون مضامین انگریزی بہت اچھے لکھ لیتے ہون۔ قومی کامون مین بھی محبت و دلچسپی ظاہر کرتے ہون۔ لیکن زمیندار ایسوسی ایشن کا روگ اُن کے بس کا نہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ایسوسی ایشن ایک وجود معطل ہوکر رہ گئی۔

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ زمیندار کانفرنس کو پھر زندہ کیا جائے اس ضرورت کو سب سے زیادہ اس کے بانی نے محسوس کیا اور اُس عزم سے کام لے کر جو کسی وقت کسی مشکل کسی رکاوٹ کا شرمندہ احسان نہین ہونا چاہتا اُنھون نے فیصلہ کرلیا کہ یہ کانفرنس پھر وجود مین آئے۔ اور اس مین زمیندارون کی قومی ترقی کے اسباب پر غور کرکے مناسب عملی تدابیر اختیار کی جائین۔ چنانچہ اس کی نئی زندگی کا دور اس مہینہ مین شروع ہوگا اور کرم آباد مین ۲۴ اور ۲۵ اپریل کو کانفرنس کا جلسہ ہوگا۔ تمام زمیندارون کو بلا تفریق مذہب وملت اس مین دعوت دی گئی ہے۔ اس فرقہ کے جو حضرات شریک اجلاس کانفرنس ہونا چاہین اپنے قصد شرکت سے عالی جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار کو ۱۵ اپریل تک اطلاع دین۔

حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت کی جناب مین بہ تقریب میلاد مبارک حضور انور ہمارے مخدوم ومکرم خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب نے ارادت وعقیدت کے موتیون کی ایک لڑی نذر کے طور پر پیش کی ہے اس سلک لآلی کی آب وتاب جس پر عقد ثریا کو بھی رشک آئے گا ملاحظہ ہو۔

ذکر رسول پاک ہے فخر زبان انس وجن — روح کو اس سے ہے سرور قلب ہے اس سے مطمئن
ولولۂ دل جوان قوت خاطر مسن — سنئے اگر یہ گوش جان ورد ملک ہی رات دن

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

خضرِ کوع ہے یہی شوقِ سجود اسی سے ہے — حالتِ ذوق و وجد کا دل مین ورود اسی سے ہے
دینِ خدائے پاک کی شان و نمود اسی سے ہے — منبعِ خیر ہے یہی ہمتِ جود اسی سے ہے

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

حالتِ ملک و قوم پر ہون شب و روز بے قرار — دین سے دل کو پھیر دین ایسی سبب ہین بیشمار
مرکزِ طبع کیا بنے؟ جس سے ہو کم یہ انتشار — آئے صدا فلک سے یہ پڑھ تو اسی کو بار بار

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر — ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کردے سما ابہار کر — اکبر اسی کا وِرد تو صدق سے بیشمار کر

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

رہنے دے آسمان اگر تجھ سے ہی برسرِ جفا — ہو نہ ملول تجھ سے ہے دولت و جاہ اگر خفا
مسلکِ مستند یہ ہی چھوڑ نہ تو رہِ وفا — نسخۂ حفظِ دین ہی یہ ہے یہی ٹھیک فلسفا

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

جناب خان بہادر نے حضور رحمۃ للعالمین کے محامد و مناقب مین داد بلاغت دی تھی تو حافظ فضل حق صاحب آزاد نے اُس سچی الفت کے اقتضا سے جو اُنھین اسلام کے ساتھ ہے ملت بیضا کے فضائل اور مسلمانون کی گذشتہ و موجودہ حالت کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے ناظرین اس نظم سے حظ فراوان حاصل کرین گے۔

پستی مین بھی اونچا ہے بہت نام ہمارا — دنیا سے مٹائے نہ مٹے نام ہمارا
دل جانتے ہونگے جو گزر جاتی ہے دل پر — لیتے ہین جہان اہل قلم نام ہمارا
کُفار بھی کرتے ہین ہمین یاد بہ تعظیم — اب تک بھی چلا جاتا ہے اکرام ہمارا

اب تک بھی برابر نہین ہوتی ہین نگاہین — کیا گرم ہے خورشید لب بام ہمارا
غیرون کے صحیفون مین جواب ہے سبب ناز — وہ وحی ہماری ہے وہ الہام ہمارا
نیرنگی قسمت کے سوا کیا ہے بہ تحقیق — اللہ! وہ آغاز یہ انجام ہمارا
ہم جانتے تھے رنج سفر لطف حضر کو — وہ رنج ہمارا نہ وہ آرام ہمارا
جس جام سے سرشار ہے اب محفل عالم — اُس جام مین ہے شیرۂ بادام ہمارا
وہ دانۂ دولت جسے سب سمجھے ہین خرمن — ہو جمع تو اٹھے نہ کبھی دام ہمارا
تہذیب مین اخلاق مین دنیا ہی دنی سے — تھوڑا بھی ادا ہو نہ سکا دام ہمارا
پرسش بھی نہ تھی دوست کی دشمن کی کچھ اُسکو — اک سیل تھا ابر کرم عام ہمارا
اللہ کے بندون کی اطاعت مین سفر ہے — تھا قیصر و کسریٰ کو بھی پیغام ہمارا
صرصر کی تھی آمد تو صبا کی تھی روانی — پڑھتی تھی وظیفہ سحر و شام ہمارا
طاعت تھی وہ طاعت وہ عبادت تھی عبادت — تھا ولولۂ یاد حق انعام ہمارا
جنت تھی پس پشت سقر پیش نظر تھا — پکّے تھے خیال ایک نہ تھا خام ہمارا
اخلاص مین ایثار مین دونون تھے برابر — ہم اُس کے تھے اور تھا دل ناکام ہمارا
کیا مشرق و مغرب کی خبر رہتی تھی ہم کو — تھا عرصۂ کونین بس اک گام ہمارا
یا ہم ہین وہی سارے زمانے سے نکمے — اور ایسے کہ دنیا مین نہین کام ہمارا
تقدیر کے آگے نہین چلتی کوئی تدبیر — تقصیر کچھ اُس کی نہ کچھ الزام ہمارا
حاصل ہے بقائے ابدی جس کو وہ آزاد — اسلام ہے اسلام ہے اسلام ہمارا

پیام اسلام اُردو کے ماہوار رسالون مین ایک گران قدر اضافہ ہی جس کی محاسن کا ضامن مولانا آزاد سبحانی سکندر پوری منتظم مدرسۂ الہیات کانپور کا پر زور قلم ہی۔ اسلام کے فضائل کی توضیح اور مخالفین اسلام کے حملون کی تردید اس انداز کے ساتھ کہ جادلھم بالتی ھی احسن کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اس کا مقصد ہی۔ ہم اس کا خیر مقدم نہایت خوشی سے کرتے ہین

رفتیم یاران تخفیف تصدیع

گر در دلِ ریش بود از ما شمارا

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محکم و موثق ایمان نے جہان معرفت باری کے اور اسرار بیان کئے ہین وہان ایک نکتہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ

عرفت ربی بفسخ العزائم۔

حقیقت مین دیکھا جائے تو یہ نکتہ جس قدر عام فہم ہے اسی قدر ہمہ گیر بھی ہے۔ روزمرہ یہ بات ہمارے دیکھنے مین آتی ہے کہ ایک شخص دل مین کوئی مقصد ٹھان کر اُس کی تکمیل کے لئے طرح طرح کے ذرایع اور قسم قسم کے وسائل اختیار کرتا ہے۔ شب و روز اسی فکر مین منہمک اور اسی خیال مین مستغرق رہتا ہے کہ کسی طرح اُس کی غایت پوری ہو اور وہ منزل مقصود کو پہونچے۔ اُس کی عقل نکتہ رس اور فہم دقیقہ سنج تمام اُن باتون کو جو اس مقصد کے حصول کی معین ہون اُس کے پیش نظر کرتا ہے۔ اُس کی مساعی جمیلہ کی کشادہ شاہ راہ اپنے میل و فرسنگ سے رستہ کی ہمواری اور مسافت کے قرب کا پتہ دیتی ہے اور امید کا روشن ہاتھ قدم قدم پر اُٹھ کر منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتا ہے لیکن عین اُس وقت جب کہ بظاہر منزل مقصود تک نہ پہونچنے کا کوئی امکان نہین ہوتا دفعتہً اُس کی مساعی کی رفتار رک جاتی ہے۔ پاؤن چلتے چلتے سو جاتے ہین اور وہ ایک قدم آگے نہین بڑھ سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان حوادث پر بجلی چمکی اور اُس کے خرمن امید پر گر پڑی۔ اور طرفۃ العین مین بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔

ان ناگہانی عوایق کو جن سے زندگی کی ہر منزل مین انسان کو سابقہ پڑتا ہے

اپنے اپنے افتادِ خیال کے لحاظ سے کوئی شخص اتفاق سے تعبیر کرتا ہے۔ کوئی حادثہ سے کوئی علت و معلول اور سبب و مسبب کے تار و پود سے جو سرمایہ کارگاہ ہست و بود ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ ان مشکلات کی جس طرح چاہے تعبیر کرے لیکن ہم توحید پرست تو امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ہم نوا ہو کر یہی کہیں گے کہ ان عوایق ناگہانی مین شان ربانی کی جھلک نظر آتی ہے یعنی انسان کے مساعی کی چلتی گاڑی مین روڑا اٹکا کر اُس ہستی علی الاطلاق نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ گو وہ عقل و ادراک کے آسمان کا آفتاب ہی کیون نہ ہو جائے لیکن اپنے خالق کے مقابلہ مین اُس کی ہستی ایک ذرہ سے کم ہے اور یہ وہ سچائی ہے جس سے عالم و جاہل عامی و فلسفی کسی کو انکار نہین۔

دکن ریویو کو معرض وجود مین آئے ہوئے کچھ اوپر پانچ سال ہوئے ہین اور جو کچھ بُری بھلی خدمت اردو زبان کی اس سے ہو سکی اس نے انجام دی۔ شکر ہے کہ ملک نے اُس کی کوششون کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس عرصہ مین اس کو طرح طرح کی مشکلات اور عوارض کا سامنا ہوا۔ کبھی یہ تاخیر اشاعت کے مرض مین مبتلا ہوا کبھی اس نے چار چار پانچ پانچ نمبر ایک ساتھ نکالے۔ ایک دفعہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ بوجہ ہماری علالت اور ہندوستان سے باہر چلے جانے کے ہمین اس کی اشاعت سات آٹھ مہینے تک ملتوی کر دینی پڑی لیکن باوجود ان تمام اسقام اور عیوب اور لغزشون کے اس کے قدردان ناظرین نے اسے اپنا مطمح نظر بنائے رکھا۔ ہمین بھی ان تمام خرابیون کے باوجود یہ یقین تھا کہ دکن ریویو ایک زندہ اور ہمیشہ سرسبز رہنے والی تحریک ہے جو کبھی نہین مٹ سکتی اور جو قبر تک ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس لئے ہم نے اُن تمام نقصانات کو جو ہمین اس کی وجہ سے علی الاتصال برداشت کرنے پڑے

ماتھے پر بل لائے بغیر اُٹھایا۔ ہم نے اپنا اور اپنے بال بچون کا پیٹ کاٹا لیکن اس کا دوزخ بھرا۔ آئینہ مین ہمین اپنی پریشان اور متوحش صورت ہر روز دیکھنی پڑی لیکن یہ ہم نے کبھی گوارا نہ کیا کہ اس کے سرورق کی زیبایش اور رعنائی اُس تصویر کے نہ ہونے سے کم ہوجائے جو ہر پرچے مین ناظرین کو ہم ہدیۃً پیش کرتے رہے۔ یہ سب کچھ کس لئے تھا؟ محض اس لئے کہ ہمین اس کے ساتھ محبت تھی۔ اور ہم نے عہد کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو اسے اسی شان کے ساتھ برابر نکالے جائین گے لیکن عرف عربی بفسخ العزائم۔ ہم نہایت دلی رنج کے ساتھ بلا کسی مزید تمہید کے ناظرین کو یہ اندوہ ناک خبر سناتے ہین کہ یہ پرچہ دکن ریویو کا آخری نمبر ہے۔ جس کی ایڈیٹری کی خدمت ہم انجام دیتے ہین۔

ہمارے کرم فرما اس خبر کو سن کر ہم سے تعجب کے ساتھ دریافت کرین گے کہ آخر اس فوری فیصلہ کا کیا باعث ہے۔ اُن کا استعجاب بے محل نہین ہے اس لئے کہ ابھی دو ہی مہینے ہوتے ہین کہ ہم نے دکن ریویو کے ذریعہ سے یہ اعلان کیا تھا کہ ہر اُس مضمون کے لئے جو اس مین شایع ہوگا مضمون نگار کو معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ کیا یہ ہمارا فوری فیصلہ سرمائے کی کمی یا مالی نقصان کی وجہ سے ہے؟ ہم اس کا یہ جواب دین گے کہ جس شخص نے پانچ سال سے مالی نفع نقصان کی پروا نہ کی ہو جس نے رود موسیٰ کی طغیانی کے ہمہ گیر نقصان مین بقدر چار ہزار روپیہ کے حصہ لے کر بھی اشاعت موقوف یا ملتوی کرنے کا خیال نہ کیا وہ کسی معمولی ماہواری نقصان کو کب خاطر مین لاسکتا ہے۔

جس چیز نے ہمین دکن ریویو سے تعلق ایڈیٹری قطع کرنے پر مجبور کیا ہے وہ سرمایہ کی کمی نہین ہے بلکہ وقت کی کمی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج تک سرکار آصف جاہ کی عنایات کے تصدق مین ہمین علاوہ سرکاری مشاغل کے اتنا فرصت کا وقت ملتا رہا کہ اُسے دکن ریویو کی ایڈیٹری کی اہم ذمہ داریون پر صرف کرسکین - کچھ تو ہماری خدمات کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ ہم اپنے علمی مشاغل کے لئے کافی وقت پس انداز کرسکتے تھے اور کچھ ہماری جسمانی اور دماغی توانائی کا وفور اس حد تک تھا کہ دفتر مین چھ گھنٹے جم کر کام کرنے کے بعد بھی ہم رات رات بھر بیٹھ کر کام کرنے کے لئے تازہ دم رہتے تھے - اسی وفور توانائی کا نتیجہ تھا کہ سیر ظلمات - خیابان فارس جنگل مین منگل - جنگ روس وجاپان اور فسانہ لندن جیسی ضخیم وجسیم کتابین پیش کرسکے اور پھر بھی دکن ریویو کے لئے وقت نکال سکے -

لیکن اب ہماری خدمت کی نوعیت بدل گئی ہے جس کی وجہ سے ذمہ داری کا ایک بڑا بوجھ ہمارے سر پر آپڑا ہے اور سچ بات یہ ہے کہ زمانہ کے زبردست ہاتھ نے اُس مشین کے پرزون کو کمزور کرنا شروع کردیا ہے جسے ہم غلطی سے سمجھتے تھے کہ فرسودگی کی قید سے آزاد ہے - ایسی حالت مین جب کہ ہم اس کے لئے اتنا وقت نکال سکتے ہین جیسا اب تک نکالتے رہے ہیں ایسی محنت کرسکتے ہین جیسے اب تک کرتے رہے تو ظاہر ہے کہ دکن ریویو وہ وقعت وحیثیت قائم نہ رکھ سکے گا جو اُس نے ملک کے کثیر التعداد رسالون مین حاصل کرلی تھی - اور چون کہ ہمین یقین ہے کہ اُن حوالی مین جو ہمین آج کل گھیرے ہوے ہین اور اُن عوایق وموانع کے باعث جو اس کی ایڈیٹری کی خدمت کی راہ مین ہم اب حایل پاتے ہین وہ اُس شگفتہ صحت کے ساتھ زندہ نہین رہ سکتا جس سے اُس کی ابتدائی نشو ونما ہوئی تھی اور جیسا وہ اب تک زندہ رہا ہے بلکہ ایک مضمحل اور پژمردہ زندگی کے ساتھ اپنے دن پورے کرے گا

لہذا ہم نے قصد کر لیا کہ اگر ممکن ہو تو اُس تمام ذمہ داری کو جو اس کے مالک اور ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے اس وقت ہم پر ہے کسی ایسے شخص پر منتقل کر دیا جائے جو اس سے عہدہ برا ہونے کا اہل ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ دکن ریویو کی زندگی کے دن ابھی باقی تھے اور خدا کو اس کا صحت و توانائی کے ساتھ قائم رکھنا منظور تھا اس لئے کہ جب ہمارا یہ مصمم عندیہ ہمارے بعض مقامی ناظرین کو معلوم ہوا تو اُن میں سے ایک صاحب نے بوجہ اُس الفت و محبت کے جو اُنھیں دکن ریویو کے ساتھ ابتدا سے ہے اس بار امانت کے اٹھانے کی نسبت آمادگی ظاہر فرمائی۔

مولوی سید مودود احمد صاحب قادری جو دکن ریویو کے آئندہ مالک و ایڈیٹر ہیں ایک نہایت روشن خیال بزرگ ہیں جن کے دل میں حب قومی کا ولولہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور جن کی ہمیشہ سے یہ تمنا رہی ہے کہ اردو لٹریچر کی خدمت گزاری کسی نہ کسی طرح کرتے رہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے دکن ریویو کے چلانے کے لئے کافی سرمایہ کا انتظام کرنے کے علاوہ ایک لائق اسٹاف مددگارون کا بہم پہونچا لیا ہے اور سب سے بڑی بات جو ہمین دکن ریویو کے آئندہ کامیابی کی طرف سے اطمینان دلاتی ہے یہ ہے کہ اس کے مینیجر بدستور مولوی محمد بدیع الزمان خان صاحب رہین گے جنھون نے گذشتہ دو سال مین اپنے فرایض مفوضہ کو نہایت لیاقت نہایت محنت اور اعلی درجہ کی دیانت داری سے انجام دیا ہے اور جو اس کی حالت سے پوری طرح باخبر ہین۔ ہم اُس امانت کو جسے ہم جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہین اپنے جانشین کو سونپتے ہوئے یقین کرتے ہین کہ جس پالیسی پر دکن ریویو اب تک چلایا جاتا رہا ہے اُس کا اتباع وہ ثابت قدمی کے ساتھ کرین گے۔ اور جو تحریک دکن ریویو

کی وجہ سے علمی حلقون مین پیدا ہوگئی ہے اُس کے بوجہ احسن زندہ رکھنے کی کوشش مین سرگرمی وجانفشانی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھین گے ہمین دکن ریویو کے معاونین کرام سے بھی یہ امید ہے کہ وہ اُس محبت کو جو انھین دکن ریویو کی ساتھ ہے محض اس وجہ سے کہ اس کی ملکیت اور ایڈیٹری ظفر علیخان کی ذات سے علیحدہ ہوکر دوسرے شخص کے نام منتقل ہوگئی ہے ذرا بھی کم نہ ہونے دین گے۔ اس آخری امید کے ساتھ ہم اپنے کرم فرما ناظرین ومعاصرین سے رخصت ہوتے ہین اور اپنی جگہ ایک زیادہ تر لایق اور زیادہ تر مستعدی وشغف کے ساتھ کام کرنے والے شخص کے لئے خالی کرتے ہین۔

ہم نے یہ الوداعی فقرہ ختم کیا ہی تھا کہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے کا ایک عنایت نامہ عزصدور لایا جس کے ساتھ عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای دام اقبالہم کا ایک مضمون دکن ریویو مین اندراج کی غرض سے ملفوف تھا۔ عالی جناب ممدوح کی ذات جنوبی ہندوستان مین اردو انشا پردازی کی بہت بڑی حامی اور سرپرست ہے اور آپ ہی کی قدردانی کے آغوش عاطفت مین دکن ریویو اب تک پلا اور بڑھا ہے۔ اس مضمون بلاغت مشحون کے عطیہ سے جس کا موضوع "ہولی" ہے عالی جناب ممدوح نے اُن عنایات مین ایک اور گرانقدر اضافہ فرمایا ہے جو اب تک دکن ریویو کے شامل حال رہی ہین۔ اگر تفاءل کوئی چیز ہے تو ہم دکن ریویو کے آئندہ ایڈیٹر اور مالک کو اُس کی خوش قسمتی پر مبارک باد دیتے ہین کہ پہلا مضمون جو دکن ریویو مین اُس کے اہتمام سے شایع ہوگا وہ دکن کے بلند پایہ صدر اعظم کے پرزور قلم کا نتیجہ ہوگا جس سے زیادہ دکن ریویو کی نئی

زندگی کے حق مین کوئی مبارک فال نہین ہوسکتی۔

اس کے ساتھ ہی ہم کو یہ بھی امید ہے کہ عالی جناب مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہم اور جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے وکن ریویو پر بدستور وہی عنایت آمیز توجہ مبذول فرماتے رہین گے جس کے لحاظ سے یہ رسالہ اپنے اوپر جس قدر فخر کرے کم ہے۔

ظفر علیخان

رسید کتب

زرین ملک کی تلاش۔ ایک اول مرتبہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی۔ لاہور
قیمت علاوہ محصول ڈاک۔ ۸/

منازل السایرہ۔ مرتبہ کارپردازان مخزن ایجنسی دہلی۔ قیمت علاوہ محصول ڈاک ۸/

دل سوز۔ ناول۔ دفتر پیام یار لکھنؤ۔ قیمت علاوہ محصول ڈاک ۸/

ایک اندھی لڑکی کی سرگذشت۔ مرتبہ فری ایچ جرنل ایجنسی انارکلی۔ لاہور
قیمت علاوہ محصول ڈاک ۲/

اخلاقی اور روحانی حقیقی امتحان کی تیاری۔ مرتبہ مسٹر لیکھ راج اول مدرس مدرسہ ڈیڑہ بخشیان ضلع راولپنڈی۔
قیمت علاوہ محصول ڈاک ۲/

تحفۂ بنظیر المعروف بہ لباب بر اعظم ایشیا۔ مولفہ مولوی کرم الدین صاحب ہیڈ ماسٹر ورنیکولر اسکول دینا نوالی ضلع سیالکوٹ قیمت علاوہ محصول ڈاک ۰/

فتاوی محمدی معہ شرح دیوبندی۔ مرتبہ مولوی سید اصغر حسین صاحب حسینی۔ حنفی دیوبندی۔
ملنے کا پتہ
حافظ محمد عبد الغفور صاحب دہانگر ٹولہ جونپور
قیمت علاوہ محصول ڈاک ۶/۶ پائی

الصالحات یعنی نیک بی بیان۔ مرتبہ مولوی سید اصغر حسن صاحب حنفی دیوبندی۔ ملنے کا پتہ
حافظ محمد عبد الغفور صاحب دہانگر ٹولہ جونپور۔ علاوہ محصول ڈاک ۲/

آفتاب رسالت۔ مرتبہ مولوی سید عبد السبحان صاحب وا۔ ملنے کا پتہ
انوار صابری الہ آباد۔ قیمت علاوہ محصول ڈاک ۴/



دکن ریویو

نغمہ ارادت

جلی محفل جان مین شمع شعور — ہوا جس سے پیدا ارادت کا نور
دکن بن گیا غیرت اوج طور — ہوا سایہ حق کا جس پر ظہور
دعا آج اثر سے ملے گی ضرور — پڑا غلغلہ ہے یہ نزدیک و دور
سلامت رہین بندگان حضور

فلک پایہ ہے آستان حضور — ہے لطف خدا سائبان حضور
سکندر سے ملتی ہے آن حضور — نہین بلکہ بڑھ کر ہی شان حضور
نواسنج ہین مدح خوان حضور — کہ پامال ہون دشمنان حضور
سلامت رہین بندگان حضور

پڑا شمس کا ماند سارا نظام — ہوا جلوہ گر جب ہمارا نظام
رعایا کی آنکھون کا تارا نظام — ہمین دل سے اور جانسے پیارا نظام
سکندر نظام اور دارا نظام — غرض خسروی کا سہارا نظام
سلامت رہین بندگان حضور

خدا نے دیا ہم کو وہ تاجدار — کرم اور نصفت ہی جس کا شعار
ہوا اوس سے قایم ہمارا وقار — وہ آیا تو آئی چمن مین بہار
رعایا ہے سو جان سے اُسپر نثار — نکلتی ہے دل سے دعا بار بار
سلامت رہین بندگان حضور

یہ ہے حاصل داستان دکن — کہ آصف ہے صاحبقران دکن
ہوے جب سے تم حکمران دکن — دوبالا ہوئی عزوشان دکن
دکن جسم ہے تم ہو جان دکن — نہین بلکہ روح وروان دکن
سلامت رہین بندگان حضور

تیرے عدل کی گرم بازاریان — مٹا دین گی ساری جفاکاریان
تیرے ہاتھ نے کین گُہرباریان — تو دامن کو پیش آئین دشواریان
کرین گی ہماری وفاداریان — ترے قصر دولت پہ گلکاریان
سلامت رہین بندگان حضور

حقیقت ہے آئینہ دار مجاز — خدا کی طرح تم بھی ہو بے نیاز
مگر بے نیازی پہ ہو کارساز — لقب ہے تمہارا رعایا نواز
ہمین ہے تمہاری غلامی پہ ناز — اگر تم ہو محمود ہم ہین ایاز
سلامت رہین بندگان حضور

یہ بزم جہان جب تک آباد ہو — شہا تو ہو اور حیدرآباد ہو
نئی شان اگر کوئی ایجاد ہو — تیری شوکت و فر پہ ایزاد ہو
قضا کا ترے حکم پر صاد ہو — بقا تیری دولت کی ہمزاد ہو
سلامت رہین بندگان حضور

ایڈیٹر

فنون لطیفہ

(۲)

فن بُت تراشی کا وجود دنیا مین فن تعمیر کے بعد ہوا۔ اُس زمانہ مین جبکہ سائنس نے گہوارہ سے قدم باہر نہین نکالا تھا اسکے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہین سمجھا جاتا تھا۔ ذوی الارواح تو کیا کواکب تک کے تغیرات کے لئے قواعد مقرر تھے لیکن یہہ کسی کو نہین معلوم تھا کہ وہ کونسا قانون ہے جو ایک بُت تراش سے اچھی صورت بنواتا ہے۔ مگر جب علم کا اُجالا پھیلا اور تمام قسم کے صنایع و بدایع پر زمام حکومت سائنس کے ہاتھ مین آئی تو خیالات مین تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی اور یہ راز فاش ہوگیا کہ فن بُت تراشی بھی اصول و قواعد کا پابند ہے اور فن مصوری کی طرح اپنے زمانہ کے خیالات کا پَرتو ہے۔ بعض مصنف کہتے ہین کہ تمام صنعتون اور فنون کی غایت یہ ہے کہ اُن کے دیکھنے سے انسان کو مسرت حاصل ہو۔ لیکن سر جان لبک کی راے مین وہ فن کی یہ بہت ناقص تعریف ہے۔ ایک کتب خانہ کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ اُسکی غایت دیکھنے والون کو مسرت پہونچانا اور مکان کیلئے باعث آرایش ہونا ہے۔" مگر فن بُت تراشی ایک ایسا فن ہے جس سے انسان کی نظر غائر اور باریک ہوجاتی ہے اور خود صاحب فن کو اس سے ایک ایسی لذت حاصل ہوتی ہے جو کسی دوسرے شغل مین حاصل نہین ہوسکتی۔ بڑے بڑے ماہرین فن اکثر بڑے غور و خوض کرنے والے گذرے ہین۔ بُت تراش۔ مصور۔ شاعر اور فلسفی۔ ان سب کے دماغ ایک سے ہوتے ہین۔ تینون کو ایک سی قابلیت عطا ہوتی ہے چاہے عمل کے طریقے مختلف ہون۔ اور سب کا مذاق ایک سا ہوتا ہے۔ ان فنون کو جیسا کہ کہا

جاتا ہے خود نیچر پر تفوق حاصل ہوتا ہے۔ افلاطون کا قول ہے کہ "اگر تم ایک ایسے آدمی کو لو جسے قدرت نے بنایا ہے اور اُسکا مقابلہ اُس بت سے کرو جسے خود انسان نے بنایا ہو تو قدرت کی بنائی ہوئی مورت خوبصورتی مین ہمیشہ کم درجہ پر نظر آئیگی کیونکہ فن بمقابلہ نیچر کے زیادہ صحیح و درست ہوتا ہے" بیکن بھی اپنی کتاب ترقی علوم (اڈوانسمنٹ آف لرننگ) مین لکھتا ہے کہ "چونکہ دنیا روح سے کمتر رتبہ رکھتی ہے۔ اس وجہ سے روح انسانی کو اُس سے زیادہ بڑائی۔ اُس سے کامل تر نکوئی اور اُس سے زیادہ پختہ تنوع کی خواہش ہوتی ہے جسقدر کہ اُسے اشیاے قدرت مین عام طور پر نظر آتی ہے" قدیم یونانیون مین ایک کہانی مشہور تھی کہ پرامی تہیوس نے ایک مرتبہ منروا (علم وفضل کی دیبی) کا ایک خوبصورت بُت بنایا۔ دیبی اس بت کو دیکھکر نہایت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ اس بُت کی تکمیل مین اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مین آسمان سے لے آؤن۔ پرامی تہیوس بہت عقلمند تھا۔ اُسنے کہا بہتر یہ ہے کہ مجھے ہی وہان لے چل تاکہ مین جو چیز چاہون لے آؤن۔ دیبی راضی ہوگئی اور اوسے آسمان پر لے گئی۔ پرامی تہیوس وہان پر یہہ دیکھکر کہ ہر شے کی زندگی کا باعث آگ ہے اپنے ساتھ اسی آگ کی ایک چنگاری لیتا آیا اور اپنے بُت مین ڈال دی جس سے اُس مین جان پیدا ہوگئی۔ اس کہانی سے یہ غرض ہے کہ ان تمام فنون کی غائت قدرت کی اصلی صورت کے مشابہ مورت بنانا ہے۔ مگر نقل کو حصول شے کے لئے ایک ذریعہ تصور کرنا چاہیئے نہ کہ غایت فن۔ سر جوشوا رنالڈز کا قول ہے کہ جسقدر زیادہ صاحب فن نیچر کا مطالعہ کرتا ہے اُسیقدر زیادہ وہ شے کے صحیح و کامل تصور کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ سر جان لبک کہتے ہین کہ "صاحب فن کو چاہیئے کہ نئی نئی باتین پیدا کرے

اور نقل بھی کرے" ڈکٹر کزن کا قول ہے۔ "جو چیز ہم بنانا چاہتے ہین اُسکی نظیر کے لئے اگر ہمنے کسی حقیقی اور اصلی شے کو مدنظر نہین رکھا ہے تو ہمارے متخیلہ کو بے جان سمجھنا چاہیئے لیکن ساتھ ہی اگر وہ حقیقی اور اصلی شے ہمارے متخیلہ کے ساتھ ہم آغوش نہین ہے تو اس مین جلوہ حُسن کبھی نہ پیدا ہوگا۔ دونون کو ایک جگہہ جمع ہونا چاہیئے۔ دونون ایک ساتھ اور باہم ملے جلے رہین تو اچھا ہے۔ اسی طور پر بہتر سے بہتر شے تیار کی جاسکتی ہے۔ حُسن کو یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیچر کی جو اپنی جگہہ پر خود ناقص ہے محض نقل ہی نقل ہے بلکہ وہ بجائے خود ایک مستقل شے معہود فی الذہن ہے"

یہی مصنّف ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ "پاک لطیف اور حسین اشیا محض اُس ذات پاک کے جلوے کے مختلف مظاہر ہین۔ اس صورت مین جب ہم سچائی۔ حسن اور نکوئی سے محبت کرتے ہین تو اصل مین ہماری محبت کا مقصود خود وہ ذات بے ہمتا ہے۔ خدا کی ذات کی محبت ان مختلف جلوون کی محبت مین مخفی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس ذات بے ہمتا کے جلوے کا تماشا جو تمام پاک نفیس اور خوبصورت اشیا مین نظر آتا ہے صرف انہین مختلف مظاہر پر منحصر نہین کہا جاسکتا۔" اس فن کی تعریف سڈنی کا لون اسطرح کرتا ہے۔ "یہ ایک قسم کا فن صورت گری ہے جسکا کام یہہ ہے کہ اشیاے قدرت۔ خاصکر جسم انسانی کی نقل اشیا کو گھڑ کر اُتارے اسطور پر کہ طول و عرض و عمق (یا دبازت) تینون مین تناسب ہو یا کم سے کم صرف لمبائی اور چوڑائی مین تناسب اور تیسرے جزو یعنی عمق (دبازت) مین کسی قدر کمی ہو۔ اس فن کی ابتدا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کارنتھہ مین ایک کمہار تھا جسکا نام بوٹا ڈیس تھا جس نے سب سے پہلے آدمی کا ایک چہرہ چکنی مٹی کا بنا کر اپنے برتنون کے ساتھہ

پکایا تھا۔ تاریخ سے جو پتہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ چیپس مین ۶۶۰ قہ مین سنگ مرمر کے بت بنائے جاتے تھے۔ برن ایک جرمن محقق کا خیال ہے کہ یونان مین کانسے کی دریافت کے قبل صرف عبادت گاہون کے لئے بُت بنائے جاتے تھے مگر پھر سنگ مرمر کے بُت بنائے جانے لگے اور چیپس بُت تراشی کا مرکز بن گیا۔ اسکے دیکھا دیکھی مگنیسیا۔ سی سیون۔ کریٹ اور ایجینا مین بھی چرچا شروع ہوا جہان اس فن نے بہت ترقی حاصل کی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ان مین سے اکثر مقامات جزیرے تھے جو مشرقی ممالک کے متصل واقع تھے۔ اسلیئے کیا یہ نہین کہا جا سکتا کہ جزیرے والون نے دراصل مشرقیون سے اکتساب فن کیا ہو؟ بہرحال ان تمام مقامات یعنی سی سیون۔ آرگس۔ ایجینا اور ایتھنس مین ڈیپولنس۔ مائی رونی۔ پالی کلی ٹس۔ کیلن اور ہرموڈیس وغیرہ مشہور بُت تراش گذرے ہین جنہون نے اپنے کمال کو زیادہ تر دیوتاؤن اور دیبیون کی مورتین بنانے مین ظاہر کیا۔ مگر اس فن نے اب میدان مین قدم آگے بڑہایا اور پلے نی کے بیان پر اگر اعتبار کیا جاے تو فیثا غورث پہلا شخص تھا جسنے سائریا کیوس مین فلوکٹی نیز کی مورت بنائی جسمین اُسنے یہہ دکھایا کہ ٹو یا فلوکٹی نیز چلنے کو قدم بڑہاتا ہے مگر پیر مین ایک زخم کی وجہ سے سخت تکلیف ہے اور رگ اور پٹھے تنتے اور نسین کھنچتی معلوم ہوتی ہین۔

فتوحات سلامیس۔ پلیٹیا اور مائی کیل کے بعد یونانیون مین اپنی کامیابیون کی یادگارین قائم کرنے کا ایک جوش پیدا ہوگیا اور طرح طرح کے بُت بنائے گئے۔ بعض مندرون مین سجائے گئے۔ بعض دیگر عمارات مین رکھے گئے۔ اسوقت تک بتون مین علم الادیان کے لحاظ سے بہت کچھ نقص ہوتا تھا مگر ۵۰۰ قہ سے جسمین اتینہس کا ایک باشندہ فی دیس مشہور بُت تراش گذرا ہے یہ خرابیان دور ہوچلین

اور اسکی بنائی ہوئی مورتین جو برٹش میوزیم مین موجود ہین اُسکے کمال کا پتہ دیتی ہین۔
اسکے بعد الکمی نیز اور اگوریکری ٹس اسکے دو شاگرد مشہور ہوے۔ ایتھنس کران
بُت تراشون کی مقابلہ مین پیلوپانی سس مین پالی کلی ٹس اور اُسکے شاگرد گذرے
ہین جو بُت تراشی مین اپنی ایتھینی حریفون سے کچھ کم نہ تھے۔ محاربہ پیلوپانی سس کے
بعد یونانیون کے دلونپر جس غم واندوہ۔ یاس وحرمان نے ہجوم کیا اُسکا اثر زمانہ
مابعد کی تمام یونانی مورتون مین پایا جاتا ہے۔ اس زمانہ مین اسکو یاس بہت
مشہور بت تراش گذرا ہے جو کیفیت طبع وجذبات انسانی کو پورا پورا ظاہر کرسکتا تھا
یونانیون کے کنہیا آپالو کا ایک بُت اُسنے بنایا تھا جو اب تک ایتھنس مین بحفاظت
تمام رکھا ہوا ہے۔ اسمین جو کیفیت کہ دیوتا پر اپنی موسیقی کے اثر سے پیدا ہوگئی
ہے اُسکا نہایت صاف و واضح طریقہ پر اظہار کیا ہے۔ اس مصور کا شمار یونانی
بُت تراشون کی دوسری جماعت مین ہے جو چوتھی صدی قبل حضرت مسیحؑ مین مشہور
ہوئی تھی۔ انکے ہمعصر آرگس اور سی سیون مین یوفرنیار وغیرہ ہوے ہین۔

جب اسکندر فیلقوس کا زمانہ آیا اور فتح مشرق کے بعد دولت و ثروت کا
مینہ یونان پر برسنے لگا تو یہ فنون بھی اُسکے اثر سے بچ نہ سکے۔ اس زمانہ کے تمام
بتون مین جو ایتھنس اور سی سیون کے بت تراشون نے بنائے یہہ اثر پایا جاتا
ایتھنس مین پیرگزی ٹلیس کے بیٹون سفی لوڈوٹس اور تمارکس نے اور
سی سیون مین لسی پس کے بیٹون اور شاگردون نے بہت ناموری حاصل کی۔
ان دو طبقون کے علاوہ روڈز اور پیرگیمس کے طبقات بھی مشہور
ہین جنہون نے دوسری اور تیسری صدی قبل حضرت مسیحؑ مین شہرہ حاصل کیا تھا
ہندوستان مین اس زمانہ کے ہندیون کے بنائے ہوے بتون کے نمونے
بھی کسیقدر وقعت رکھتے ہین۔ یہہ اپنے انداز مین بالکل ہندی الاصل ہین۔

ان مین ہاتھیون۔ ہرنون اور بندرون کی مورتین بھی پائی جاتی ہین جو بتاتی ہین کہ انکے بنانے والے کسقدر نقل کو اصل سے ملا دینے والے تھے۔ ہندوستان مین اس فن کی ترقی سکندر اعظم کے حملے کے بعد بہت ہوئی اور چوتھی پانچوین صدی مین بہت اعلیٰ درجہ پر پہونچ گیا۔

مگر یونان مین اس فن کے عروج کا زمانہ رومیون کی فتح تک رہا۔ انہین فنون لطیفہ سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی اسلیئے یہ زمانہ فن کی بے قدری کا شمار کیا جاتا ہے۔ قوم فاتح کی اس بے اعتنائی کے باوجود ایتھنس والون نے اپنا اصلی مذاق نہ چھوڑا۔ اس زمانہ مین جو کچھ ترقی انھون نے کی اُسے "نیواٹیک اسکول" کی جانب منسوب کرتے ہین جسکے مشہور بت تراش پالک سیرا اور اُسکے بیٹے پوتے تھے۔

رومۃ الکبریٰ مین جمہوری سلطنت کے اختتام کے وقت ایک بُت تراش پسی ٹلیز گذرا ہے جو ہنرمندی مین نیواٹیک اسکول والون سے بہت بڑھ چڑھ کر تھا۔ اسکے بعد رومۃ الکبریٰ مین جولیس کے زمانہ مین آرسیسی لاس گذرا ہے جو گو متقدمین کے مقابلہ مین کچھ نہ تھا۔ مگر متاخرین مین سب سے اچھا سمجھا جاتا ہے۔

چوتھی صدی عیسوی مین جبکہ روما مین قسطنطین اعظم کی اولاد حکمران تھی یہہ فن معرض زوال مین آیا۔ پانچوین صدی بھی یون ہی گذری۔ چھٹی صدی عیسوی مین جسٹینین کے زمانہ مین بائی زنتیم کے اثر سے ایونیا مین ایک خاص قسم کی سنگ تراشی کا رواج ہوا جسکا مقصد آرائش مکان ہوتا تھا۔ سنگ مرمر کی بڑی بڑی سلون پر مور اور دوسرے پرندون کی اُبھری ہوئی تصویرین کاٹ کر آرائش کے لئے پردے اور منبر بنائے جاتے تھے۔ بائی زنتیم

(قسطنطنیہ) جب سلطنت روما کا دارالسلطنت قرار پایا تو زمانہ وسطی کے تمام فنون کو یہین سے نشوونما حاصل ہوئی جسکی یادگار مین سینٹ پیٹر کا ایک روئین بُت اب تک موجود ہے۔ اس زمانہ مین دہات کے کاسون کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ بائی زنٹیم کا یہ اثر قریب قریب بارہوین صدی تک تمام ممالک یورپ پر حاوی رہا۔ انگلستان مین حضرت عیسیٰ کی اُبھری ہوئی مورت اور لیزارس کی قبر جو چیسٹر مین اب بھی موجود ہے اس زمانہ کی یادگار ین ہین۔ بارہوین صدی عیسوی کے بُت تراشی کے بہترین نمونے نائٹس ٹمپلرس کے مجسمے ہین جو ٹمپل چرچ لندن مین اب تک محفوظ ہین اور نیز ہنری سوم اور ملکہ ایلینار کے وہ مجسمے ہین جو وسٹ منسٹر ابی مین موجود ہین۔ تیرہوین صدی عیسوی مین انگلستان مین اکثر گرجون کی آرائش کے واسطے بُت بنائے جاتے تھے۔ ہان فرانس کی تاریخ مین یہ زمانہ بُت تراشی کے لئے ایسا گذرا ہے کہ دنیا مین کوئی دوسرا ملک اسکا مقابلہ نہین کرسکتا تھا۔ پیری سین سنٹی چیپل کے بُتہائے ملائک اور ایم نیز کے گرجے مین حضرت مسیحؑ اور پیغمبرون کے بت اور تہائے ناٹرڈام اس زمانہ کی چند مثالین ہین جو اپنا جواب نہین رکھتین۔ جرمنی مین بھی اس زمانہ مین بُت تراشی کا خوب چرچا رہا مگر فرانس کا مقابلہ کبھی نہ ہوسکا۔ فرائی برگ گرجے کا طلائی پہاٹک اور حضرت مریمؑ کی وفات کی اُبھری ہوئی تصویر جسکے گرد حواری اور پیغمبر غم و رنج مین مبتلا ظاہر کئے گئے ہین۔ جرمنی مین اس صدی کی یادگار کے طور پر باقی ہین۔ جنوب اٹلی مین ایک مدرسہ بت تراشی کا تھا جسمین فرانس کی تقلید کی جاتی تھی۔ یہان صرف ایک شخص کاس می ٹائی کچھ قابلیت کا گذرا ہے باقی دوسرے کچھ ایسے زیادہ اچھے نہ تھے۔

انگلستان مین چودھوین صدی عیسوی کی یادگار ایڈورڈ سوم اور

رچرڈ دوم اور اوسکی ملکہ کے مجسمے ہین جو دوسرے ممالک کے مقابلہ مین کچھ بہت اچھے نہین کہے جا سکتے - فرانس مین یہ زمانہ بُت تراشی کے لحاظ سے اچھا نہ تہا - اسمین بجاے ترقی کے کچھ تنزل ہی ہوا - جرمنی کی رفتار بھی کچھ وہیں تہی نیورنبرگ کے بُت اس زمانہ کی صنعت کی شاہد ہین - ہان اٹلی مین فلارنس نے بڑے بڑے نامور بُت تراش پیدا کئے اور وہ اور قرب وجوار کے شہر اس فن کے لحاظ سے مرجع انام بن گئے حتی کہ پندرہوین صدی عیسوی مین فلارنس دنیا کے فنون لطیفہ کا مرکز بن گیا اور قدیم زمانہ کے ایتھنس سے مقابلہ کرنے لگا اور ڈوناٹیلو رابیا اور پسانیلو کے کامون نے یونان قدیم کی یاد تازہ کردی - اٹلی کے شمالی حصہ مین خاصکر ویرونا اور وینس مین بت تراشی کے چند مدرسے تھے جو ٹسکنی کے فنون سے اختلاف رکھتے تھے - پسانائی اور ارنالفودل کیمبیو اس زمانہ احیائے فن مین اپنا نظیر نہ رکھتے تھے - انکے بعد ارکیگنو وغیرہ ہوئے جو اپنے اُستادون کے قدم بقدم چلے - مائنوڈی فائی سولا اور دونون بھائی روزلائن بینیڈ ٹو دی مینو اور دوسرے بُت تراشون نے مذہبی مورتون مین اپنے کمال کی ایسی نظیرین چھوڑی ہین کہ اسوقت تک اُنکا جواب ممکن نہ ہوا - پیڈ ناکا بت جو ڈوناٹیلو نے بنایا اور کیلونی کا بُت جو ورچیو اور لیوپارڈی نے بنایا دنیا کے بہترین بتون مین شمار کئے جاتے ہین - انکے بعد میکائیل انجیلو پیدا ہوا جسنے اِس فن کو انتہائی کمال تک پہونچا دیا - حضرت داؤدؑ کا سر جو اس بت تراش نے بنایا ہے اوس کی کمال صنعت کا گواہ عادل ہے - اٹلی کے فن کو اس کے بعد زوال شروع ہوا اور جس طرح اور فنون دولتمندون کے ہاتھ مین پڑ گئے تھے یہہ بھی اون کے قبضہ مین چلا گیا -

اس صدی مین جرمنی نے بھی بہت کچھ ترقی کی اور بڑے بڑے صاحب فن

پیدا کئے - جارج سرلن - وائٹ اسٹاس اس زمانہ کے مشہور بُت تراش گذرے ہین جو لکڑی کے بُت بنایا کرتے تھے - نیورنبرک کا خاندان ورچر تین پشتون تک مشہور رہا - اس خاندان مین پیٹر وزچر اُستاد فن تسلیم کیا جاتا ہے - اسکے مشہور کامون مین آرچ اور پشپ کی قبر تھی جو میگڈیبرگ کے گرجے مین اب تک موجود ہے

سولہوین صدی عیسوی فن اطالیہ کا زمانہ زوال تھی - فرانس نے بھی جو کچھ کیا اٹلی ہی کی تقلید مین کیا بنونیوٹو سیلنی کا اثر اس صدی مین تمام فرانس پر غالب تھا - جین گوجن (المتوفی ۱۵۷۲ء) اس زمانہ مین فرانس کا مشہور بُت تراش گذرا ہے - اسکی بنائی ہوئی ڈائنا کی مورت جولاور مین موجود ہے حُسن شے اور کمال فن کی ایک یادگار ہے - جرمنی مین شروع شروع خاندان وزچر کا اثر غالب تھا مگر آخر حصہ صدی مین اٹلی کا اثر غالب ہوگیا - انگلستان اس زمانہ مین جرمنی کے اثر سے متاثر تھا جسکا ثبوت اُن مورتون سے ملتا ہے جو ویسٹ منسٹر مین ہنری ہفتم کے گرجے کی دیوارون پر نصب ہین -

سترہوین صدی عیسوی مین انگلستان - فرانس اور جرمنی مین یہہ فن تنزل کی حالت مین رہا - اٹلی مین صرف برنی نائی ایک شخص نیپلس کا رہنے والا تھا جسکی اپالو اور ڈلفینی کی مورتین عجیب لطافت و کمال کی نظیرین ہین اٹھارہوین صدی عیسوی مین اٹلی مین کوئی رونو - کوراڈائی نائی اور سمارٹینو نے چند لاجواب بُت بنائے جو سینٹ میر یادی سانگرائی کے گرجے مین ابتک موجود ہین انگلستان مین اس صدی مین یہ فن فلانڈرس اور دیگر غیر ملک والون کے ہاتھ مین تھا - انگریز بُت تراشون مین صرف جان بیکن اور جان فلیکسمین صاحب شہرت گذرے ہین - فرانس مین اس زمانہ مین جین انٹونی ہانڈن تھا جو اس فن مین عجیب غیر معمولی دسترس رکھتا تھا - اسکے بنائے ہوئے چند بُت اسکے کمال کے آجتک

داد طلب ہین - جرمنی مین بُت تراشی کے شوق کی آگ جو گذشتہ صدیون مین بجھہ چلی تہی اس زمانہ مین سُلگ اُٹھی مگر بجائے زمانہ اوسط کے طرز کے قدیم یونانی طریقے کی پیروی کیجانے لگی جسمین اعلیٰ درجے کی کامیابی کبھی حاصل نہوئی - انیسوین صدی کے آخر مین ترقی کی رفتار ذرا تیز ہوئی اور جرمنی نے چند ایسے بُت تراش پیدا کئے جو اپنے فن مین کسی قدیم وجدید شخص سے کم درجہ پر نہ تھے - کارپو اس زمانہ مین سب سے زیادہ مشہور تہا -

فن بُت تراشی مین جو ترقی عیسائیون اور بُت پرستون نے کی اوسکا کسیقدر اندازہ ناظرین کو ہوگیا ہوگا - رہے مسلمان - اُنھین اس فن سے کوئی مناسبت نہ تھی بلکہ اگر کچھہ تہا تو بغض ہی تھا - اونکا مذہب بُت پرستی و بُت تراشی دونون کا دشمن اور سخت دشمن ہے - پھر بھی بعض مسلمان بادشاہون کے محلات مین بُت اکثر سجاوٹ کے طور پر رکھے جاتے تھے - شاہان اودہ کے باغون اور محلات مین بُت آراستہ تھے مگر یہ نہین کہا جاسکتا کہ یہ مسلمانون کے بنائے ہوئے تھے یا غیرون کے - بلکہ قیاس کا رجحان زیادہ تر آخر الذکر اشخاص کی جانب پایا جاتا ہے موسیو لی بان نے ایک خلیفہ مصر کے محل کا حال لکھا ہے "جسکا قصر اُسکے محل کی بیبیون کی مورتون سے بھرا ہوا تھا" اندلس کی تاریخ مین اس قسم کی بہت سی نظیرین پائی جاتی ہین - عبدالرحمن اعظم کے قصر اور اوسکی بیگم کے محل مین بکثرت بُت سجے ہوئے تھے مگر بقول اوسی مصنف کے "عربون کی بُت تراشی کے بہت ہی ٹوٹے پھوٹے نمونے ہم تک پہونچے ہین - ان مین الحمرا کی بیت العروس کی عجیب مورتین اور پیسا کے کامپوسنٹو کی کانسی کی بنی ہوئی نصف شیر اور نصف باز کی مورت اور فورٹونی کے عجائب خانہ کا وہ کانسی کا شیر جسکے مُنہ سے فوارہ جاری تہا رہ گئی ہین لیکن یہ نمونے زیادہ تر اُس حرفتی صناعی کی مثالین ہین جو کسی خاص ضرورت کے بنائی جاتی ہین اور اونکو فنی اعتبار سے بُت تراشی کے نمونے نہین کہہ سکتے -

محمد معشوق حسین خان

قصیدہ

فی التغزل والنعت

قسمت پہ عزیزانِ کرون کیون نہ مباہات — کس عربدہ جو سے ہوئی ہے آج ملاقات
توڑی اثر نالہ نے جب مہر لب ضبط — کس شوق سے کہنے لگے طوماشکایات
کام آہی گیا گریہ بیتابیِ فرقت — اک عمر سے نکلے ہی نہ تھے دل کے بخارات
دن ختم جو ہوتا تھا تو کرتا تھا دعا مین — اللہ کرے خیر سے کٹ جائے کہین رات
بیربطیِ شیرازۂ اجزائے طبیعت — اسطرح کہ جیسے ہو پریشانیِ ذرات
اک قہر تھا مجبوری و دعوائے محبت — برسون سنی ناصح کی وہ تقریر خرافات
کیا پوچھتا ہی لذتِ آزادگیِ عشق — جکڑے ہوئے تھی پاؤن کو بنجیر خیالات
دل تا جگر اک ایسا بیابان تھا کہ توبہ — رونی کی فقط ایک صدا آتی تھی دن رات
گہہ لب پہ مرے بتکدہ مین یا صنم آیا — کعبہ مین پکارا کبھی ای قاضی حاجات
ہر شب تھی پرستاریِ اوہام جنون خیز — ہر صبح تھی درگاہ محبت مین مناجات
اللہ رے وہ بیخودی شوق کا عالم — کوشش تھی کہ ہو جائے کہین تم سے ملاقات
وہ دل جو تھا خمیازہ کشِ لذتِ وصلت — اسوقت نہ پوچھ اس دل سرگشتہ کے حالات
تجھ کو اثر جذبہ عاشق کی قسم ہے — اب دی مرے ان چند سوالون کو جوابات
تا چند سراسیمہ رہون صورتِ سیماب — فرمایا کہ جب تک رہی شوخی اشارات
مینے یہ کہا ہوگا ستم مجھ پہ کہان تک — فرمایا یہ جب تک کہ رہین تجھ پہ عنایات
کی عرض یہ مینے کہ رقیبون پہ نوازش — فرمایا وہ در اصل ہین شایان مراعات
مینے یہ کہا آئے ہو مقتل مین تہیدست — فرمایا کہ کافی ہین مرے چند اشارات

مینے کہا زندہ ہین شہیدان محبت
فرمایا تجھے قتل کرونگا پیے اثبات

مینے یہہ کہا دل مین بہر کتا ہے جہنم
فرمانے لگے ہی یہ محبت کی مکافات

مینے یہ کہا جاؤن گا اب میکدہ کو مین
اک جام پیون گا پیے تردید خیالات

غصہ سے کہا چشم فسونساز کو مل کے
لے دیکھہ لے سب کیفیت بزم خرابات

مین نے اثر نالہ مجنون جو سنایا
بولے کہ نہین معتبر اب ایسے حکایات

دریافت جو کی ماہیت برق تجلی
فرمایا یہ ادنی ہی مری رمز و کنایات

پوچھا دل گم گشتہ کو اپنے کہ ہوا کیا
فرمایا کہ لازم نہین اندیشہ ما فات

مینے یہ کہا وصل تو ممکن ہی پس مرگ
بولے مرے نزدیک ہی تاویل خیالات

مینے جو کیا وصف جمال مہ کنعان
فرمایا ملاحت ہی نہین جب تو ہی کیا بات

مینے یہ کہا عشق کی خلقت ہوئی پہلے
فرمایا غلط سب سے مقدم ہی میری ذات

اس چھیڑ سے مطلب تو غرض ہو گیا حاصل
گستاخی تقریر میری رہ تو گئی بات

ہان ہان مجھے یاد ہی خفا کس لئے ہین آپ
سرحلقہ ارباب شہود آپ ہی کی ذات

مینے یہ کہا وصل تو ثابت ہے مری جان
کیا بھول گئے تم شب معراج کی حالات

فرمایا کہ ابرو تھے وہان بھی تو کشیدہ
تھے دونون کمانون مین جدائی کی اشارات

مینے یہ کہا ہاتھ سر دوش تہا کس کا
فرمایا نہ پوچھ اسکو وہ تھی اور ہی اک بات

کس نے لیا تہا بوسہ پا ہائے مبارک
یہ تو مجھے بتلائے اے قبلۂ حاجات

فرمایا وہ تہی عرش الہی کی جسارت
مانع ہوئی مجھ کو روش حسن مراعات

مینے کہا فرمایئے خلوت مین رہا کیا
فرمایا یہ ہین راز نہ کر ایسے سوالات

بہتر ہے کہ پڑہ مدح مین میری کوئی مطلع
تا خلق پہ ظاہر ہو ترا جوش موالات

سایہ بھی جدا جسم سے ہوتا نہین دن رات
زور کشش حسن خداداد کی کیا بات

یہ کہکے ترے حلقۂ گیسو مین چلا دل
ہی آج ہمارے لئے معراج کی یہ رات

کیا ذکر مرا دل بہی ہی میرے تو زبان بہی
مشتاق رہی تجھ سے تکلم کے جمادات

سو فی مین بہی واچشم حقیقت نگری ہی
یکسان ہی ترے واسطے سب دن ہو کہ ہو رات

ہون راز جلی یا کہ خفی تجھ پہ ہویدا
تو دیکھہ رہا ہی عقب و پیش کے حالات

تو شارح آیات کتاب فتدلی
خلوتکدہ حسن کی ہمراز تری ذات

ہر جامۂ نو قامت موزون پہ مزین
کرتا ہی ترے پیکر نازک پہ مباہات

اللہ ری شوخی تری اک چشم زدن مین
طے تو نے کئے ہین حجب عرش و سموات

کس منہ سے کہون کیفیت لذت تقریر
اللہ قسم وحی سمجہتا ہون تری بات

زلفون سے تری چین جبین کا ہی اشارہ
ہو معجزہ شق قمر آئی ہے اب رات

کہتے ہین اسی واسطے تجھ کو ابو الارواح
تہا نور ترا مظہر ارضین و سموات

وہ مہر نبوت ہے نہین سنگ حرم کچہہ
ہان تو ہمہ تن کعبہ ہی اے قبلہ حاجات

ہی قصد بناؤن کا الگ عرش محبت
کرتا ہون بہم جمع تری راہ کی ذرات

کرتا ہون ترے نام پہ ختم اپنا قصیدہ
دو رصلوات اب ہو کہ ہی جوش موالات

محمود و محمدؐ شرف عالم و آدم
میر عرب و میر عجم سید سادات

مرزا محمد ہادی عزیز

کلیات اکبر - یعنی خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب کا کلام اعجاز التزام جسکا چشم اشتیاق کو مدتون سے انتظار تہا - چھپ کر تیار ہے - حجم ۳۰۰ صفحے قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک -

دفتر دکن ریویو سے طلب کیجئے -

نامہ روح

تمہید

علوم طبیعات مین روز بروز نئی تحقیقاتین اور استکشاف ہو رہے ہین اور اب تک ایسی ایسی باتین دریافت ہوئی ہین کہ جنکے سننے سے انسان کو حیرت ہوتی ہے۔ زمانہ کی رفتار ترقی پر ہے اور ہر ایک قوم اپنے اپنے زمانہ مین صفحہ ہستی پر اپنی امٹ یادگار چھوڑ گئی ہے۔ فلسفہ اور علم طبیعی و کیمسٹری نے مذہبون کو بنیاد سے ہلا دیا ہے اور جس ملک مین ان علوم نے ترقی کی ہے وہان الحاد اور دہریت پھیل گئی ہے۔ لوگون کے عقاید مین فرق آگیا ہے اور مذہبی پابندیون سے آزاد ہو گئے ہین۔

یورپ کے اکثر ممالک مذہب کا طوق صرف ملکی مصلحت کی وجہ سے گردن مین ڈالے ہوئے ہین ورنہ اگر پولیٹیکل مصلحتین مانع نہ ہوتین تو اب تک دین عیسوی کا کبھی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔

حال مین ریویو آف ریویوز کے مطالعہ سے مجھے اس نئے استکشاف کا حال معلوم ہوا ہے جس سے مردہ لوگون کی روحین بعد مرگ بھی دنیا مین اپنا پیام بھیج سکتی ہین۔ اب یہہ واقعہ خواہ جھوٹ ہو یا سچ مگر اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مین یہہ کہہ سکتا ہون کہ بیشک یہہ تحقیقات بے بنیاد نہین۔ مجھپر جو واقعہ گذرا ہے اگرچہ میرے قوائے ذہنی کے اعتدال کے فقدان کا باعث ہی کیون نہ قرار دیا جائے مگر اُس نے میرے دل و دماغ پر کچھہ ایسا اثر کیا ہے کہ مجھے اس پر ایمان لانے مین ذرا بھی تامل نہین۔

پرسون کا ذکر ہے کہ مین نے رات مین یہہ خواب دیکھا کہ کوئی شخص جسکی صورت اور نام سے میری آنکھین اور میرے کان آشنا ہین مجھہ سے اُن واقعات کا ذکر

کر رہا ہے جو اوسکو دنیا اور عاقبت مین پیش آئے ہین اور مین انہین قلمبند کرتا جاتا ہون
صبح کے وقت جب مین بیدار ہوا تو مین نے اپنے پلنگ پر کاغذ کے چند
صفحے پائے - میرے استعجاب اور حیرت کا کون اندازہ کرسکتا ہے کہ جب ان صفحات
کے پڑھنے پر مجھے یہہ معلوم ہوا کہ یہہ وہی حالات ہین جنکو مین نے عالم خواب مین
قلمبند کیا تہا مین اُن حیرت انگیز حالات کو ناظرین دکن ریویو کی دلچسپی کے لئے ذیل مین نقل کرتا ہون -

اندور - ۲۲ فروری ۱۹۰۹ء منظور حسن

میری زندگی کا ابتدائی دور جو تین یا چار برس سے زیادہ نہین رہا ایک
بے لوث زندگی کا نمونہ تہا - اسوقت تک میری زبان حیلہ سازیون اور دروغ گوئیون سے
آشنا نہ تہی - میرے دل کا آئینہ گناہون کی کدورت سے آلودہ نہ تہا - ان دنون
میرا تتلا تتلا کر باتین کرنا سُننے والون کے دلون کو لُبھاتا تہا اور میری شوخیان لوگون کو
برانگیختہ کرنیکی بجائے اُنسے میرے لئے پیار اور محبت کا خراج طلب کرتی تہین -
ماں باپ کے علاوہ اغیار و اجانب بہی مجھے پیار کرتے گودیون مین کہلاتے اور
میرا دل خوش کرنے کے لئے خود بہی میری طرح الفاظ بگاڑ کر بولتے تہے -

یہہ اچہا زمانہ آنکہہ بند کرتے ہی گذر گیا اور اب وہ دور حیات شروع ہوا کہ
جب اول اول میری زبان والدین کی خفگی کے خوف اور اُستادون کی ناراضگی کے
ڈر سے حیلہ بازیون اور دروغ گوئیون سے آشنا ہوگئی - اب مین ایک ایک دن مین
کئی کئی بار جہوٹ بولنے لگا مگر افسوس اس جہوٹ پر بہی مین اپنے والدین کے ناصحانہ
عتاب اور شفیق اُستاد کی جائز سختی سے نہ بچ سکا -

جون جون میری عمر کے ساتہہ میری قوتین بڑہتی گئین اُن قوتون کے ساتہہ
مذموم خصلتین بہی ترقی پذیر ہوتی رہین حتی کہ اکثر بُری عادتین میرے دل مین ایسی
راسخ ہوگئین کہ گو ان کو بعد کے زمانہ مین مین نے ترک کرنے کی کوشش بہی کی مگر ناکام رہا

لڑکپن مین جھوٹی شیخی بے معنی تعلی لغو خوشامد پسندی کی عادتین پیدا ہو گئین - نوکر چاکرون کی خوشامد آمیز باتین سن سن کر اپنی تعریف اپنے مُنہ پر سُننے کا مین گویا عادی ہو گیا تہا - اپنے غریب ہمسایون کے لڑکون کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ان پر حکم چلاتا اور بسا اوقات شرارت کی ستم ظریفی سے انکی برہنہ پشت پر چابک مار دیتا تہا اور وہ بیچارے رو پیٹ کر چپ ہو جاتے تہے - بارے صد شکر کہ زمانہ طالب علمی مین ایسے ساتھیون کے ساتھہ سابقہ پڑنے کے باعث کہ جن مین اکثر اپنی دانشمندی اور سوشیل پوزیشن کے لحاظ سے مجھہ پر کہین فوقیت رکھتے تہے میری جھوٹی شیخی کی مذموم اور ناروا عادت زائل ہو گئی -

مگر ان کی ہمنشینی نے میرے دل مین غریب لوگون کی طرف سے پہلے سے زیادہ رکاوٹین پیدا کر دین اور میری حقارت کو بڑہا دیا -

جب مین ذرا چونچال ہوا تو اپنے وطن کے سرکاری مدرسہ مین حصول تعلیم کے لئے داخل کر دیا گیا - یہان دو تین سال تک پڑہنے کے بعد ایک قومی دارالعلوم مین بہیج دیا گیا جہان مجھے ایسے ایسے ساتھیون سے سابقہ پڑا کہ جن مین اکثر مجھہ سے زیادہ صاحب دولت مجھہ سے زیادہ توانا و تندرست مجھہ سے زیادہ ذہین و فرزانہ مجھہ سے زیادہ عاقل و دانا مجھہ سے زیادہ لایق و فایق تھے - یہان ہر ملک اور ملت کے لوگ پڑہتے تھے - مین نے اپنے ہم مذاق اور ہم مشرب دو ساتھی تلاش کر لئے یا دوسرے لفظون مین یون کہو کہ انہون نے مجھے اپنا ہم مذاق پاکر مجھے اپنی پارٹی مین شریک کر لیا -

ہم تینون کی خوب گہری چھنتی تہی - ایک جگہہ رہنا سہنا - اٹھنا بیٹھنا - کہانا پینا کبھی شعر و سخن کا چرچا - کبھی کرکٹ اور فٹ بال کی باتین - کبھی امتحان کے ذکر و اذکار کبھی استادون کے برتاؤ پر رائے زنی کبھی اپنی آیندہ زندگی کی بابت پیشین گوئی

کبھی اپنے ساتھیون کی نسبت بُرائی بھلائی کے تذکرے اور دیگر مزخرف باتین ہوا کرتی تھین۔ کبھی بورڈنگ ہاؤس کی اندرونی سازشون وہان کی مختلف پارٹیون کی باہمی مخالفتون مین حصہ لیا۔ کبھی کسی کے استیصال کی فکر کی۔ کبھی کسی کو رسوا کرنے کے شورے کئے کسی پر تہمت تراشی۔ کسی پر الزام لگایا۔ کبھی خود متہم ہوئے بدنامی اٹھائی۔ غرض یہہ کہ چندے یون ہی گذاری لیکن مآل کار ان آئے دن کی رشہ دوانیون سے جی اکتا گیا۔ طبیعت گھبرا گئی اور آخر کار ہم تینون دوستون نے بورڈنگ ہاؤس سے قطع تعلق کیا اور کالج کے قریب ہی ایک بنگلہ کرایہ پر لے لیا۔

نومبر کی ۲۲ تاریخ تھی خزان کا عمل دخل ہو چلا تھا ہوا مین خنکی آگئی تھی۔ صبح کے وقت مونہہ سے بھاپ نکلنا شروع ہو گئی تھی۔ فجر کو پلنگ سے اُٹھنے کو جی نہین ہوتا تھا۔ زاہدان عبادت گذار و عابدان شب زندہ دار تک بستر سے مفارقت کرتے کچیاتے تھے۔ پھر بھلا ہم ایسے شقی القلب و سراپا آلودہ معصیت و بیگانگان عبادت کا تو کیا پوچھنا کہ جنہون نے کبھی سجدہ کی جگہہ قبلہ کی طرف اکھڑ کر گرنے کی بھی کوشش نہین کی۔

خدا خدا کر کے آفتاب نے گوشہ مشرق سے سر نکالا۔ ادھر ہم یاران سرپل نے بھی یکے بعد دیگرے دو دو چار چار منٹ کے وقفے سے اپنا اپنا نرم بستر چھوڑا۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر میرے دونون دوست تو مدرسہ کا کام کرنے کے لئے علٰحدہ کونون مین اپنی اپنی میزون کے قریب بیٹھہ گئے اور مین کہ جس نے اپنا کام رات ہی کو کر لیا تھا شمالی رُخ کے برآمدے مین آرام کرسی پر اپنی دونون ٹانگین اُسکے دونون بازوؤن پر پھیلا اور پائپ سلگا کر نیم دراز ہو گیا۔ مجھے اس حالت مین بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ میری نظر اِس مکان کی ایک کھڑکی پر کہ جو ہمارے بنگلہ کے احاطہ کی دیوار کے متصل تھا پڑی۔ یہان میری ان نابکار آنکھون کو کچھہ

ایسا ایمان فریب جلوہ نظر آیا کہ جسنے آگے چلکر میرے گناہون کی فہرست مین ایک اور بڑا جرم بڑہا دیا۔

شیطان کمبخت شیطان جو ایسے موقعون کی تاک ہی مین رہتا ہے آن موجود ہوا اور اُدہر اُس کے اور ادہر میرے دل مین ایک ہی سے جذبات کا محرک ہوگیا۔

چونکہ میرے والدین کو میری دنیوی بہبودی کا میری دینی منفعت سے زیادہ خیال تہا اسلئے اُنہون نے اپنی تمام کوشش صرف میری دنیوی تعلیم پر صرف کردین اور مجھے دینی تعلیم سے قطعاً محروم رکہا۔ جس کا یہہ نتیجہ ہوا کہ دل مین سوائے خالی عقیدت کے اور کچہہ نہ تہا۔ اگر مین خدا اور خدا کے رسول کا قائل تہا تو صرف اس وجہہ سے کہ مین نے اون لوگون کو ان کے نام کی تقدیس کرتے دیکہا تہا کہ جن کی عظمت میرے دل مین تہی اور جنہون نے مجہہ کو پال پوس کر بڑا کیا تہا ورنہ بذاتہ میرے دل مین مذہب کی کوئی وقعت نہ تہی۔ یون دنیا دکہلاوے کو مین چاہے جو کچہہ بہی کہتا تہا۔ اور حقیقت مذہب پر بحث کرتے ہوے مین نے اپنے خیالات کا اظہار خواہ کیسی ہی مدلل اور موقر طریقہ پر کیون نہ کیا ہو مگر اس کی حقیقت ضرب المثل والے ڈہول سے زیادہ نہ تہی۔

شباب کا عالم جوانی کی ترنگ۔ طالب علمی کا زمانہ بیفکری کے دن۔ عشق ہواہی چاہے۔ اب کیا تہا ہم بہی لہو لگا کر شہیدون مین مل گئے اور عشاق نامدار کی فہرست مین اپنا نام لکہوالیا۔ دن رات کسی کے پیارے تصور سے جی بہلانے اور حسب حال اشعار پڑہ پڑہ کر عشق کے جن پر افسون پہونکتے تہے۔

اُدہر دوپہر کی توپ دغی ادہر کہڑکی باب اجابت کی طرح کہلی اور کسی کی بالاخانہ پر کوہ طور کا سمان نظر آنے لگا اور ہم بہی کلیم وار ارنی ارنی کہتے کمرے سے نکل پڑے

اشارون کی تاربرقی کے ذریعہ سے باہم گفتگو ہونے لگی۔ کسی کا کبھی لجانا۔ کبھی مسکرانا کبھی شرماکر مونہہ پھیر لینا۔ کبھی ترچھی نگاہون سے دیکھنا۔ کبھی چین بہ ابرو ہوجانا ہمارے دل پر بجلیان گراتا تہا۔ اور یہہ حالت تہی کہ کبھی ہاتہہ جوڑتے کبھی سر نہوڑاتے کبھی گڑگڑاتے کبھی دل پر ہاتہہ رکھ کر قلب کی بے چینی ظاہر کرتے۔ کبھی آہ سرد کھینچ کر دل کی اُلجھنون کے پتے بتاتے کبھی قلم تراش دکھا کر خودکشی کی دہمکی دیتے۔

یار دوست کالج مین پروفیسر کے لکچر سُنتے تہے اور ہم یہان گہر بیٹھے عشق کا درس لیتے اور حُسن کے قصاید و غزل کا حاشیہ دیکھتے تہے۔ یاران ہم طریق حیران و سرگردان کہ ہم مدرسے کیون نہین جاتے یہان کوئی حیلہ قابل تصنیف ہو تو تراشین۔ ناچار بیماری کا جہوٹا بہانہ بنایا اور یون بات کو ٹالنا چاہا۔ مگر عشق اور مشک کبھی نہین چہپتی۔ آخر ایک دوست کو ہماری محبت کا حال معلوم ہوگیا۔

اگرچہ یہہ بہی اپنی وضع مین ایک باذاق اور قلندر طبیعت شخص تھے مگر دل کی کمزور اور اخلاقی جرأت سے بے نصیب۔ ہماری خوشامد مین آگئے اور رازداری کا وعدہ کرلیا۔ مگر قسمت مین رسوائی بدی تہی۔ آخر دوسرے دوست پر بہی یہہ راز منکشف ہوگیا۔ یہہ حضرت مزاج کے دارستہ عقل کے دشمن طبیعت کے ضدی مگر باین ہمہ نیک نفس تہے۔ انہون نے اول ڈانٹا۔ ڈرایا۔ دہمکایا پہر بہلایا پہسلایا اور سمجہایا۔ غرض جب ان کی کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو حضرت نے مذاق اوڑانا ہم کو بنانا چٹکیون مین اُڑانا فقرے کسنا پہبتی کہنا شروع کیا۔

لیکن ہم نے ان حضرت کو بہی پٹی پڑہائی اور بصد منت و لجاجت ان کو بہی آمادہ مددگاری کرلیا۔ جب ہر طرف سے اطمینان اور سب انتظام ہوگیا تو عین کریال مین غُلہ لگا یعنی ہماری محبتون کا راز افشا ہوگیا۔ ہمارے عشق کا فسانہ ہر جگہہ پہیل گیا۔ میری معشوقہ

کے رشتہ دارون نے میری گہات مین آدمی بٹہائے - ناتجربہ کاری نے دام مین پہنسا دیا مگر خیر یہ گذری کہ عین وقت پر مجہے اپنی سلامتی کی ایک تدبیر سوجہہ گئی ورنہ وہ بے بہاؤ کی پڑتین کہ چہٹی کا دودہ یاد آجاتا - اتفاق سے میرے دونون دوست ایک محفل رقص سرود مین گئے ہوئے تہے اگر کہین وہ اس وقت موجود ہوتے تو ہنگامہ ہوجاتا بلوہ تک نوبت پہنچتی اور خدا جانے کیا کیا فضیحتے ہوتی -

رسید بود بلائے ولے بخیر گذشت

اس ناشدنی واقعہ کے بعد میرے دل پر کچہہ ایسا خوف طاری ہوا کہ بار دیگر محبت کے سلام و پیام کی ہمت یارا زونیاز کی باتین کرنے کی جرارت نہ پڑی -

بارہا اُس ستمگر کے اشارے اپنے ساتہہ دیکہے - اوس کو اپنے روبرو ہاتہہ جوڑتے پایا - اسکی میگون آنکہون کو پُرنم دیکہا مگر دل بیٹہہ چکا تہا اور عشق کی پہلی ہی منزل مین میری ہمتون اور حوصلون کا خاتمہ ہوچکا تہا -

میری طرف سے جب اُس نے یہہ اغماض اور استغنا پایا اور ایسی دل شکن بے اعتنائی اور بے پروائی دیکہی تو ایک روز ایک مشاطہ کی معرفت میرے نام ایک رنگین اور معطر کاغذ پر اپنے اظہار حال مین ایک خط لکہا - اپنی بے تابی - بے قراری - بے چینی - پریشانی - دل کی جلن - سینے کی سوزش - جگر کی کاوش آنکہون کی جوننابہ فشانی کا حال تحریر کیا - خدا اور اوس کے رسول کا واسطہ اور اپنے سر کی قسم دی اور یہہ بہی رقم فرمایا کہ " اگر کوئی ہمارا کہنا نہ مانے تو ہماری بہتی ہی کہائے - ہم کو ہے ہے کرے ہمارہ جنارہ ہی دیکہے ہم کو ہی پیٹے " خاتمہ خط پر بجائے نام یہہ شعر لکہا -

میرے دل کو یون مٹایا کہ نشان تک نہ رکہا
مین لپٹ کے رو تو لیتی جو کہین مزار ہوتا

مرد خاص کر اس بارہ مین نہایت سادہ لوح اور بیوقوف واقع ہوا ہے۔ کتنا ہی دانا وفرزانہ کیون نہ ہو جہان کسی پیاری اور من موہنی صورت والی نے اشارتاً کنایتاً یا لساناً کہدیا کہ مین تم پر جان دیتی ہون جی دارتی ہون تو بس یہہ حضرت سب کچھہ بھول جاتے ہین۔ نہ فرزانگی باقی رہتی ہے نہ دانائی نہ عقل باقی رہتی ہے نہ بینائی۔ اب یہہ جو کچھہ دیکھتا ہے تو اسی مہ طلعت اور قمر لقا محبوب کی آنکھہ سے اور جو کچھہ سُنتا ہے تو اسی شیرین ادا کے ترانہ سنج کانون سے اور جو کچھہ بولتا ہے تو اُسی غنچہ دہن کے موہنہ سے۔ مین پھر دوبارہ اس زاہد فریب ایمان کش حسین عورت کے طلسمی خط کے اثر سے اسکے دام زلف مین گرفتار ہوگیا۔ اب کیا تھا اس کے خط نے نامہ وپیام کی راہ کھول دی۔ اب تو بات بات پر کاغذی گھوڑے دوڑتے تھے۔ روزانہ خطوط کے ذریعہ سے گفتگو ہوا کرتی تھی۔

جب ہمارے تعلقات کی ابتدائی حالتون مین مضبوطی پیدا ہوگئی اور گرد وپیش کے واقعات ہماری ناجائز تمناؤن کے برلانے کے کفیل ہوگئے تو شیطان نے نفس امارہ بن کر ہم کو ارتکاب معصیت پر آمادہ کیا اور ہم دونون کو قعر ضلالت مین دھکیل دیا۔

جھوٹ کے پانون نہین ہوتے۔ چندے لطف صحبت رہا۔ مگر تا بکے۔ آخر ہماری محبتون کا راز افشا ہوگیا۔ لوگون مین اس کے چرچے ہونے لگے اور اُس کے عزیز وقریب میری پرخاش پر آمادہ اور میری تخریب پر تیار ہوگئے۔

معاملات اور واقعات کی یہہ صورت دیکھہ کر مین نے اس مقام کے ترک کرنے کا قصد کرلیا اور ایک دن اپنے دوستون کی مدد سے چپ وچاپ وہان سے روانہ ہوگیا۔

بجائے اس کے کہ میرے دل مین اس گناہ کا انفعال ہوتا مجھے اپنے کئے پر

پشیمانی ہوتی ہین اپنے کردار بد سے بچتا کر ندامت کے آنسو بہاتا خدائے قہار کی درگاہ مین ماتھا رگڑ رگڑ کر عفو تقصیر چاہتا ہین اپنی بداعمالیون پر فخر کرتا تہا اور ہم وطن احباب کے روبرو اس واقعہ کو فخر کے ساتھہ بیان کرتا اور اس کو اپنی زندگی کی بڑی فتوحات مین سے سمجھتا تہا۔

میری ظاہری صورت بڑی دہوکا دینے والی تہی۔ میری سیدہی سادہی طرز گفتگو مین بس ملا ہوا تہا۔ میری حرکات سکنات کے ظاہرا انداز سے میری نیکوکاری ٹپکتی تہی۔ اجنبی تو بہلا کیا جان سکتا تہا خود میرے بزرگ میرے ہم عمر دوست تک اس امر سے ناواقف تہے کہ مین گرگٹ کی طرح رنگ بدل سکتا ہون اور شعبدہ بازون کی طرح نظر کو دہوکا دے سکتا ہون۔

مین نشہ جوانی مین ایسا چور تہا کہ میرے دل مین بہولے سے بہی کبہی موت کا خیال نہ گذرا تہا مین لوگون کو مرتے دیکہتا تہا اور اپنے آپ کو گویا لافانی سمجہتا تہا مگر موت گہات لگائے بیٹہی تہی۔ آسمان میرے گہمنڈ پر ہنس رہا تہا۔

ابہی مین غفلت کی نیند سوہی رہا تہا کہ یکایک ایک مہلک مرض مین گرفتار ہوا اوّل اوّل تو مجہے اپنے مرنے کا وہم وگمان بہی نہ تہا مگر جون جون وقت گذرتا گیا یہہ تکلیف زیادہ ہوتی گئی مجہے اپنی موت کا تیقن ہوتا گیا۔

اب میری آنکہین کہلین تو دیکہا کہ میری وہ ہستی جس پر مین اس قدر نازان تہا کہ اپنے روبرو کسی کی کوئی حقیقت نہ سمجہتا تہا محض بے بود تہی اور اس کی تار و پود کی وقعت تار عنکبوت سے زیادہ نہ تہی۔

میری عمر کی آخری گہڑیون مین میری تمام بداعمالیان میری آنکہون مین پہر رہی تہین۔ مجہے اپنے اوقات برباد رفتہ کا پچہتاوا آرہا تہا۔ مین رہ رہ کر اپنی غفلتون پر پشیمان ہوتا اور اپنی معصیتون پر ندامت کے آنسو بہاتا تہا مگر کوئی آواز یہ کہتی ہوئی

سنائی دیتی تہی کہ او سراب زندگانی کے فریب خوردہ انسان اور اے دنیا کی عیش و عشرت مین پھنس کر خدا کو بھول جانے والے ناشکر بندے اب ٹسوے بہانے سے کیا فائدہ اب کہ تجھہ پر باب توبہ بند کر دئے گئے ہین توبہ کرنے سے کیا حاصل۔

اس وقت میری جان دو طرح کے غمون مین پھنسی ہوئی تہی۔ ایک تو بھری جوانی مین دنیا سے ناکام اُٹھہ جانے کا صدمہ عزیز و اقارب سے دائمی مفارقت کا قلق یار دوستون سے چھٹنے کا ملال۔ کالج کی زندگی کے لطف میلے تماشون کی بہارین اور ان کی یاد دل کو مسوس رہی تہی اور بار بار یہہ خیال آتا تہا کہ آہ اس صفحہ دنیا پر ہم نہون گے اور ہمارے ہم چشم ہمارے بعد بہی یون ہی گلچہرے اڑائین گے جیسے ہماری موجودگی مین اُڑاتے تہے۔ دوسرا رنج اپنے کردار کا تہا کہ جو بار بار ہوک کی طرح اُٹھتا اور مجھے بے چین کر کر دیتا تہا۔ آہ آتش دوزخ کا نقشہ میری آنکھون مین پھر رہا تہا اور وہان کے مہیب مناظر کی تصور نے میری زندگی ہی مین مجھے پا در آتش کر دیا تہا۔

مین انہین متضاد خیالات مین پھنسا ہوا تہا کہ قابض ارواح نے میری روح کو میری بدن سے کھینچ لیا۔ اور میری اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

آہ سکرات موت اور عالم نزع کی تکلیف کا بیان میری قوت بیانہ سے باہر ہے دنیا کی کوئی اذیت اور تکلیف اس درد جانستان کی مثال مین پیش نہین کی جا سکتی۔

مین نے سنا ہے کہ خدا کے نیک بندے اور اس کے تابع فرمان انسان کہ جو اُس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہین وہ سکرات موت کی تکلیفون سے اس قدر نہین ستائے جاتے جسقدر کہ ایک گنہگار اور روسیاہ بندہ نافرمان ستایا جاتا ہی۔

(باقی آیندہ)

مستمط مخمس

در مدح جناب نواب محمد لطف الدین خان بهادر

درین زمان دلکشا بفیض نوبهارها — بساط سبزه منبسط میان کشت زارها
سحاب تیره روی گل بشسته از غبارها — کنند شور هر طرف بشوق او هزارها
چو عاشقان خسته دل با شتیاق یارها

فگنده است بر زمین بساط تازه تابها — دمن شده ز مردبن چمن پشنده است ز رنگار
کشیده اند نخلها بسان شاهدان قطار — صدای کبک و فاخته نوای قمری هزار
بلند شد ز چار سو بدشت و کوهسارها

بیا ببلغ و کن نظر بحسن احتشام گل — میان نرگس و سمن نظاره کن مقام گل
بزنگ باده از مطر لباب است جام گل — ز شور بلبلان ببین بگلشن ابتسام گل
زرد رد عاشقان نه شد از رنگ غذارها

شمیم راز گلستان نسیم میکشد عنان — که تا رسد عبیر آن بمغز نازک بتان
چو طبله های مشک مملو است بوستان — چو توده های عنبر است روح را ز تو توان
نثار او هزار چین فدایش صد هزارها

بباغ زاغ مرغ ها با نشراح بالها — بشوق طیر در هوا کشاده اند بالها
چو دلبران تند خو بشوخی و دلالها — بدشت و کوه ز چار سو کنند رم غزالها
فرق فرق یگان یگان بجمله رهگذارها

فضای روضه ارم بگشت زارها نگر — صفای کوثر جنان در آبشارها نگر

ترانه هزارها بشاخسار ها نگر مرا خموش و تشنه دل در انتظار ها نگر
بسوز شمع قامتی بجان و دل شرارها

پری رخا سمن بر ا بخرش غشوه ازین مپیچ ز بندگان رام تو چه این چه آن چه چیز هیچ
برای کشتگان خود مکن کمان تازه مکن خراب شهر و ده مزن بزلف خم بخم گره
که شد اسیر دام تو چو من دل هزارها

به طاق نه کتاب دین که دین فروش نیستم ز فرط مستی و خوشی بعقل و هوش نیستم
اگرچه اندرین زمان بنای نوشی نیستم زماه طلعتان کهی خموش نیستم
باشتیاق رویها و زلفها و تارها

درین بهار دلستان چمن شده است گل فشان روان بباغ سرخوشان بصد نشاط و دوستان
خورندمی ز نند دف بخرمی بپوستان گرفته اند در چمن سمن بران نوجوان
بدستکی ایاغها بدستکی ستارها

هوا خوش است و فصل خوش بیا بسوی بوستان بکن ایاغ باده پر بصحبت سهی قدان
نشاط فرض عین شد درین زمان بر ان زن و جوان رسید عهد لطف دین ز لطف ایزد جهان
چو لطف دین که از سلف گرفته صد فخارها

ملاذ و ملجا جهان معاذ و امن زمان درش امان بکیسان چه پیر و کودک و جوان
فروغ سروری ضیاء جمله دودمان سحاب رحمت و کرم خزانه بخش این و آن
همی دهد بمردوزن زبدره ها هزارها

هزبر بیشه دغا نهنگ لجه قضا سپهر عالم سخا فروغ دیده عطا
عماد شرع مصطفی قوام ملت هدا محیط رفعت و علا امیر مملکت کشا
مدبر امورها منظم دیارها

بری ز جود پاک او بدهر از همه علل که عقل نکته گیر هم نیابد اندرو خلل

بفضل خالق جهان بعقل و رائی ازل — بنظم ملک بی مثل بفهم کار بی بدل
بجاست گر دکن کند بذاتش افتخارها

ز قدر اعتلائے او فروغ دین ایزدی — ز غرو مجد او قوی شریعت محمدی
وحید عصر آمده بهر هنر ز بحر و بر — نمانده در زمانه آتش و جو ظلمت بدی
نموده پایگاه را چو مهر در نهارها

بجل و عقد رائی او کشادگی و بستها — برق و فتق نظم او درستی شکستها
کجا چو او تمیزی بهر فراز و پستها — مذل زیرستها مفرح پرستها
زینش دنوش او بود بد بهر یادگارها

به از پدر بهر صفت ترا نمود کردگار — چه در فراست و هنر چه در متانت و وقار
ز مجد خویش برتری بجود علم و نظم کار — بیا فرید حق ترا بزرگتر بروزگار
چنانکه خسرو دکن میان شهریارها

شه دکن شد من بعز و قدر آسمان — عیان ز غره اش بود ضیاء فره کیان
گه کرم عطا کند خزانه های شاهگان — بهند بر گمان بود لاوه کهف این و آن
ضمین قسمت بشر کفیل رزق خوارها

مغیث جمله مومنین غیاث جمله مسلمین — نظام ملک و مجد دین محب عالمین
روان فضل اولین سپهر فر آخرین — یگانه سرور زمین منیر طارم برین
مطیع رب ذی المنن مطاع تاجدارها

ز رمح خشم خنجری چو بر سر عدا کشد — بقا گریخته برخ حجاب از فنا کشد
بمثل کاه کوه را کمندش از هوا کشد — ملک ز چنبر فلک با فرین نوا کشد
کجا چو او تهمتنے بوقت گیر و دارها

شهے که حکم او بود قدر از قضا نشان — بهمت بلند او مدار سقف آسمان

چو ابر دست جود او ہمیشہ ہست درفشان بعمر مال او دہد خدا بقاے جاودان

سنین عمر او شود زیادہ از شمار ہا

حصول نور می کند ز نیر منیر شہ بہ ملک ہست لطف دین امیر بے نظیر شہ
تجلی سریر شہ امین شہ نصیر شہ محب شہ مشیر شہ معین شہ ظہیر شہ

بنہ ز دست شہ ازان شدہ مدار اعتبار ہا

بہار خلد نگہتی ز باغ خلقہاے او چو درک عقل اولین طبیعت سای او
رسد بہ چرخ چارمین لواے اعتلای او ز طبع جامد کجا ادا شود ثنای او

بسم ز فخر این قدر گزیندم بکار ہا

تلطفش بحال من چو عید با نوید من عتاب او برائے من عذاب من وعید من
ہدست او ست در جہان سیاہ من سپید من نگاہ او ست سوی من رطال سعید من

چو سر وران قدر دان ببوی خاکسار ہا

چو جد من کنون مرا اگر چہ اقتدار نے بقبضہ من آن قدر متاع روزگار نے
خزانہ نے شکوہ نے پیادہ نے سوار نے عمامہ نے دواب نے ضیاع نے عقار نے

بمال و جاہ کمترم ز ما سلف کبار ہا

براہ لطف اگر شوی معین و غمگسار من رسد بہ گنبد فلک کلاہ افتخار من
شود نصیب یار و رو بود زمانہ یار من چو صبح عید بر شود ز جیب شام تار من

طلوع مہر خرمی بشوکت و وقار ہا

بطول زندگی خود گہے نکردہ ام دعا مگر بعہد فرخت ہمیشہ خواہم از خدا
ز ہم بدہر سالہا و گیرم از تو مدعا بگویم از زبان دعا نویسم از قلم ثنا

بقلب حاسدان رسد شرر ز شکل بخارہا

زمانہ تازہ لب شود ز دجلہ عطای او محرک فلک بود موافق رضای او

کند لذیذ کامہا چو انگبین ثنائے او چو خضر باد تا ابد درازیِ بقائے او

دعائے فاضل این بود بحفظ اختصار ما

قطب الدین محمود

غلاۃ شیعہ

بے نیازی سے فریب ادبت عیار نہ دے ہم نہ مانیں گے خدا صورت انسان ہوگا آتش

غالیوں میں پہلا شخص میری دانست میں

عبداللہ بن سبا سے ہے علمائے شیعہ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا پہلے یہودی تھا اور حضرت یوشع بن نون وصی موسیٰ ع کی شان میں غلو کہتا تھا جب مسلمان ہوا تو حضرت امیر ع کی شان میں اوس نے غلو کیا۔ حضرت صادق ع فرماتے ہیں خدا لعنت کرے عبداللہ بن سبا پر کہ وہ امیر المومنین پر جان بوجھ کر افترا کرتا تھا اور امام محمد باقر ع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا نبوت کا مدعی تھا اور امیر المومنین کو خدا کہتا تھا یہ خبر حضرت کو پہنچی تو اوسے بلا کر پوچھا اوس نے اقرار کر لیا اور کہنے لگا تو وہی ہے مجھے الہام ہوا ہے کہ تو خدا ہے میں نبی ہوں۔ تین دن تک حضرت اوسے توبہ کرنے کو فرماتے رہے جب اوس نے توبہ نہ کی تو حضرت نے اوسے آگ میں جلا دیا اوس کی نظیر فرقہ عیسائیہ میں موجود ہے جن لوگوں نے مثل پولس وغیرہ کے الوہیت حضرت عیسیٰ ع کی تلقین کی اونہوں نے اپنے تئیں اولاد نبی و رسول قرار دیا۔

اس شخص کو تو حضرت نے جلوا دیا مگر بہت لوگ اوس کے اتباع میں داخل ہو کر گمراہ ہو چکے تھے۔ صاحب فتح الباری بسند حسن روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی سے کسی نے کہا کہ مسجد کے دروازہ پر کچھ لوگ آپ کو اپنا خدا کہہ رہے ہیں حضرت نے

اُنھین بلاکر پوچھا کہ تم کیا بک رہے ہو اونہون نے کہا تو ہمارا رب اور خالق اور رازق ہے فرمایا لوگو خدا سے ڈرو اس کلمہ سے باز آؤ اُنہون نے نہ مانا۔ دوسرے دن پھر آئے۔ قنبر نے آکر عرض کی کہ واللہ وہی کلمہ کہتے ہوئے وہ لوگ پھر آئے ہین فرمایا اندر بلالے غرضکہ آج بھی وہی کہا کیے جب تیسرا دن ہوا تو حضرت نے فرمایا اگر تم یہ کلمہ کہے جاوگے تو بُری طرح تمھین قتل کرونگا۔ اونہون نے اپنی بات کے سوا کچھ نہ مانا۔ فرمایا قنبر مزدورون کو بلالا تیشے لیکر آئین غرض مسجد اور قصر کے درمیان ایک نالی کھودی گئی اور کہا کہ زمین کو گہرا کھودو پھر لکڑیان لاے اور اُس نالی مین آگ اور لکڑیان ڈال دین۔ پھر اون لوگون سے فرمایا کہ تم باز نہ آؤ گے تو اسی مین تم سب کو ڈال دونگا غرضکہ اونہون نے نہ مانا اور حضرت نے اُن سب کو اُس نالی مین ڈال دیا۔ فتح الباری کی اس روایت کی تائید امام محمد باقرؑ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ قوم زط مین سے ستر شخص حضرت امیر کے پاس آے حضرت نے فرمایا مین بندہ خدا ہون مخلوق ہون اونہون نے نہ مانا اور کہا تو وہی ہے تو وہی ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر تم توبہ نہ کروگے اور میرے باب مین جو کلمہ تم نے کہا اُس سے باز نہ آؤ گے تو مین تم سب کو قتل کرونگا اُن لوگون نے نہ مانا نہ توبہ کی نہ اپنی بات سے باز آے حضرت نے اُن کے لیے کنوئین کھدواے اور ایک کنوین سے دوسرے کنوین تک راستہ رکھا پھر اُن سب کو کنوؤن مین ڈال کر منہ کنوؤن کے بند کرواد ئے اور ایک خالی کنوین مین جس مین کوئی شخص نہ تھا آگ سلگا دی۔ اس کنوین کا دھوان سب کنوؤن مین پہونچا اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گیے اس روایت کی شرح مین لکھتے ہین کہ قوم زط کے یہ لوگ سب ہندو تھے ہین ناقص مین یہ آتا ہے کہ کیا عجب ہے کہ جاٹ کا معرب زط ہو اس مین شک نہین

کہ یہ دونون روایتین ایک ہی واقعہ کے متعلق ہین اُس مین نالی کا لفظ ہے اور اس مین کنوون کا لفظ لیکن جب کنوین سے دوسرے کنوین تک راہ ہوئی تو اوسے نالی بھی کہہ سکتے ہین۔ ان لوگون کے قتل ہوجانے کے بعد بھی اس ضلالت کا استیصال کلی نہ ہوا۔ آخر اسی فرقہ کے وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ امیرالمومنین قتل نہین ہوے ابر مین چلے گئے ہین اور بجلی جو چمکتی ہے یہ ذوالفقار ہے۔

مختار جناب صادق فرماتے ہین کہ حسین بن علیؑ مختار کی افترا پردازی مین مبتلا تھے۔ امام کے اس قول نے مختار کو دین و دنیا سے کھو دیا اُس کی تمام خوبیون پر پانی پھر گیا۔ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختار امام حسینؑ پر اتہام کیا کرتا تھا اور روایتین وضع کر کے حضرت کی طرف منسوب کر دیتا تھا امام حسین کے بعد محمد بن حنفیہ کی شان مین غلو رکھتا تھا اور فرقہ کیسانیہ کا بانی ہے۔ مگر تمام بنی ہاشم کا جان نثار تھا۔ مسعودی لکھتے ہین کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے تسلط کے زمانہ مین بنی ہاشم کو ایک درہ کوہ مین بند کر کے لکڑیان جمع کی تھین اور سب کے جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ عین وقت پر مختار ایک لشکر جرار لیکر پہونچا اور سب کو بچا لیا۔ فاطمہ بنت امیرالمومنین اس قدر اسیر شفقت کرتی تھین کہ اپنے ہاتھ سے اُس کے لیے بچھونا بچھاتی تھین اس کے معتقدین سمجھتے ہین کہ محمد بن حنفیہ زندہ ہین اور کوہ رضوی مین غائب ہوگئے ہین۔ تعجب یہ ہوتا ہے کہ جو خاندان رسالت کے ساتھ ایسی ارادت رکھے وہ امام پر تہمت بھی کرے اور کذاب کہلائے مختار کو مصعب بن زبیر نے قتل کیا۔

بیان اس کا نام نبان بھی بعض روایتون مین ہے۔ تناسخ کا قائل تھا یہ شخص امام زین العابدینؑ پر افترے کیا کرتا تھا اور اپنے اقوال موضوعہ کو اُن کی طرف

منسوب کر دیا کرتا تھا۔ امام زین العابدین فرماتے ہین کچھ لوگ ہمارے شیعون
مین سے ہمارے ساتھ اس طرح کی محبت رکھتے ہین کہ یہود و نصاریٰ کے باب مین
اور نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کے باب مین جو عقیدہ رکھتے ہین وہی عقیدہ وہ
لوگ ہمارے ساتھ رکھتے ہین نہ وہ ہمارے اور نہ ہم اُنکے۔ صاحب۔ میزان
الاعتدال لکھتے ہین کہ بیان بن سمعان نہدی قبیلہ بنی تمیم سے سو برس کے
بعد عراق مین ظاہر ہوا وہ الوہیت حضرت علی کا قائل تھا اور کہتا تھا کہ الوہیت
و انسانیت ان مین متحد ہو گئی ہے اور اُن کے بعد اُن کے بیٹے محمد بن حنفیہ
مین اُن کے بعد اُن کے بیٹے ابو ہاشم مین اُن کے بعد خود بیان مین
وہ الوہیت منتقل ہوئی ہے اس نے امام محمد باقر کو ایک خط لکھا جس مین دعوے
تھا کہ مین نبی ہون اور آپ کو اپنی طرف دعوت کرتا ہون اس زندیق کو خالد بن
عبداللہ قصری نے قتل کیا اور آگ مین جلا دیا۔ انتہی۔ اس روایت سے یہ
نہین معلوم ہوتا کہ امام زین العابدین کی الوہیت کا یہ قائل تھا بلکہ روایات
کتب شیعہ سے یہ مضمون مستفاد ہوتا ہے اور حضرت صادق نے اسپر لعنت
کی ہے کہتا تھا آیہ ھذا بیان للناس میری شان مین اترا ہے۔

مغیرہ بن سعید فرقہ مغیریہ کا بانی امام محمد باقر پر افترے کرتا تھا جناب امیر کی نسبت غلو
رکھتا تھا۔ حضرت صادق فرماتے ہین خدا لعنت کرے مغیرہ بن سعید پر اور اس
یہودن پر جس کے پاس جا کر وہ سحر و شعبدہ و افترا سیکھ آیا کرتا تھا اس شخص نے
میرے باپ پر افترے کئے ہین۔ اس کا مذہب یہ تھا کہ خدا کی شکل آدمیون کی
سی ہے اس کے سر پر نورانی تاج ہے اور امام محمد باقر کے بعد محمد بن عبداللہ
بن الحسن بن الحسن امام ہوئے۔ اور وہ زندہ جاوید ہین اُن کے بعد اپنے تئین
پہلے امام کہتا تھا پھر نبی کہنے لگا یہ بھی قتل کیا گیا۔

ابو الخطاب محمد بن ابی زینب مقلاص بڑا صاحب اثر شخص معلوم ہوتا ہے اس کے اتباع و انصار و دعاۃ بہت کثرت سے تھے امام محمد باقر اور حضرت صادق پر یہ شخص اتہام کیا کرتا تھا۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہین خدا لعنت کرے ابو الخطاب پر اور اوس کے اصحاب پر اور اُس پر جو اُس کے ملعون ہونے مین شک کرے یا توقف کرے اسکے بعد فرمایا خدا لعنت کرے ابو الغمر اور جعفر ابن واقد اور ہاشم بن ابی ہاشم پر انہون نے ہمارے نام سے لوگون کو لوٹ کھایا اور مذہب ابو الخطاب کے دعاۃ مین سے ہین۔ کوفہ عجب سرزمین تھی اس کی امت وہین سے پھیلنا شروع ہوئی۔ حضرت صادقؑ بھی اس شخص کے ہاتھ سے بہت نالان تھے۔ فرماتے ہین واللہ اہل کوفہ جو کچھ میرے باب مین کہتے ہین اگر اُسے مین گوارا کر لیتا تو زمین مجھے کھا لیتی مین ایک بندۂ مملوک ہون مجھے کسی شے کے نفع و ضرر پر قدرت نہین۔ کہتے ہین ابو الخطاب مدعی نبوت ہونے کے پہلے راہ راست پر تھا اور شیعہ اُس کی روایت پر اعتبار کرتے تھے لیکن ابن الغضائری جو علماے رجال شیعہ مین سے ہین یہی کہتے ہین کہ میری رائے یہ ہے کہ وہ روایتین بھی قابل ترک ہین۔ ابو الخطاب اپنے ستر اصحاب کے ساتھ قتل کیا گیا اس کے معتقدون مین یونس بن ظبیان ایک شخص تھا۔ نقل ہے کہ ابو الخطاب کی بیٹی مر گئی تو ابن ظبیان اُس کی قبر پر آ کر کہتا ہے السلام علیک یا بنت رسول اللہ۔ ایک شخص نے امام رضا کے سامنے ذکر کیا کہ یونس بن ظبیان کہتا ہے کہ مین ایک شب طواف کر رہا تھا ناگاہ جبریل مجھ پر نازل ہوے۔ حضرت کو یہ سنکر تاب نہ رہی کہا نکل یہان سے خدا تجھ پر اور یونس بن ظبیان پر ہزار لعنت کرے کہ ہر لعنت قعر جہنم مین لیجاے ابو الخطاب کا خلیفہ بزیع تھا اُس نے معراج کا دعوی کیا اس پر بھی امام نے لعنت کی ہے۔

مفضل بن عمر اہل بیت کو رازق عباد کہتا تھا اور ابو الخطاب کا مذہب رکھتا تھا
کہتا تھا ابو الخطاب کے ساتھ ستر پیغمبر قتل ہو گئے کہ اُن سب نے اپنے معبود
کو دیکھا تھا۔ مفضل حضرت صادق کے اصحاب مین تھا اس نے حضرت پر بہت
سے افترے کئے ہین کہتا ہے ہم سب بارہ آدمی مل کر حضرت صادق کی خدمت
مین گئے حضرت نے ایک ایک شخص کو ایک ایک پیغمبر کے نام سے سلام کیا۔
کسی کو کہا السلام علیک یا نوح کسی کو کہا السلام علیک یا ابراہیم آخر مین جو شخص
تھا اُسکو کہا السلام علیک یا یونس۔ مین کہتا ہون غنیمت یہ ہوا کسی کو السلام
علیک یا محمد نہین کہا۔ یحیی بن عبد الحمید حمانی کہتے ہین۔ مین نے شریک سے
پوچھا کہ بعض لوگ جعفر صادق کو ضعیف الحدیث سمجھتے ہین اور ہون نے کہا مفضل
و بیان و عمر نبطی وغیرہ نے اُنکو بدنام کر دیا ہے اور اُن پر افترے کئے ہین جھوٹی
جھوٹی باتین بنا کر یہ لوگون کو لوٹا کرتے تھے۔ عوام الناس ان کی بات کا اعتبار
کرتے تھے اور ان کو مال و زر دیتے تھے اگر تو نے جعفر صادق کو دیکھا ہوتا
تو تجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ یکتائے زمانہ تھے۔ حضرت صادق نے مفضل پر
لعنت اور اُس سے برارت کی ہے اور حضرت کے اصحاب مین سے دو شخص روایت
کرتے ہین کہ ہم نے حضرت سے پوچھا کہ کیا ہم بھی مفضل پر لعنت اور اُس سے
برارت کرین تو آپ نے اجازت دی اور ہم نے بھی اُسپر لعنت کی۔ یہ شخص
رجال شیعہ مین داخل ہے مگر فساد عقیدہ کے سبب سے اس کی روایت کو
ضعیف سمجھتے ہین بعض روایتین بہت طولانی عالیۃ المضامین اس نے حضرت
صادق سے نقل کی ہین جو توحید مفضل و حدیث الہلیلج کے نام سے مشہور ہین
ناسخ نے توحید مفضل کا ترجمہ اردو مین نظم کیا ہے۔ مین کہتا ہون کہ جس طرح
ابن الغضائری نے ابو الخطاب کے تمام روایات کو قابل ترک کہا ہے اسی طرح

اس کے بھی تمام روایات اعتبار کے قابل نہیں۔ یہ بھی ابوالخطاب سے کسی بات میں کم نہیں رہا۔

معلی بن خنیس کوفہ کا بزاز حضرت صادقؑ کا غلام آزاد کردہ ہے پہلے اسنے مغیرہ بن سعید کا مذہب اختیار کیا پھر نفس زکیہ کے دعاۃ میں داخل ہوا۔ غالیوں نے اس سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔ آئمہ کو یہ پیغمبر سمجھتا تھا اس پر حضرت صادق نے فرمایا کہ جو لوگ ہمیں انبیا سمجھتے ہیں ہم اُن سے بری ہیں تعجب ہے کہ اس کی روایت صحیح سمجھی جاتی ہے۔ اس شخص کو داؤد بن علی نے قتل کیا۔

محمد بن بشیر اہل کوفہ میں سے تھا امام موسیٰ کاظمؑ کے اصحاب میں اس کا شمار ہے اُن کو خدا اور اپنے تئیں اُن کا پیغمبر کہتا تھا اور ان کی طرف اپنی روایات موضوعہ کو منصوب کر دیتا تھا۔ امام موسیٰ کاظم فرماتے ہیں ہم لوگوں پر جس جس نے عمداً افترا کیا خدا نے اُسے تلوار کا مزہ چکھا دیا۔ علی بن الحسین پر بیان افترے کیا کرتا تھا خدا نے اُسے تلوار کا مزہ چکھا دیا۔ ابو جعفر باقرؑ پر مغیرہ بن سعید افترے کیا کرتا تھا خدا نے اُسے تلوار کا مزہ چکھا دیا۔ میرے باپ پر ابو الخطاب افترے کیا کرتا تھا خدا نے اُسے تلوار کا مزہ چکھا دیا۔ ابن بشیر پر خدا لعنت کرے اور ذائقہ شمشیر اسے چکھائے یہ مجھ پر افترے کیا کرتا ہے خداوندا اس نجس پلید ابن بشیر کے ہاتھ سے مجھے چھڑا۔ اس کے معتقدین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ موسیٰ بن جعفر نہ مرے نہ قید ہوئے بلکہ غائب اور پوشیدہ ہو گئے ہیں اور وہی امام قایم و مہدی ہیں۔ اپنی غیبت کے وقت محمد بن بشیر کو اپنا وصی و خلیفہ کر گئے ہیں۔ یہ شخص بڑا حیلہ ساز و شعبدہ گر تھا ایک باریک ریشمی کپڑے پر اسنے امام موسیٰ کاظمؑ کی قد آدم روغنی تصویر کھینچی تھی کہ جب اُس میں سانس بھر دیتا تو وہ تصویر کھڑی ہو جاتی

تھی اور جب ہوا نکال ڈالتا تو اُسے لپیٹ کر چھپا رکھتا تھا لوگون سے کہتا تھا کہ موسیٰ کاظم میرے ساتھ ہین اور اکثر لوگون کو اندھیری کوٹھری مین تصویر کا شعبدہ دکھا کر گمراہ کرتا تھا۔ اور اس کے سوا اور بھی عجیب وغریب شعبدے اُسے آتے تھے۔ حضرت صادق اور موسیٰ بن جعفر دونون نے اُسکو بددعا کی تھی انواع عذاب مین مبتلا ہوکر قتل کیا گیا۔

محمد بن فرات | یہ شخص امام رضا پر اتہام کیا کرتا تھا۔ حضرت فرماتے تھے خدا لعنت کرے ابن فرات پر اور اُسکو تلوار کا ذائقہ چکھائے یہ شخص مجھ پر افترے کرتا ہے ایسی اذیت تو ابو الخطاب نے بھی حضرت صادق کو نہ دی ہوگی جو اس شخص کے ہاتھ سے مجھے پہنچ رہی ہے۔ ابن فرات اپنے تئین **باب** کہتا تھا۔ مین سمجھتا ہون کہ باب مدینۃ العلم کا مقابلہ اس لقب سے مقصود تھا شاید یہ پہلا شخص ہے جسنے باب ہونے کا دعویٰ کیا اور اُس کے ساتھ ہی نبوت کا بھی ابراہیم بن مہدی نے اسکو قتل کیا۔ اسی طرح امام رضا کے اصحاب مین محمد بن سنان بھی غالی وکذاب کہلاتا ہے اور اُس سے روایت کی جاتی ہے۔

سجادہ | اس کے ماتھے پر اتنا بڑا گھٹا تھا کہ نشان سجدہ اس کا نام ہی مشہور ہوگیا یہ بھی کوفی ہے۔ امام محمد تقی کے اصحاب مین تھا۔ علماے رجال کہتے ہین خدا لعنت کرے سجادہ پر یہ ملعون ابو الخطاب کو رسول اللہ سے افضل سمجھتا تھا۔

محمد بن نصیر فہری نمیری | فرقہ نصیری اس کی طرف منسوب ہے کہتا تھا کہ امام علی نقی خدا ہین اور مین اُن کا رسول ہون اسی زمانہ مین ابو السمہری اور ابن ابی الزرقا بھی حضرت پر اور اُنکے پدر بزرگوار پر افترے کیا کرتا تھا ان کے علاوہ فارس بن حاتم قزوینی بھی مشہور افترا پردازون مین ہے۔ امام علی نقیؑ نے اپنے اصحاب مین سے جنید کو فارس کے قتل کرنے کا حکم دیا اُنھون نے

حسب ارشاد اُسے قتل کیا۔ پھر حضرت نے اسحاق کو کچھ اور غالیون کے قتل کا حکم کیا جن مین ابو السمہری اور ابن ابی الزرقا بھی تھا لیکن یہ لوگ بچ گئے۔

علی بن حسکہ باب ہونے کا مدعی تھا اس کے بعد اس کا شاگرد یقطینی باب ہوا۔ یہ خود اور اس کے تینون شاگرد قاسم شعرانی یقطینی اور ابن بابا اور محمد بن موسیٰ شریقی سب کے سب غالی و ملعون مشہور ہین۔ ان لوگون کا قول تھا کہ قرآن مین حکم صلوٰۃ اور زکوٰۃ وغیرہ سے ولائے امام مراد ہے ؎

علی سے کر کے بیعت فکر کس کو دین و دنیا کی
سمجھتے ہین اجی دست خدا پایا خدا پایا

اور اسی طرح معاصی مین بھی یہ لوگ تاویلین کرتے تھے ان کی راے یہ تھی کہ ولائے اہل بیت نجات کے لیے کافی ہے ترک معصیت و انہماک طاعت کی ضرورت نہین ؎

تکلیف یہ بے نیاز کیسی ؟ روزہ کیسا نماز کیسی

انہون نے اپنا مذہب جاری کرنے کے لیے امام علی نقی اور امام حسن عسکری پر تہمتین کی ہین۔ امام علی نقی نے اپنے بعض اصحاب کو لکھا کہ ابن حسکہ اور قاسم یقطینی کو شیطان نے بہکایا ہے مین اُن لوگون کے قول سے بری ہون اور تم لوگ بھی اُن سے ملنا چھوڑ دو خدا اُن پر لعنت کرے اور ایک راوی نے امام حسن عسکری کو لکھا کہ کچھ لوگ ایسے ایسے اقوال آپ کی طرف اور آپ کے آبائے کرام کی طرف منسوب کرتے ہین جس سے ازحد خاطر ہوتا ہے اون لوگون مین علی بن حسکہ اور قاسم یقطینی بھی ہے اُن کے اقوال مین سے یہ بھی ہے کہ قرآن مین صلوٰۃ و زکوٰۃ سے ولائے امام مراد ہے اور اسی طرح معاصی مین بھی تاویلین کرتے ہین۔ حضرت نے جواب مین لکھا تو ان اقوال سے اجتناب کر ہمارا یہ مذہب نہین ہے۔

غلاۃ مین سے یہ سب وہ لوگ ہین جو داعی فریق و بانی طریق گزرے ہین
اور جو ان کے اتباع و مقلدین و معتقدین تھے اُن کا احصا دشوار ہے ظاہر
ان کا ایسا کہ الوہیت و نبوت کا دعویٰ کرتے تھے اور لوگ مان لیتے تھے
علم اُن کا ایسا کہ اہل عرفان و اہل تفسیر و اہل حدیث مین ان کا شمار تھا۔
ان لوگون نے خطبہ بیان وضع کر کے جناب امیر پر اور سورۂ علی تصنیف
کر کے خدا پر افترا کیا فضائل اہلبیتؑ مین شیعون کو بہت دھوکے دے ہین
اور رواۃ شیعہ مین داخل ہو گئے ہین۔ زیادہ دھوکا اس سبب سے ہوتا تھا۔
کہ اکثر ان مین کے امام کے اصحاب اور مخصوصین مین شامل ہو جایا کرتے تھے۔
محمد بن سنان وغیرہ کے بری کرنے کے لیے سید علی بن طاؤس لکھتے ہین کہ
ان لوگون کو عترت طاہرہ کے ساتھ جو زیادہ تر خصوصیت تھی اسی امر نے شیعون
کی نظر مین اُن کی قدر و منزلت کم کر دی یہ لوگ زیادہ خصوصیت کے سبب سے
اہلبیت کے چھپے ہوئے اسرار سے واقف تھے۔ وہ اسرار جب شیعون کے
سامنے بیان کرتے تھے تو شیعہ اُسکے سننے کے متحمل نہ ہو سکتے تھے اور اُنہین
غالی کہنے لگتے تھے۔ یہان شیعون کے متحمل نہ ہونے سے اگر یہ مراد ہے کہ
وہ سمجھ نہ سکتے تھے تو یہ قول بامعنی ہو سکتا ہے اور اگر یہ معنی ہین کہ شیعون کی
خلاف اصول وہ اسرار تھے تو ہرگز وہ امام کا قول نہین ہو سکتے۔ لامحالہ راوی
کے فاسد العقیدہ یا کاذب ہونے پر دلالت کرین گے اور مسلک احتیاط
یہ ہے کہ جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھین محمد بن سنان و معلی بن خنیس و مفضل
و مختار وغیرہ پر جرح وارد ہو چکی پھر یہ قابل قبول کہان رہے بخصوص صریحہ
مین سے صاحب الزمان کا فرمان ہے جو محمد بن علی کے نام آیا تھا اُس مین یہ مضمون
ہے۔ اے محمد بن علی خدائے عزوجل اُس سے برتر ہے جیسا یہ لوگ کہتے ہین

اُس کے علم و قدرت مین ہم شریک نہین۔ اُس کے سوا کوئی عالم الغیب
نہین آیہ محکم مین ارشاد فرماتا ہے قل لا یعلم من فی السموات والارض
الغیب الا اللہ جہلاے شیعہ اور حمقاے شیعہ نے جن کا دین پرپشہ سے
بھی کم ہے ہم کو اذیت پہنچا رکھی ہے میرا یہ فرمان تیری گردن پر اور جو اسے
سُنے اُس کی گردن پر امانت ہے کہ میرے دوستون اور شیعون سے اسے نہ
چھپاے۔ شاید خداے عزوجل اُن کے عقیدون کی تلافی کرے کہ دین حق
کی طرف رجوع کرین۔ اس فرمان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اُس زمانے کے شیعون
مین بہت غلو پھیلا ہوا تھا یعنی حسب راے غلاۃ اہل بیت رسول اللہ کو عالم الغیب
اور خلق و رزق مین حق تعالیٰ کا شریک سمجھتے تھے۔ اسی زمانہ مین علمائے فریقین
احادیث کی تدوین پر متوجہ ہوے ہین۔ رجال مین غلاۃ بھی ہین۔ خوارج بھی
ہین کچھ اوصیا پرست ہین کچھ اولیا پرست ہین حلولیہ و اتحادیہ و مجسمہ و مجبرہ و اباضیہ
و حروریہ و صفریہ و بکریہ و حشویہ و کرامیہ و مرجیہ و معتزلہ و اشاعرہ و قدریہ و جبریہ
وغیرہ کہ اگر سب گنے جائین تو بہتر سے کہین زیادہ ہین۔ بعض محدثین نے
یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہمین راوی کے مذہب سے کیا مطلب ہے وضاع و
کذاب نہ ہونا چاہیے بعض نے اپنے تجربہ پر عمل کیا کہ جمیع اہل اہواء مین خوارج
صادق اللہجہ ہین۔ رجال صحیح بخاری کی فہرست مین صاحب فتح الباری نے
عکرمہ مولیٰ ابن عباس۔ قیس۔ بجلی۔ ثور بن یزید۔ حمصی۔ عمران بن حطان۔ ثور بن زید
دیلی۔ داؤد بن الحسین مدنی۔ بہز بن اسد بصری۔ حصین بن نمیر واسطی۔ اسحاق
بن سوید عدوی۔ عبداللہ ابن سالم اشعری۔ جریر بن عثمان حمصی۔ ولید بن کثیر
مخزومی کو خوارج مین شمار کیا ہے۔ کسی کو لکھا ہے مذہب خوارج صفریہ رکھتا
تھا کسی کو لکھا ہے اباضی المذہب تھا کسی کو کہا ہے کہ راے خوارج رکھتا ہے

کسی کو لکھا ہے کہ ناصبیت مین بدنام تھا کسی کو متہم بہ ناصبیت کسی کو رائے خوارج سے منسوب کسی کو لکھا ہے کہ علی کو بُرا کہتا تھا کسی کو لکھا ہے کہ ناصبی تھا اور علی کو بُرا کہتے ہوے سن لیتا تھا مگر خود بُرا نہین کہتا تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ صحیح بخاری کی تخصیص نہین جماعت محدثین نے ان مین سے اکثر کے ساتھ احتجاج کیا ہے۔ مین کہتا ہون اس مین شک نہین کہ غالی بدتر ہے ناصبی سے یہ مولاے مومنین کو بُرا کہتا ہے تو وہ اصل اصول اسلام یعنی توحید ہی سے بے بہرہ ہے اس نے رسول اللہ کی آخری وصیت کو نہ مانا وہ ان کی عمر بھر کی تلقین کو کھو بیٹھا۔ لیکن خوارج کے صادق اللہجہ ہونے کی کوئی وجہ حسن ظن کے سوا معلوم نہین ہوتی۔ اسلیے کہ خوارج اہل اہواء مین ہین اور اہواء داعیہ وضع۔ پھر ان کے قول سے احتجاج کیونکر صحیح ہوگا۔

علی حیدر طباطبائی

خیابان فارس۔ سفرنامہ لارڈ کرزن کا ترجمہ قیمت قسم اول مجلد عہ روپیہ قسم دوم مجلد ۱۰

جنگ روس و جاپان۔ روس اور جاپان کی لڑائی ابتداے جنگ سے قیام امن وصلح تک کے واقعات ڈراما کی شکل مین لکھے گئے ہین۔ قیمت قسم اول مجلد قسم دوم غیر مجلد عہ

سیر ظلمات جسکو مولوی ظفر علیخان صاحب بی۔ اے نے نہایت سلیس اور بامحاورہ اردو مین نہایت خوبی کے ساتھ ترجمہ کرکے شایع کیا قیمت دو روپیہ۔ (عہ) علاوہ محصول ڈاک۔

دکن کا مشہور آفاق اسلام نمبر بالتصویر حجم ۲۵۴ صفحے قیمت عہ۔ منیجر دکن ریویو

غزل

کھینچے آئیگا سینہ سے جو پیکان اپنا
پھر بچانا اُسے مشکل ہے گریبان اپنا

اُٹھ گئی کشتی مے بزم سے ہنگام سحر
دن چڑھا۔ تخت اوڑا لے گئین پریان اپنا

فصل گل آئی ہے چلتی ہے جنون خیز ہوا
چاک از خود ہوا جاتا ہے گریبان اپنا

اُڑ کے جاتی ہے مری خاک اِدھر گاہ اُدھر دہر
کچھ پتا دے نہ گئی عمر گریزان اپنا

حشر کے دن بھی مین ہر ایک کا منہ تکتا ہون
کوئی اب بھی نظر آتا نہین پرسان اپنا

ہون وہ شوریدہ۔ کہ موجون کی طرح اِدھر بے
چاک ہوتا ہے گریبان پہ گریبان اپنا

کہین ایسا تو نہو روز سیہ پیش آئے
نہ کہین رنگ جمالے شب ہجران اپنا

کی جو اخگر کی طرح گرد کدورت پیدا
مل گیا خاک مین آخر دل سوزان اپنا

سر جدا ہو کے بھی سامان تعلق نہ چھٹا
ہو گیا کٹ کے گلا شکل گریبان اپنا

بسکہ تحصیل ادب بے ادبون ہی مین مجھے
ہے خرابات زمانے مین وبستان اپنا

اپنے ہی پاؤن مین چبھتے ہین جو بوئے کانٹے
اپنے ہی سر پہ رہا کرتا ہے احسان اپنا

اُس نے سو مرتبہ شب بھر مین سنوارے گیسو
آئینہ اُس کا رہا دیدہ حیران اپنا

روز محشر کی بھی ایذا مین اُٹھالونگا۔ مگر
منہ دکھانا نہ مجھے اے شب ہجران اپنا

خوش ہون مین کنج قفس مین میری بہلانے کو
دل پر داغ دکھاتا ہے گلستان اپنا

ناخن پا سے ہو چاک تو مجبوری ہے
جادۂ دشت ہے اک بخیۂ دامان اپنا

اے جنون ہو چکے ہم پیر طریقت کے مرید
چڑھ چکا تربت مجنون پہ گریبان اپنا

جوش وحشت مین بھی پابند قناعت ہون نظم
اپنے داسن کو سمجھتا ہون بیابان اپنا

سید علی حیدر طباطبائی

بیکاری کے چند گھنٹے

(۲)

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو دکن ریویو بابت نومبر ۱۹۰۸ء

یہ چند[1] وہ مغربی ہیرو ہین، جن کے کمال و شہرت کا دیباچہ زرین یہ ہے کہ اپنا وقت عزیز اونہون نے زرد جواہر کی طرح سمجھ بوجھ کر صرف کیا تھا جس کے بعد وہ خود جواہرات مین تُلے،

لیکن ذیل کی فہرست مین ہم چند ایسے اولوالعزم، عالی حوصلہ، ارباب قلم کے نام درج کرتے ہین جنھون نے نام آوری و شہرت کا سبق چل پھر کر لیا ہے، نقشہ نمبر ۱ مین جن کے نام درج ہین، اُنھین خیر سے زیادہ نہ سہی تو دو ہی گھڑیان خاطر جمعی کی ملجاتی تھین، جنھین خلوت مین بیٹھ کر فکر آیندہ کے نذر کرتے تھے۔ بخلاف اسکے ہمارے وہ قوی الارادہ ہیرو جن کے نام نقشہ نمبر ۲ مین آپ ملاحظہ فرمائینگے نامساعدت ایام نے کبھی اونھین ایک جگہ کھڑے ہوکر دو حرف نہ پڑھنے دیئے بلکہ راستہ کی ٹھوکرین کھا کھا کر اونھون نے اپنے علمی حدود وسیع کیے جن سے آگے چل کر خراج مشقت وصول کیا۔ آفرین! صد آفرین! اونکی اون سخت سی سخت

---

[1] ان مغربی مثالون سے تمھین یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ مشرق ایسے نمونے پیش کرنے سے عاجز ہے بلکہ تمھین جو طبعی ہوائست مغربی دنیا سے ہوگئی ہے اُس نے ان مثالون کے پیش کرنے کی سفارش کی ورنہ یہ واقعہ ہے کہ آسمان کمال پر مشرقی ہی باکمال مہر و ماہ بنکر چمکے ہین ؎

آسمان دریوزہ کرد و آفتابش کرد نام

نعل او آوارۂ گوسفند شب یلدائے من

مشقتون اور دل توڑ کوششون پر جن کی عدیم الفرصتی کے کارنامے دیکھکر بڑے سے بڑا جفاکش ششدر و حیران رہ جاتا ہے اور اُسکے خیال مین اِن کی وقعت دوبالا ہو جاتی ہے ۔

نمبر شمار	نام	وقت تحصیل	غیر معمولی مشاغل	
۱	ڈاکٹر مازدن گوڈ	اثنار راہ آمد و رفت بغرض معائنہ مرضار		
۲	ڈاکٹر ڈلارون		اُسکے پاس تقسیم اوقات مین تصنیف و تالیف کے لئے بجز اس وقت کے کوئی وقت نہ تھا، چنانچہ اُس کی بیشتر تالیفات اِسی وقت مشقت کی ہین ۔	
۳	ڈاکٹر یرنی	موسیقی کی تعلیم دینے کے لیے جاتا تھا اور چند شاگردون کے یہان کی قلیل عرصہ آمد و رفت مین	فرنچ اور اٹالین زبانین سیکھین اور ان پر عبور حاصل کیا ۔	
۴	کرک ہوایٹ	عدالت کے کام سے فراغت حاصل کرکے مدرسہ جاتے ہوے	یونانی زبان لیکر اُس مین مہارت تام حاصل کی ۔	
۵	ڈکسور فرانسیسی قیافہ	اوقات طعام مین لقمہ	کھانون کے اقسام بحث	

کتب خانہ
کلیہ جامعہ عثمانیہ

نمبر شمار	نام	وقت تحصیل	غیر معمولی مشاغل	
	شناس)	چبانے وقت۔	وغیرہ کے طریقے، اور اُن کے متعلق لطیف ولذیذ معلومات ایک ضخیم جلد مین نہایت شرح وبسط سے دکھلائے ہین۔ جو بذات خود ایک خوان پرالوان ہے اس شخص کی خوش مذاقی و ذکاوت قابل داد ہے کیونکہ وقت تصنیف اور موضوع تصنیف مین اُس نے کیسا دلچسپ تناسب پیدا کر دکھایا ہے اُسکی چند مبسوط تالیفات اسی وقت کی زیور ترتیب سے مرصع ہوئین۔	
۶	مڈام دی جنلی	ایک معزز لیڈی کو پڑھانے جاتا تھا، اُسکے کاشانہ عظمت پر پہونچکر انفاس چند بجائے انتظار کے ترتیب خیالات مین گذارتا		
۷	یوبرٹ	پیشہ آہنگری کرتا تھا جب سودے کی خرید وفروخت کیلیے گھر ہی نکلتا اپنے شوق کا سودا گھر ہی سے خرید لیتا۔	اس اولوالعزم آہنگر نے ۳۸ زبانین (جدید۔ قدیم) حاصل کین جن مین سے ہر زبان مین کافی مشق رکھتا تھا۔	

ایک نو خیز تجربہ و عقل کا انسان ان خرق عادات سے انکار کر بیٹھے گا لیکن اُس کی مقابل ان ہدایتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

(۱) لحظات کے تواتر سے گھنٹے اور گھنٹوں کے تواتر سے ایام بنتے ہیں، بڑے بڑے سر بفلک پہاڑوں کی ترکیب ایسے ذرات سے ہے جو بیمقدار، اور بغیر آلہ مکبر کسوب نظر نہیں آ سکتے۔

(۲) اور یہ عظمت و بلندی اُنہیں تدریجاً حاصل ہوتی ہے جس کا احساس نہیں ہوتا۔

پس جو لوگ وقت فرصت کو تمیتی سمجھ کر حسب قرار داد سابق اُس سے سبق لیتے ہیں، اُن کے استقبال میں ایک عجیب شان بے نیازی و دولتمندی پیدا ہو کر اُنہیں وہ جوہر ذات و دلیعت کرتی ہے جو بذات خود اُن کو پارس بنا دیتی ہے۔ اس نایاب اور خوشنما اصول نے محض ناداروں اور مفلسوں ہی پر اعجاز مسیحائی نہیں دکھلایا بلکہ اعلے فرایض انجام دینے والے ارباب نظر کو بھی اس نے اپنا مفتون بنایا، جس کے بعد اُنہیں اُن مناصب سے علیحدہ ہو کے بھی معراج اعتبار نصیب ہوئی۔ اُس سے زیادہ عیش اُٹھائے۔ اور باکمالوں کے زمرہ میں گنے گئے۔ اور جنھوں نے موجودہ خوشحالی پر اعتماد کیا، ترقی کا پیچھا نہ کیا، وہ سر بقدم ہو گئے۔

الغرض مضمون بالا سے ان مسائل پر پوری روشنی پڑ جاتی ہے کہ

ہم اپنی سخت سے سخت مصروفیت کے زمانہ میں بھی کسی مفید مشغلہ کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

ہم دماغی تفریح کا کام بھی ہمیں کسی ہنر باکمال سے لینا چاہیے جسکی خلاف ورزی میں بہت سی قباحتیں، اور اس پر کاربند ہونے میں کامیابی کا راز پنہان ہے۔

ہم کسی کام کی طرف جھکیں، ہمیں عزم و ارادہ سے مدد مانگنی چاہیے جسکے ساتھ مزاولت شرط ہے۔ ۵ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ط

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

جواد علی خان حالی

ترفاء الحم انگوری و آتشہ

اور مرکبات روحانی حالا

عالم میں جہاں
مخلوق
ہوئے ہیں ان
ہیں
ہی تدابیر ماجز خلائق
ہے
ہے
ہے

ڈاکٹر برمن کی بنائی مشہور دوائین

پچیس برس سے سارے ہندوستانمین استعمال مین آرہی ہین

(۱) دما جیسے زور سے اُچھلتا ہو اسی دوا کے دو ایک موتا دہی سے دیتا ہے۔

(۲) بنا سہتے اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دما جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پورانے دما والے یا جن کا دما دم کا ساتھی ہو گیا ہے وہ بھی اس دوا سے بہت صحت پاتے ہین

دمہ کی دوا۔ ڈاک محصول ایک سے ۳ شیشی تک ۵ آنہ۔ قیمت ایک شیشی ایکروپیہ ۴ھ

مقوی باہ کی گولیان ڈاکٹری مین طاقت دینے والی دوائیون مین مشہور دوا ہین فاسفورس اسٹکنیا اور ڈینا ملاکر یہ گولیان بنی ہین۔ مغز۔ ریڑھ ورگ۔ ماس اور خون کو یہ طاقت دیتی ہے اس لئے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزوری ہول دل یا دہولنا ہاتھ پیر کا کانپنا لقوہ وغیرہ ان گولیون سے آرام ہوتے ہین دو ہفتہ کی خوراک تیس گولیون کی شیشی۔ قیمت ایک روپیہ ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔

امراض مستورات کی دوا۔ یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کا رحم کی بیماری پرورروگ حمل کی کمزوری پیڑو جانگ مین درد وغیرہ کو مٹاکر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمایش کیجئے۔ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ ۴ھ (۱۶ خوراک) ڈاک محصول ۶/-

ان دوائیون کی مفصل حالت معہ سرٹیفکٹون کی پوری کتاب بلا قیمت ملتی ہے منگا کر پڑھیے۔

ڈاکٹر ایس کے برمن

نمبر ۵ و ۶ تارا چندوت اسٹریٹ کلکتہ